واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا

اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو

حبل اللہ

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا

(سورۃ الاحزاب: ۵۹)

’’اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ (باہر نکلا کریں تو اپنے (چہروں) پر چادر لٹکا (کر گھونگٹ نکال) لیا کریں۔ یہ اُن کے لیے موجب شناخت (وامتیاز) ہوگا تو کوئی اُن کو ایذا نہ دے گا۔ اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔‘‘

الہامی ادب

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ
اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ
مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا
ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰي جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ
زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ
اَوْ اَبْنَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ
اَوْ نِسَاۗىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ
مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰي عَوْرٰتِ النِّسَاۗءِ ۠
وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا
اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

(سورۃ النور: ۳۰، ۳۱)

"(اے نبی ﷺ!) ایمان والے مردوں سے کہدو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ اُن کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے (اور) جو کام یہ کرتے ہیں، اللہ اُن سے خبردار ہے۔ اور ایمان والی عورتوں سے کہدو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی زینت (یعنی آرائش کے مقام) کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں مگر وہ جو اُس میں سے کھلا رہتا ہو۔ اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنے خاوند اور باپ اور خسر اور بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں اور اپنے بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور اپنی (ہی قسم کی) عورتوں اور لونڈی غلاموں کے سوا نیز اُن خدام کے جو عورتوں کی خواہش نہ رکھیں یا ایسے لڑکوں کے جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں (غرض ان لوگوں کے سوا) کسی پر اپنی زینت (یعنی مقام آرائش) ظاہر نہ ہونے دیں۔ اور اپنے پاؤں (ایسے طور سے زمین پر) نہ ماریں کہ (جھنکار کانوں میں پہنچے اور) ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے؛ اور مومنو! تم سب اللہ کے آگے توبہ کرو تا کہ فلاح پاؤ۔"

حبل اللہ

مجلہ نمبر ۲۵

زیرنگرانی: محمد حنیف

یہ مجلہ بلا قیمت تقسیم کیا جاتا ہے

مجلہ حبل اللہ درج ذیل مقام سے شائع ہوتا ہے، اس کے سوا اس کا دوسرا کوئی پتہ نہیں

مقام اشاعت

مرکزی دفتر۔ مسجدِ توحید

آر۔جی ریلوے کوارٹرز، پوسٹ بکس نمبر ۵۲۸،

کیماڑی ۔ کراچی

اس شمارے میں

ترتیب

www.therealislam.net

www.emanekhalis.com

حدیثِ دل

اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کو بتایا کہ ''میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں'' تو انہوں نے کہا کہ ''کیا تو وہاں ایسے کو پیدا کرے گا جو وہاں فساد برپا کرے اور خون بہائے ......'' (البقرۃ:۳۰) فرشتے اللہ تعالیٰ کے منصوبے سے لاعلم تھے اس وجہ سے انہوں نے یہ استفسار کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تخلیق ''احسن تقویم'' پر کی، اس کی فطرت کو دین اسلام کے عین مطابق بنایا اور اس پیکر خاکی کو بہترین صلاحیتوں، اعلیٰ اوصاف اور علم و دانش سے آراستہ کر کے اور اشرف المخلوقات بنا کر دنیا میں بھیجا، جہاں اس کی ضرورتوں کا تمام سامان پہلے سے مہیا کر دیا گیا تھا۔ لیکن اس منصب اور اخروی فلاح و کامیابی کی اہمیت کے لیے امتحان ضروری تھا لہٰذا ہدایت و گمراہی، اطاعت و نافرمانی کے دونوں راستے دکھا کر انتخاب کرنے کا اختیار بھی دیا گیا اور اسی میں اس کا امتحان رکھا گیا۔ اس مقصد کے تحت جہاں شیطان کو کچھ مہلت ملی کہ وہ لوگوں کو راہ ہدایت سے بھٹکائے اور اشرف المخلوقات کو اسفل السافلین بنائے، وہاں ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے انبیاء برابر آتے رہے اور اُن کو بھولا سبق یاد دلاتے رہے۔ بالآخر اللہ کے آخری رسول ﷺ مبعوث ہوئے اور اُن کی دعوت و تعلیمات کو قرآن و صحیح احادیث کی شکل میں مکمل دین اسلام کی حیثیت سے ساری دنیا کے لیے قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا گیا۔

رسول ﷺ اور پیش رو انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی قوم کو الٰہ واحد کی عبادت کی دعوت دی اور اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے سے سختی سے منع کیا۔ لوگوں کو سمجھایا گیا کہ وہ نافرمانی اور سرکشی کی روش چھوڑیں اور اپنے ایمان کو شرک سے یکسر پاک کر کے اپنے خالق اور حقیقی مالک کی بندگی اختیار کر لیں، اور اسی کے احکامات کے مطابق زندگی گزاریں تو وہ اُن پر خیر و برکت کے دروازے کھول دے گا، دیگر قوموں پر فوقیت عطا فرمائے گا اور آخرت کی دائمی فلاح اور جنت کی نعمتوں سے ہم کنار کر دے گا۔ لیکن اس کے برعکس اگر انہوں نے اپنی جیسی مخلوق کو اللہ کی ذات و صفات، علم و اختیارات میں شریک ٹھہرایا اور اُن کو داتا، مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ کر مدد کے لیے پکارا اور ان کی شکر گزاری اور نذر و نیاز کی تو انہیں اس غداری اور نمک حرامی کی سزا ملے گی، دنیا میں بھی ذلت و رسوائی ہوگی اور پھر ہمیشہ کے لیے جہنم کا ایندھن بنا دیا جائے گا۔

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہمیشہ ہی کارفرما رہی ہے کہ جس کسی نے اس دعوت حق کو قبول کر کے اپنے نبی کا ساتھ دیا، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا حق دار ٹھہرا، دنیا میں بھی اسے عزت ملی اور اُخروی کامیابی کا مژدہ سنایا گیا۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے اقوام عالم میں عزت و سربلندی عطا فرمائی، مشرق و مغرب کی بڑی طاقتوں کو اُن کی کثیر تعداد اور وسائل کے باوجود زیر کر کے اسلام کا جھنڈا بلند کیا اور دین اسلام کو غلبہ و تمکن حاصل ہوا اور اہل ایمان سے کیا ہوا وعدۂ استخلاف پورا ہو گیا (النور:۵۵)، نیز نبی ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق قیصر و کسریٰ کے خزانے بھی اہل ایمان کی تحویل میں آئے اور پھر یہ زمین امن و سکون اور عدل و انصاف کا گہوارہ بنی اور تاریخ کا ایک روشن باب رقم ہو گیا۔

یہ وعدۂ استخلاف ایمان اور عمل صالح کے ساتھ مشروط تھا چنانچہ جب اس سے انحراف کیا گیا تو یہ کلمہ گو امت بھی پچھلی امتوں کی طرح اللہ کے عذاب میں گرفتار ہو کر بدترین ذلت و رسوائی سے دوچار ہو کر رہ گئی۔ آج ان کی بستیوں پر میزائل اور بموں کی بارش ہے، نہتے شہریوں کا خون پانی سے بھی ارزاں ہے، ہنود و یہود کے ہاتھوں کشمیر، فلسطین اور دیگر ممالک میں ان کے شہر نہ صرف انسانوں کی لاشوں بلکہ ان کی آبروؤں کے قبرستان بنے ہوئے ہیں اور زندہ بچ جانے والے سسکتے بلکتے خون آلودہ بچوں اور بڑوں اور ان کی عمارتوں کے ملبے کے ڈھیر ... کی تصاویر سے روزانہ کے اخبارات بھرے نظر آتے ہیں۔ مقام عبرت ہے کہ ایک وہ وقت تھا جب کہ ایک مظلوم کی فریاد پر صحابہ کرامؓ ﷺ کے نقش قدم پر

چلنے والا نوجوان مجاہد محمد بن قاسم ایمان کے ہتھیار سے لیس دس بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ راجہ داہر کی سرکوبی کے لیے پہنچا اور ظالم ہندو کو ذلت آمیز شکست دے کر واپس چلا گیا، اور [illegible] سمندر پار کشتیاں جلا کر عیسائیوں کو ان کی اپنی سرزمین پر شکست فاش دی اور اندلس (اسپین) پر علم اسلام بلند ہوا، اور پھر جامع مسجد قرطبہ سے اللہ اکبر کی صدائیں صدیوں گونجتی رہیں! ایک موسیٰ بن نصیر اور حجاج بن یوسف جیسے کلمہ پڑھنے والے اور اس کلمۂ حق کے وفادار جرنیل تھے جنہوں نے ظالموں کو سزا دینے کے لیے مضطرب ہو کر فوراً ہی فوجی کارروائی کی اور اللہ پر توکل کرتے ہوئے قلیل لشکر کو کئی گنے لشکر سے بھڑ جانے کے لیے روانہ کر دیا اور آج یہ کلمہ گو ہیں جو مظلوموں کو سسکتے ہوئے دیکھتے، ان کی چیخ و پکار سنتے ہوئے ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی! اے تاریخ نے کیسا پلٹا کھایا ہے! اقوام متحدہ کا بین الاقوامی ادارہ جو ناانصافی اور ظلم و زیادتی کا سدباب کرنے کے لیے وجود میں لایا گیا تھا، وہ قوموں سے لوٹ... وہ اب ان چند بڑی طاقتوں کا زر خرید غلام بن کر رہ گیا ہے جن کی قوت اور جنگی سامان و وسائل کی فراوانی نے انہیں آپے سے باہر کر دیا ہے اور وہ کمزور ملکوں کے ذخائر و وسائل پر قابض ہو کر دنیا میں ''سپر پاور'' بن جانے کے نشے میں مدہوش ہو کر گویا مرتد سے رب بن گئے ہیں۔

ان درندہ صفت انسانوں پر بھی مختلف شکلوں میں اللہ کا عذاب آتا رہتا ہے اور کسی بھی وقت اللہ کی مشیت کے تحت یہ بڑے عذاب کی لپیٹ میں آ کر رہیں گے۔ لیکن حیرت و استعجاب کی بات تو یہ ہے کہ نصف صد سے زائد تعداد ہونے کے باوجود نام نہاد اسلامی ممالک میں بھی تاب گویائی نہیں رہی اور وہ بھی اس خون آشام ڈرامے پر جو ہر روز وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے، خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں! بہر حال، کتاب اللہ کا مطالعہ کرنے والا اس حقیقت سے لاعلم نہیں کہ سیاسی و مادی اسباب تو اپنی جگہ، ان ظاہری اسباب سے مافوق ایک مدبرالامور قوت ہے جو نہ صرف اس چھوٹی سی دنیا بلکہ وسیع و عظیم کائنات کے نظام پر پوری طرح قادر ہے۔ اُس کے اذن کے بغیر تو ایک ذرے کی حرکت بھی ممکن نہیں۔ وہ نافرمان اور سرکش قوموں پر عذاب نازل کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے خواہ آفات ارضی و سماوی، طوفانوں، سیلابوں اور زلزلوں کی شکل میں انہیں سزا دے یا مختلف اقوام کو لڑوا کر اُن کو عذاب کا مزا چکھائے (الانعام: ۶۵)۔ کتاب اللہ میں اس بات کی صراحت بھی کر دی گئی ہے کہ رب ذوالجلال کے قہر وغضب کی سب سے زیادہ سزاوار وہ قوم ہوتی ہے جو کتاب اللہ کی حامل اور اس پر ایمان کی دعوے دار ہو کر [illegible] پھر جائے۔ توحید و رسالت کی اقراری ہوتے ہوئے اس کی غدار بن جائے۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج یہ کلمہ گو امت پوری طرح اس مرض میں مبتلا ہو کر رہ گئی ہے۔ اس کے علماء و مشائخ ﴿كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا﴾ (الجمعۃ: ۵) کے مصداق بن گئے ہیں، علم کو دنیا کمانے اور امت مسلمہ کو فرقوں میں تقسیم کر کے حصول مقصد کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں؛ اللہ کی نافرمانی اور سرکشی میں اتنے آگے بڑھ گئے ہیں کہ شیطان کے آلۂ کار بن کر قوم کو کفر و شرک، بدعات و خرافات میں غرق کر کے اللہ کے قہر وغضب کو بھڑکاتے میں لگ گئے ہیں۔ ان کے اکابرین کی کتب اور ''پیرانِ طریقت'' کے ملفوظات، وحدت الوجود، الوہیت کے دعووں، اللہ کے عرش کی تحقیر اور جنت و جہنم کے تمسخر سے بھری بے باکانہ باتوں سے بھرے ہوئے ہیں اور اللہ رب العزت کی شان میں گستاخی اور زبان درازی میں انہوں نے اپنے پیش رووں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ کتاب اللہ کی معنوی تحریف کر کے قرآن و صحیح احادیث کے خلاف عقیدے پھیلائے، مردوں کو زندہ کر کے ان کو داتا، حاجت روا اور مشکل کشا بنا دیا۔ پھر رسول ﷺ کے احکامات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قبروں کو پختہ کیا، ان پر مزار و قبے تعمیر کر کے وہ سب کچھ کیا جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سختی سے منع کیا تھا۔ اللہ کی ذات و صفات، علم و اختیارات میں شرک کرنا ان کے ایمان میں سرایت کر چکا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ قوم عقل و خرد کو پس پشت ڈال کر ان احبار و رہبان کی اندھی عقیدت و تقلید کا شکار ہے، گویا کہ اہل کتاب کی طرح یہ بھی احبار و رہبان کو رب بنا بیٹھے ہیں (التوبہ: ۳۱)۔

دیکھیے، اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان ان پر کیسا صادق آ رہا ہے کہ ''تم ضرور بالضرور اپنے سے پہلے لوگوں کی پیروی کرو گے، ایک ایک بالشت اور ایک ایک ہاتھ، یہاں تک کہ وہ گوہ کے بل میں گھسے ہوں تو تم بھی اس میں داخل ہو گے، پوچھا گیا: کیا یہود و نصاریٰ مراد ہیں؛ فرمایا: اور کون؟'' (بخاری: کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب قول النبی ﷺ لتتبعن سنن من کان قبلکم) الغرض من حیث القوم، اللہ کی نافرمانی اور سرکشی میں تمام حدود سے تجاوز کر کے انہوں نے اللہ کے اس عذاب کو دعوت دی ہے جس میں آج یہ بری طرح گرفتار ہیں، اعاذنا اللہ منہ!

سُورَۃُ اٰلِ عِمرٰن

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْھَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے[۱۱۸]، اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو[۱۱۹] ﴿۱۰۲﴾ اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور تفرقہ پردازی نہ کرو[۱۲۰]، اور اللہ کی اس نعمت کو یاد رکھو جو اُس نے تم پر اُس وقت نازل کی جب کہ تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس نعمت کے سبب آپس میں بھائی بھائی بن گئے[۱۲۱] اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر ہی پہنچ گئے تھے کہ اُس نے تمہیں اُس سے بچالیا[۱۲۲] اس طرح اللہ اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تم ہدایت پاؤ ﴿۱۰۳﴾ اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے، پسندیدہ باتوں کا حکم دے اور بری باتوں سے روکے[۱۲۳] اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ﴿۱۰۴﴾

(۱۱۸) ایمان کے ساتھ تقویٰ ضروری ہے اور یہ صفت مومن ہی میں مطلوب ہے۔ تقویٰ کے معنی ہیں اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کی نافرمانی اور گناہوں سے بچنا اور پرہیزگاری اختیار کرنا۔ ایمان والوں پر زور دیا جارہا ہے کہ وہ اللہ سے ڈریں جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے۔ سورۃ تغابن میں اس شدت کو کم کرتے ہوئے فرمایا "اللہ سے ڈرو جہاں تک تم سے ہوسکے" (آیت: ۱۶) دراصل اللہ کے عذاب کا خوف اور یوم حساب پیشی کا احساس مومن کو فسق و فجور سے بچاتا اور عمل صالح کی طرف راغب کرتا ہے۔ اس احساس کی موجودگی میں دنیا کی دلفریبی اور شیطانی ترغیبات بڑی حد تک غیر مؤثر ہوجاتی ہیں اور اللہ کی رضا کے لیے ایمان سے محبت اور اسکے تقاضوں کو پورا کرنا زندگی کے تمام معاملات سے زیادہ اہم ہوجاتا ہے۔ پھر نہ تو مال و اولاد کی محبت اس کے تقاضے پورے کرنے اور اس راہ میں آگے بڑھنے سے روکتی ہے اور نہ معاشرے اور خاندان کا دباؤ اور نہ ہی دنیاوی کاروبار کی مصروفیات۔ یہی ایمان و تقویٰ کا ہدف ہے جو ایک مومن سے مطلوب ہے۔

(۱۱۹) یہاں ساری زندگی مسلم رہنے یعنی اللہ تعالیٰ کی پوری طرح اطاعت و فرماں برداری کرتے ہوئے زندگی گزارنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دراصل تقویٰ کی صفت کا حامل مومن جنت کی دائمی نعمتوں ہی کا آرزومند ہوتا ہے اور جنت کا حصول اس کی نظر میں حقیقی کامیابی ہوتی ہے لہٰذا اس کے لیے سعی وجہد اس کی اوّلین ترجیح ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی، یعنی کتاب اللہ کی ہدایات اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر پوری طرح عمل پیرا ہونا ہی اس کی زندگی کا لائحہ عمل قرار پاتا ہے۔ پھر ہر قسم کے لغو سے اعراض، فرائض کی پابندی، منکرات و منہیات سے اجتناب اور اللہ و رسول کے احکامات کی بجا آوری میں حرام و حلال اور دیگر تمام حدود و قیود کو اپنی زندگی میں نافذ کرتے ہوئے پوری زندگی اللہ کا مطیع فرمان (مسلم) بن کر رہنا اس کے لیے لازم ہوجاتا ہے، یہی دین اسلام اور تقویٰ کا تقاضہ ہے کہ انسان کو ہر لحہ اللہ کے عذاب کا خوف اور اوامر و نواہی کا شدید احساس رہے، نہ معلوم مہلت عمل کب ختم ہوجائے! انبیاء علیہم السلام نے اپنی امتوں کو اسی بات کی تلقین کی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لیے اور اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے لیے اسی کی دعا کی تھی (البقرۃ: ۱۲۸) اور ابراہیم و یعقوب علیہما السلام نے بیٹوں کو یہی نصیحت کی تھی کہ تمہیں موت نہ آئے مگر ایک مسلم کی حیثیت سے۔ (البقرۃ: ۱۳۲)

(۱۲۰) یہاں اعتصام بحبل اللہ کا اجتماعی حکم دیا گیا ہے کہ "سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو"۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ کی پکار پر لبیک کہنے والوں کی جو اجتماعیت معرض وجود میں آگئی ہے اب اس کو اللہ و رسول کے بتائے ہوئے اصول و قوانین کے تحت نظم و ضبط کا پابند رہتے ہوئے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کا اہتمام کرنا ہے، اس کے لیے اُن کے پاس حبل اللہ ہے جس کو مضبوطی سے تھامے رہنا ہے۔ دراصل قرآن

وحدیث پر مبنی دین اسلام ہی حبل اللہ ہے' یہی وہ رشتہ ہے جو ایک طرف تو اللہ سے بندوں کے تعلق کو قائم رکھتا ہے اور دوسری طرف ایمان والوں کو ایک جماعت میں منظم رکھتا ہے۔اس (حبل اللہ) کو تھامے رہنے سے یہ مراد ہے کہ ایمان والے اللہ تعالیٰ کو ربّ مان کر اپنی عقیدت ومحبت کا مرکز صرف اللہ تعالیٰ کو بنائیں اور اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت ہی کو دین کی اساس بنالیں۔ اس طرح شخصیت پرستی کا سدِّ باب ہوتا ہے اور پھر کسی مولوی یا پیر کو مرکز توجہ بنانے کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔یہ ضروری ہے کہ درج بالا سطور میں مذکورہ مقصد کے تحت قائم ہونیوالی قرآن وحدیث پر مبنی عقیدے کے حامل افراد پر مشتمل اس جماعت کے افراد میں مکمل فکری ہم آہنگی ہو اور انفرادی سوچ سے اجتناب کیا جائے۔ وہ اس مقدس اجتماعیت کو اُخروی فلاح کا ذریعہ سمجھتے ہوئے انتہائی قابل قدر سمجھیں' اس سے والہانہ وابستگی رکھیں اور اس کے استحکام کی کوشش کرتے رہیں۔آپس میں اختلاف نہ پیدا ہونے دیں اور جب بھی کوئی اختلاف ہو تو اس کو باہمی رابطے اور قرآن وحدیث کی رہنمائی میں افہام وتفہیم سے حل کرلیں اور اس کو جماعت کے اتحاد پر اثر انداز نہ ہونے دیں۔یاد رہے کہ اختلافات میں شدت سے تفرقہ پردازی کی راہ کھلتی ہے اور جماعت میں محاذ آرائی شروع ہو جاتی ہے جو بالآخر متاثرہ افراد کی بربادی ہی کا موجب بن جاتی ہے۔اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیا جائے کہ اس جماعت سے وابستگی اُن کی مومنانہ زندگی کی اہم ضرورت ہے' یہ شیطانی حملوں سے بچاؤ' ایمان کی تقویت اور اس پر استقامت کے لیے مضبوط حصار فراہم کرتی ہے۔اس اجتماعیت کی حفاظت اور اس کے استحکام کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنی جماعت کو ایسے تمام عوامل و عناصر سے بچانے کی پوری کوشش کریں جو اس جماعت کو یا اس کے ساتھ ان کے تعلق کو نقصان پہنچانے والے ہوں۔اس سلسلے میں اللہ ربّ العزت نے ہمیں تین اہم اصولوں کو اپنانے کی تلقین کی ہے' تقویٰ کی مواظبت' حبل اللہ کا اعتصام اور تفرقہ پردازی سے گریز۔اللہ تعالیٰ ان اصولوں پر عمل پیرا رہنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

(۱۲۱) یہاں ایمان والوں کو معاشرتی پہلو کے لحاظ سے ایمان کی افادیت و اہمیت سے آگاہ کیا گیا ہے۔ایمان لانے سے قبل عرب قوم بُری طرح قبائلی عصبیت وتفاخر اور ایک دوسرے سے بغض وعناد کے مرض میں مبتلا تھی جس کی وجہ سے یہ قبائل ہر وقت برسرِ پیکار ہی رہتے تھے' ان کے دلوں میں دشمنی کی چنگاریاں سلگتی رہتیں اور کسی معمولی سی بات پر انتقامی آگ بھڑکتی تو تھمنے پر نہ آتی' پوری پوری آبادی جنگ وجدال کی لپیٹ میں آجاتی اور آدھی آدھی صدی اس میں گزر جاتی! مکے کے بڑے قبائل بنو بکر اور بنو تغلب کی جنگ اور مدینے کے قبائل اوس وخزرج کی جنگ کی تباہ کاری نے پورے عرب کو اضطراب وپریشانی میں مبتلا کر دیا تھا' لیکن اس صورتحال سے چھٹکارے کی کوئی راہ نظر نہ آتی تھی۔ ان حالات میں ایمان کی انقلابی دعوت سے جہالت کی تاریکی چھٹی اور نور ہدایت کی شعاع نمودار ہوئی، پھر قرآن کی ہدایات اور اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیم وتربیت نے اس قوم کی گویا کایا ہی پلٹ دی، قبائلی عصبیت اور بغض وعناد کے جراثیم کا صفایا ہو گیا اور محبت ومودّت کی لہر دوڑ گئی۔ایمان لانے سے پہلے کل تک جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے' آج ایمان کی نعمت پانے کے بعد بھائی بھائی ہو گئے! یہودیوں کے لیے یہ صورتحال ناقابل برداشت تھی، اُن کے دلوں میں بغض وحسد کی آگ بھڑک اٹھی۔لہٰذا پوری منصوبہ بندی کے ساتھ انہوں نے جنگ بعاث کے قصّے اور رجزیہ اشعار سُنا کر اوس وخزرج میں پھر سے پھوٹ ڈالنے اور اُن کو لڑانے کی کوشش کی' اور وہ کامیاب ہو بھی جاتے لیکن رسول اللہ ﷺ نے عین وقت پر آکر معاملے کو سنبھال لیا' اُن کو اللہ سے ڈرایا، نعمت ایمانی کی قدر ومنزلت کا احساس دلایا اور اس طرح یہ فتنہ رفع دفع ہو گیا۔

(۱۲۲) اس آیت میں بھی اسی پس منظر کے لحاظ سے ایمان والوں کو اس بات کی یاد دہانی کی جارہی ہے کہ دورِ جاہلیت میں قبائلی دشمنی نے اُنہیں من حیث القوم ہلاکت کے قریب ہی پہنچا دیا تھا اور اس سے بچنے کی کوئی راہ نظر نہ آتی تھی' اور پھر اسکے بعد آگ کا دائمی گڑھا ان کے لیے تیار تھا' لیکن اللہ ربّ العزت نے اُن کو ایمان کی نعمت عطا کر کے اُس گڑھے میں گرنے سے بچالیا' یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے۔اب اُن پر لازم ہے کہ اس نعمت عظمیٰ کی قدر کریں اور ربِ کریم کی شکرگزاری کرتے رہیں۔

(۱۲۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اگلے رکوع میں خیرِ اُمت یعنی بہترین گروہ کہا گیا ہے اور اُن پر عائد ذمہ داری کا ذکر کیا گیا ہے جو اُن کو اس امتیازی منصب کا اہل بنائے، اور یہاں اس کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے۔ یہ ذمہ داری ایمان باللہ کے بعد دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ہے۔دعوت الی الخیر کے معنی ہیں لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی طرف بلانا اور عمل صالح کی ترغیب دینا۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا بھی یہی مطلب ہے کہ نیک کام کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔ یہ بات یاد رہے کہ خیر وشر اور بھلائی وبرائی کا اصل معیار تو کتاب اللہ ہی ہے اور نیکی وبھلائی کی اساس اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا عقیدہ اور صرف اور صرف ایک اللہ کی عبادت ہے، لہٰذا دعوت الی اللہ ہی دعوت الی الخیر ہے یعنی خالص اللہ کی بندگی کی دعوت دینا۔ ہر نبی علیہ السلام نے اپنی قوم میں اصلاحی مشن کا آغاز اسی کام سے کیا ہے' لوگوں کو ایک اللہ کی بندگی کی دعوت دی ہے اور شرک سے باز رہنے کی تلقین کی ہے، کیونکہ شرک تمام برائیوں کی جڑ ہے اور ایمان میں شرک کی آمیزش کے ساتھ کوئی بھی عمل اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوتا۔لہٰذا ہر مصلح اپنے کام کی ابتدا ایمان کی دعوت سے ہی کرے گا اور جو لوگ اس دعوت کو قبول کریں اُن کی انفرادی اور معاشرتی اصلاح اللہ تعالیٰ کے احکامات کی روشنی میں کی جائے گی۔انہیں عمل صالح کی تلقین کی جائے گی اور اعمال قبیحہ' بے حیائی' عریانی وفحاشی اور دیگر بُرے اعمال سے پاک کیا جائے گا۔اس آیت میں ایمان والوں پر زور دیا گیا ہے

کہ اُن میں ایسے لوگ ایک جماعت کی شکل میں ضرور بالضرور ہونے چاہئیں جو اس ذمہ داری کو پورا کریں اور اس اہم کام کو سرانجام دینے والوں ہی سے فلاح یابی کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ان میں اللہ کے فضل و کرم سے وہ بھی شامل ہوں گے جو اس کام میں ان کی معاونت کرنے والے اور ہر طرح ساتھ دینے والے ہوں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر معاشرے کی اہم ترین ضرورت ہے اور قوم کو بے راہ روی، بگاڑ و زوال، کفر و شرک، بداعمالیوں اور فسق و فجور سے روکنے کے لیے یہ ناگزیر ہے۔ پچھلی قوموں کے بگاڑ کی وجہ یہی رہی ہے کہ علماء و مشائخ اور بااثر افراد نے مفاد پرستی کا شکار ہو کر اس ذمہ داری کو ترک کر دیا جس کے نتیجے میں خود بھی گمراہ ہوئے اور قوم بھی گمراہی کا شکار ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد اور عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی یہودیوں پر لعنت کروائی کیونکہ وہ نافرمان ہوگئے تھے اور ایک دوسرے کو بُرے کاموں سے نہ روکتے تھے (المائدۃ: ۷۸، ۷۹) سورۃ اعراف میں ہے کہ سبت کے قانون کی خلاف ورزی پر قوم یہود پر اللہ کا عذاب آیا، اُن کو بندر بنا دیا گیا، البتہ جو صالح افراد لوگوں کو اللہ کی نافرمانی سے منع کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اُن کو عذاب سے بچالیا۔ آیت کے الفاظ ہیں:

أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ

(الاعراف: ۱۶۵) یعنی ہم نے بُرائی سے روکنے والوں کو تو بچالیا اور ظالموں کو ان کی نافرمانی کے سبب شدید عذاب میں پکڑ لیا۔ صحیح مسلم میں اس پر باب باندھا گیا ہے کہ ”امر بالمعروف و نہی عن المنکر واجب ہیں“ اور اس کے تحت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں جو منکر (برائی) کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے روکے، اگر یہ نہ کر سکے تو زبان سے منع کرے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو دل میں بُرا جانے اور یہ ایمان کا کم ترین درجہ ہے۔ اسی سلسلہ میں صحیح بخاری میں بھی نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ حدود اللہ پر قائم رہنے والوں اور ان میں مبتلا ہونے والوں کی مثال اُس قوم کی سی ہے جس نے جہاز میں قرعہ اندازی کر کے اپنے حصّے تقسیم کر لیے، بعض کے حصّے میں بالائی حصّہ آیا اور بعض کے حصّے میں نیچے کا حصّہ آیا۔ نیچے والے پانی لینے کے لیے اُوپر والوں سے گزرتے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم اپنے حصّے میں شگاف پیدا کرلیں تو اوپر والوں کو تکلیف نہ ہوگی۔ اب اگر لوگ اُن کو چھوڑ دیں کہ وہ اپنے ارادہ پر عمل کرلیں تو وہ سب ہی ہلاک ہوجائینگے، اور اگر ان کا ہاتھ پکڑ کر روک دیں تو وہ خود بھی (غرق ہونے سے) بچ جائینگے اور کشتی میں سوار باقی لوگ بھی بچ جائینگے (بخاری: کتاب الشرکۃ، باب ھل یقرع فی القسمۃ والاستھام فیہ) ترمذی میں بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے باب میں اسی مضمون کی ایک روایت ہے جس میں نبی ﷺ نے اس کام کی سخت تاکید کی ہے۔ درج بالا سطور کے خلاصے کے طور پر یہ کہنا مناسب ہوگا کہ جب اُمت کے علماء اور اکابر جو اصلاح معاشرہ کے کام کے ذمہ دار ہیں وہ خود دنیا پرستی کا شکار ہو کر گمراہی میں مبتلا ہوجائیں اور لوگوں کو بھی گمراہ کرنے میں لگ جائیں، اُس وقت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل پیرا، فکرِ آخرت رکھنے والوں کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ خاموش تماشائی بنے رہنے کے بجائے اللہ پر توکل کر کے دعوت حق کے ذریعے اصلاحی مشن لے کر اٹھیں اور کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی روشنی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیں، اللہ کے عذاب اور اُخروی خسارے سے بچنے کا یہی راستہ ہے۔ سورۂ عصر اور سورۂ لقمان میں بھی اس کی نصیحت کی گئی ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿١٠٦﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٠٧﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٠٨﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿١٠٩﴾

اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنھوں نے اپنے پاس واضح نشانیاں آجانے کے بعد تفرقہ ڈالا اور آپس میں اختلاف کرنے لگے (۱۴۳)، اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ﴿۱۰۵﴾ جس دن کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے، تو جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا)، کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا، تو پھر اپنے کفر کی پاداش میں چکھو عذاب کا مزا! ﴿۱۰۶﴾ اور جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، (۱۴۵) ﴿۱۰۷﴾ یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم تمہیں حق کے ساتھ تلاوت کر کے سنا رہے ہیں، اور اللہ دنیا والوں پر ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا (۱۴۶) ﴿۱۰۸﴾ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ ہی کا ہے، اور تمام کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں، (۱۴۷) ﴿۱۰۹﴾

(۱۴۳) یہاں ایمان والوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ گمراہ لوگوں کی روش اختیار نہ کریں جو باہمی اختلافات کے سبب فرقوں میں بٹ گئے۔ سورۂ روم میں زور دیتے ہوئے کہا گیا کہ ”تم ان مشرکوں کی روش نہ اپنانا جنھوں نے دین میں تفرقہ ڈالا اور گروہ بندی کا شکار ہو کر رہ گئے، اور ہر گروہ (مختلف راہیں نکال کر) اپنے اپنے طریقے اور مسلک پر ہی مطمئن اور خوش ہے“ (الروم: ۳۱، ۳۲) پچھلی امتوں میں بگاڑ آیا تو وہ اسی مرض میں مبتلا ہو کر گمراہی کا شکار ہوئیں، اور نزول قرآن کے وقت یہود و نصاریٰ حامل کتاب ہونے کے باوجود فرقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایمان والوں کو اس سے ہوشیار کیا جارہا ہے۔

اس سلسلے میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''یہودی اکہتر۷۱ یا بہتر۷۲ فرقوں میں تقسیم ہوئے اور نصاریٰ بھی اسی طرح (فرقوں میں بٹے)، اور میری اُمّت تہتر۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی'' (ترمذی: کتاب الایمان باب افتراق ھٰذہِ الامۃ) یہ اُمت کے بگاڑ و زوال ہی کی طرف اشارہ ہے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ قوم یہود کے پاس اُن کے باہمی اختلافات حل کرنے کے لیے کتاب اللہ کے واضح دلائل موجود تھے جو ان کے اختلافات کے حل کے لیے کافی تھے لیکن انہوں نے تو اُن سے فائدہ اُٹھانے کی ضرورت ہی نہ سمجھی۔ دراصل اُن کے اختلافات نہ تو لاعلمی کی وجہ سے تھے اور نہ ہی کسی اصلاحی مقصد کے لیے' بلکہ وہ تو محض آپس کے بغض وعناد اور ذاتی اغراض کے تحت اختلاف کرتے اور تفرقہ ڈالتے تھے جیسا کہ قرآن میں متعدد مقامات پر بیان کیا گیا اور سورۂ شوریٰ میں یہی فرمایا کہ ان لوگوں نے علم آجانے کے بعد ہی آپس میں تفرقہ پردازی کی جو محض باہمی ضد وحسد کی وجہ سے ہی تھی (الشوریٰ :۱۴) الغرض، دنیاوی مفادات اور ذاتی اغراض و مقاصد کے لیے وہ لوگ اختلافات اٹھاتے اور پھر بالآخر علیحدہ فرقہ بنالیتے۔ ان آیات میں اسی گمراہ کن روش کا سدّ باب کیا گیا ہے۔

پچھلی آیت میں تقویٰ کی صفت کے حامل ایمان والوں کو اعتصام بحبل اللہ کے ذریعے ایمان کی حفاظت اور جماعتی اتحاد کو برقرار رکھنے کی ہدایت اور تفرقہ پردازی سے دور رہنے کی پرزور تلقین کی گئی تھی۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اتحاد ایسی زبردست طاقت ہے جو دنیا میں غلبے کی ضمانت ہوتی ہے جبکہ سچے مومنوں کی اجتماعیت سے وابستگی ایمان کی حفاظت اور اُخروی فلاح کی ضامن ہوتی ہے۔ اس کے برعکس تفرقہ پردازی اتحاد کی طاقت کو پارہ پارہ کر دیتی ہے اور ساتھ ہی علیحدگی اختیار کرنے والوں کی گمراہی کے لیے راستہ کھول دیتی ہے، اور بالآخر باہمی تفرقہ پردازی اور انتشار میں مبتلا اُمت دنیا میں ذلت ورسوائی سے دوچار ہو کر دائمی خسارے کے گڑھے میں جا گرتی ہے۔ اندازہ کریں کہ کیسے ظالم ہیں وہ عناصر جو اختلاف وتفرقہ پردازی کے جراثیم پھیلا کر خیر امت میں انتشار برپا کریں اور وہ بھی جو اُن کا ساتھ دیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے عظیم عذاب کا مژدہ سنایا گیا ہے! یہ آیات اس کلمہ گو امت کے لیے تو بہت ہی سبق آموز اور چشم کشا ہیں جو قرآن وحدیث کے جامع اور واضح دلائل کے باوجود کفر وشرک اور تفرقہ بازی میں یہود ونصاریٰ سے بھی آگے بڑھ گئی ہے اور اس کے نتیجے میں ہر طرف اللہ تعالیٰ کے شدید عذاب سے دوچار ہے، العیاذ باللہ!

(۱۲۵) ان آیات کی تشریح سے پہلے چند اُصولی باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔ دنیا میں دو قسم کے نظریات، انداز فکر اور طرز عمل کے حامل لوگ دو متضاد راستے اختیار کرتے ہیں۔ ایک تو ایمان خالص کے حامل اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کی پیروی کرنے والے متقی مومنوں کا راستہ ہے، اور دوسرا ان لوگوں کا راستہ جو اللہ ورسول کی ہدایات و تعلیمات سے منہ موڑ کر محض اکابر پرستی کا شکار ہوں اور کفر وشرک سے آلودہ ایمان کے ساتھ بدعات ورسومات پر مشتمل دین کو اپنالیں۔ جن کے نزدیک قرآن وحدیث سے ہدایت حاصل کر کے اپنی اصلاح کرنے کے بجائے کسی نہ کسی فرقے سے وابستہ ہو کر اکابرین کی اندھی تقلید کرتے رہنا ہی نجات کا ذریعہ ہے۔ ایمان خالص کے حامل لوگ مل کر ایک جماعت بنالیتے ہیں جو تواصی بالحق یعنی دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دیتی ہے اور اس راہ کی آزمائشوں کو بخوشی صبر کے ساتھ انگیز کرتی ہے۔ اس کے برعکس فرقہ پرست اس دعوت حق کی مخالفت کرتے اور اس کا راستہ روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ دو گروہ تو بالکل واضح ہوتے ہیں' اسکے علاوہ ایک تیسرا منافقین کا گروہ بھی نمودار ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ اپنے مفادات کی خاطر مومنوں کی جماعت میں شامل تو ہو جاتے ہیں لیکن پوری طرح ساتھ دینے سے کتراتے ہیں، البتہ اختلافات اور تفرقہ پردازی کے جراثیم بتدریج چھوڑتے رہتے ہیں اور مناسب موقعہ ملتے ہی علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں' اور اس طرح ایمان کی قابل قدر نعمت کو بیدردی سے ٹھکرا دیتے ہیں، اور پھر جماعت کی مخالفت میں کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی نظر میں یہ زیادہ بڑے مجرم ہیں۔

یہاں دو گروہوں کے انجام کا ذکر ہے' ایک اہل ایمان کا گروہ اور دوسرا اہل کفر وافتراق کا۔ یوم حساب یہ دونوں گروہ علیحدہ کر دیئے جائیں گے اور ان کا انجام ان کے ایمان اور عمل کے لحاظ سے ہوگا۔ ایمان والوں کے چہرے سفید، روشن وتابناک ہوں گے، دوسری طرف بدبختوں کے چہرے سیاہ ہوں گے، اور ان پر نشتر زنی کی جائے گی کہ دیکھو! تمہیں ایمان کی نعمت سے نوازا گیا تھا لیکن تم نے اسے ٹھکرا دیا اور دعوت حق کے دشمن بن کر پھر ایمان کی طرف پلٹ آنے کا راستہ ہی اپنے لیے بند کر دیا! تو ظالمو! اپنی جان کے دشمنو، اب چکھو رسوا کن دائمی عذاب کا مزا، اب نہ تو تمہارا گروہ تمہارے کام آئے گا اور نہ تمہاری ندامت اور شرمساری عذاب میں کمی کرا سکے گی' یہ ہے تمہاری بغاوت وسرکشی کا بدلہ! ایمان والے خوش نصیب ہمیشہ کے لیے اللہ کی رحمت کے سائے میں ہوں گے' انہیں جنت کی دائمی نعمتوں اور بہاروں میں رب رحیم کی طرف سے مہمان نوازی کا شرف حاصل ہوگا، رب کے دیدار سے نوازے جائیں گے۔ سورۂ قیامہ میں فرمایا کہ ''کچھ چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کا دیدار کرتے ہوں گے......(القیامۃ: ۲۲، ۲۳)

(۱۲۶) اللہ تعالیٰ نے دنیا کو انسان کے لیے دارالامتحان بنایا ہے اور آخرت کو دارالجزا۔ ایک طرف شیطان کو ورغلانے اور بہکانے کی کسی حد تک مہلت دی گئی ہے تو دوسری طرف دین وایمان کی حفاظت کا انتہائی جامع اور مکمل اہتمام کر دیا گیا ہے، انبیاء علیہم السلام لگاتار آتے رہے ہیں جنہوں نے اللہ کی عبادت کے طریقے کھول کھول کر سمجھائے اور اُن پر عمل کر کے دکھایا' طواغیت و شیاطین کی نشاندہی کر کے اُن سے بچنے کی پُرزور تلقین کی۔ اس سلسلے میں انبیاء علیہم السلام اور ان پر ایمان لانے والوں نے قوم کے ہاتھوں ہر قسم کی

آزمائش اور جور وستم کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور انتہائی ہمدردی کے ساتھ برابر قوم کو دین سمجھاتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آخری رسول ﷺ پر اپنے دین کو مکمل کیا' اور اس کو قرآن وحدیث کی شکل میں قیامت تک کے لیے محفوظ کر کے بنی نوع انسان پر اِتمامِ حُجت کر دیا۔ اب قیامت تک اللہ کے بندے اللہ کے پیغام کو قرآن کی دعوت کی شکل میں لوگوں تک پہنچاتے رہیں گے۔ اس طرح بنی نوع انسان کو پوری طرح سمجھا دیا گیا کہ اس امتحان میں کامیابی کا یہ راستہ ہے، اس پر رہو گے تو اللہ کی رحمتوں اور جنت کی دائمی نعمتوں کے حق دار بنو گے اور اس کے برعکس اگر کفر کی روش اپناؤ گے، اپنے مالک' رازق اور حقیقی منعم سے نمک حرامی اور سرکشی کرو گے تو تم پر اللہ کا قہر وغضب ہوگا اور شدید عذاب سے دوچار کیے جاؤ گے' جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ کا ایندھن بن جاؤ گے.......... یہ پوری بات کتاب اللہ کے ذریعے سمجھا دینے اور ہر طرح حجت پوری کر دینے کے بعد بالآخر مجرموں کو عذاب سے دوچار کرنا ظلم نہیں بلکہ سراسر عدل ہے۔ اللہ تعالیٰ تو رحمٰن ورحیم اور عادل حقیقی ہے' وہ ظالم ہرگز نہیں۔ غور کرنے کی بات ہے کہ کیا یہ عظیم کائنات' اس کا ہر قسم کے عیب ونقص سے پاک نظام ربِّ ذوالجلال کی عظمت وقدرت اور بے پایاں حکمت کا اعتراف واحساس کرنے کے لیے کافی نہیں ہے چہ جائیکہ اس کی عاجز وبے بس مخلوق کو اس کا ہمسر ومدّ مقابل ٹھہرایا جائے، یا اُس کی پکڑ سے بے خوف ہو کر بے دینی اور مطلق العنانی کا رویہّ اپنایا جائے! فی الحقیقت ظلم پر ظلم تو انسان کا یہ ظالمانہ رویہّ ہے کہ اپنے حقیقی مالک سے نمک حرامی اور غداری کی روش اپنائے، یہ اس کی اپنے ہی ساتھ دشمنی کے مترادف اور اس کے دائمی خسارے کا سبب ہے' اور وہ اس انجام سے ناواقف بھی نہیں!

(۱۲۷) اللہ تعالیٰ اکیلا ہی اس کائنات کا خالق ومدبّر الامور ہے' وہ اکیلا اس کے نظام کو بنانے اور چلانے والا ہے۔ اس میں بسنے والی تمام مخلوقات کو اُسی نے پیدا کیا ہے اور وہی ان کی تمام ضروریات پوری کر رہا ہے۔ سب کچھ اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، نہ کوئی اس کا معاون ومددگار ہے اور نہ کوئی اسکے ساتھ کسی طرح شریک۔ جن وانس کو اُس نے اپنی ہی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے' اور اُن کو امتحان کے مقصد کے تحت محدود حد تک فکر وعمل کی آزادی دی ہے۔ اس امتحان میں کامیابی وناکامی کا فیصلہ بھی صرف اُسی کے اختیار میں ہے۔ اس طرح یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچتی ہے کہ مخلوقات کے سارے معاملات کا تعلق رب العالمین سے ہی ہے کسی اور سے نہیں اور سارے معاملات اُس کی نظر میں ہیں اور اُسی کی بارگاہِ عظیم میں پیش ہوتے ہیں، کسی اور کے پاس نہیں۔ نبی اور ولی سب اس کے بندے اور محتاج ہیں، اس کی رحمت ومغفرت کے طلبگار اور قہر وغضب سے ڈرنے والے۔ یہ سب اُس کے یہاں جوابدہ ہیں اور سب کے اعمال اللہ کے یہاں پیش ہوتے ہیں۔ قرآن کی متعدد آیات میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے اور بے شمار احادیث اس کی وضاحت کرتی ہیں۔ ان دلائل کے باوجود یہ عقیدہ کہ امت کے اعمال نبی یا ولی کے یہاں بھی پیش ہوتے ہیں قرآن وحدیث کے سراسر خلاف ہے' آیات قرآنی کا کفر اور اللہ تعالیٰ کے اختیار میں کھلا شرک ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ کیا اس اُمت کے علماء قرآن کی آیات میں بیان کردہ کلّیات سے لاعلم ہیں؟

قرآن نے تو متعدد مقامات پر کسی استثناء کے بغیر اس بات کو بیان کیا ہے کہ اُمور (اعمال ومعاملات) اللہ ہی کے یہاں پیش ہوتے ہیں۔ اور سورۂ ہود کی آخری آیت میں تو بصراحت کہا گیا کہ ہر معاملہ اللہ ہی کے یہاں پیش ہوتا ہے یعنی اس طرح غیر اللہ کے یہاں اعمال پیش ہونے کے عقیدے کا مطلق سدّ باب کر دیا گیا ہے۔ تو پھر انہوں نے کیونکر یہ عقیدہ اپنا لیا کہ اعمال رسول ﷺ کے یہاں بھی پیش ہوتے ہیں؟ عقائد علمائے دیوبند نامی کتاب جس کو خلیل احمد سہارنپوری نے مرتب کیا ہے' اُس میں درج عقیدہ (۹) کے تحت یہ کہا گیا ہے: ''..........اور آپ پر اُمت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور آپ کو صلوٰۃ وسلام پہنچائے جاتے ہیں'' (عقائد علماء اہل سنت دیوبند باضافہ وتصدیقات مفتی سید عبدالشکور ترمذی' صفحہ ۱۶۶) دیگر مسالک کے علماء اور اکابرین بھی اس معاملہ میں پیچھے نہیں' چنانچہ اس سلسلہ میں ابن تیمیہ' اہل حدیث عالم نواب صدیق حسن خاں اور جماعت اسلامی کے بانی مودودی صاحب وغیرہ کے عقائد کے بارے میں دعوۃ القرآن ملاحظہ کر لی جائے (البقرۃ: ۲۱۰)۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى ۖ وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ۝ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝ لَيْسُوا سَوَاءً ۗ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ۝ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ۝

تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے اُٹھائے گئے ہو، نیکی کا حکم دیتے اور بُرائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو[۱۲۸] اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو اُن کے لیے بہتر ہوتا۔ ان میں (بعض) مومن ہیں[۱۲۹] اور اکثر ان میں نافرمان ہیں ﴿۱۱۰﴾ یہ تمہیں کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے سوائے کچھ ایذا رسانی کے، اور اگر تم سے جنگ کریں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے[۱۳۰]، پھر ان کو کوئی مدد نہ ملے گی ﴿۱۱۱﴾ وہ جہاں بھی ہوں اُن پر ذلت مسلط کردی گئی ہے، سوائے اس کے کہ (عارضی طور پر) اللہ کی رسّی یا لوگوں کا سہارا اُن کو سنبھالا دے[۱۳۱] یہ اللہ کے غضب کے مستحق ہو گئے اور ان پر مسکنت طاری کردی گئی، یہ اس سبب سے ہوا کہ وہ اللہ کی آیات کا کفر کیا کرتے اور انبیاء کو ناحق قتل کر دیتے تھے اور یہ ان کی نافرمانی اور حد سے گزر جانے کا ہی نتیجہ تھا[۱۳۲] ﴿۱۱۲﴾ وہ سب (ایک جیسے) برابر نہیں، اہل کتاب میں ایک گروہ ہے جو (حق پر) قائم ہے، وہ رات کے اوقات (قیام اللیل) میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے اور سجدہ ریز ہوتے ہیں[۱۳۳] ﴿۱۱۳﴾ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے اور بُرائی سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں سرگرم رہتے ہیں[۱۳۴]، اور یہی نیک لوگوں میں سے ہیں ﴿۱۱۴﴾ وہ جو بھی نیک کام کریں گے وہ نامقبول نہ ہوگا[۱۳۵]، اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے ﴿۱۱۵﴾

(۱۲۸) اس سے قبل آیت ۱۰۴ میں ایمان والوں کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم دیا گیا تھا اور ایسا کرنے والوں سے فلاح یاب ہونے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ یہاں یہ ذمہ داری سنبھالنے والوں کو "خیر اُمت" کے لقب سے نوازا گیا ہے۔ ان کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے زمین پر بسنے والوں میں تم بہترین افراد ہو، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے ہو اور خود مومن ہو۔ یہ بات قابل غور ہے کہ یہاں اس منصب پر فائز کیے جانے والے افراد کے جن دو اہم اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایمان باللہ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہیں۔ اور ایمان باللہ سے مراد ایمان خالص ہے جو ہر قسم کے شرک سے پاک ہو۔ یہ بات قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ ایمان خالص کے بغیر دعوت وتبلیغ تو کجا کسی بھی نیک کام کی اللہ کی نظر میں کوئی قدر وقیمت نہیں ہوتی۔ گزشتہ سطور میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ کتاب اللہ کی ہدایت کے مطابق اُمت کی اصلاح کے لیے دعوت الی الخیر کی ابتدا ایمان کی دعوت ہی سے ہوتی ہے۔ اب یہ بات غور طلب ہے کہ جس کا عقیدہ خود ہی شرک سے آلودہ ہو وہ بھلا کیا دعوت الی الخیر کرے گا، اپنے مفادات کی خاطر لوگوں کو فریب دینے کی بات اور ہے! سورۂ عصر میں خسارے سے بچنے کے لیے چار باتوں کا ذکر کیا گیا ہے، ایمان، عمل صالح، حق کی دعوت اور دعوت حق کی راہ میں آنے والی آزمائشوں پر صبر۔ لقمان حکیم نے بھی اپنے بیٹے کو شرک سے بچنے کی پُر زور تلقین کرنے کے بعد صلوٰۃ قائم کرنے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کی نصیحت کی اور اس راہ میں آنے والی آزمائش پر صبر کرنے کو کہا۔ یہ بات یاد رہے کہ جب ایمان کی کھل کر دعوت دی جاتی ہے تو صبر آزما مراحل سے دوچار ہونا ناگزیر ہوتا ہے۔ اسی طرح سورۂ حٰم سجدہ میں دعوت الی اللہ دینے والے کا صالح مسلم ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ (حٰم سجدہ: ۳۳) الغرض ایمان خالص کے حامل باشعور افراد جو خود عمل صالح کے پیکر اور پوری طرح اللہ تعالیٰ کے مطیع فرمان ہوں۔ وہی داعی الی الخیر اور خیر امت کے منصب کے اہل ہو سکتے ہیں۔ وہ صحیح معنوں میں اس نعمت کے قدر دان ہوتے ہیں اور اسکے ملنے پر دل وجان سے اپنے رب کے شکر گزار، جیسا کہ اس سے قبل آیت ۱۰۴ کی تشریح میں واضح کیا گیا۔ وہ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے ہمہ وقت مستعد رہتے ہیں، زبان وقلم کے علاوہ اپنا جان ومال بھی اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے لگا دینے کا عزم رکھتے ہیں۔ صحابہ کرام ﷡ نے اس کا عملی نمونہ پیش کر دکھایا۔ اس آیت اور اس سے پہلے آیت ۱۰۴ میں ان دو پہلوؤں پر جو زور دیا گیا ہے اس سے یہ حقیقت کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر قوم کے ایمان وکردار میں بگاڑ کے سیلاب کو روکنے اور اس کے راستے پر بند باندھنے کے لیے ناگزیر ہے۔

(۱۲۹) یہاں اہل کتاب کو جھنجھوڑا گیا ہے کہ دیکھو جس طرح تم میں سے بعض سلیم الفطرت لوگ، جن کا آگے بھی ذکر ہے، غور وفکر اور تحقیق کے بعد ایمان لا کر اسلام میں داخل ہو گئے، کیا تمہارے حق میں یہ بہتر نہ تھا کہ اُنہی کی طرح ایمان لے آتے اور ان خوش نصیب لوگوں میں شامل ہو کر دنیا اور آخرت میں ذلت ورُسوائی اور دائمی خسارہ سے بچ جاتے! وہ بھی تو آخر تمہاری ہی طرح کے انسان ہیں، اُن کو ہدایت کی روشنی ملی تو انہوں نے قومی عصبیت اور ہر قسم کے بغض جیسی شیطانی خصلتوں پر قابو پا کر حق کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ اس کے برعکس تم ایسے بدبخت اور شقی القلب ہو کہ دین کے تمام دلائل وشواہد سے صرف نظر کر کے اللہ کی نافرمانی اور ازلی دشمن شیطان کی اطاعت کرتے ہوئے کفر وشرک کے باغیانہ رویے پر ہٹ دھرمی سے جمے ہوئے ہو اور اس طرح خود اپنی جان کے دشمن بنے ہوئے ہو!

(۱۳۰) ایمان والوں کے اطمینان قلب اور اُن کی تسلی ودلجمعی کے لیے بتایا جا رہا ہے کہ یہ دشمنانِ حق یعنی اہل کتاب تمہیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے سوائے کچھ طعن وتشنیع اور معمولی ایذا رسانی کے، کیونکہ ہزیمت خوردہ پیشہ وروں کا یہی انداز وکردار ہوا کرتا ہے۔ دراصل ان مفاد پرستوں اور دنیاداروں کے پاس کوئی اعلیٰ مقصد اور نظریۂ حیات تو ہے نہیں جس کے لیے اِن میں متحد ہو کر قربانی دینے کا جذبہ وحوصلہ پیدا ہو۔ سورۂ حشر میں ان اہل کتاب کی متکبرانہ دھونس دھمکیوں کا پردہ فاش کیا گیا ہے، فرمایا: "تم ان کو متحد سمجھتے ہو لیکن اِن کے تو دل ہی پھٹے ہوئے ہیں...... الآیۃ (الحشر: ۱۴) یعنی یہ لوگ حق کی مخالفت میں بظاہر متحد معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کے دل ایک دوسرے کے لیے بغض وعداوت سے بھرے ہوئے ہیں، پھر یہ کسی نصب

العین کے تحت ایک کیسے ہو سکتے ہیں! یہ اور بات ہے کہ قلعہ بند ہو کر وقتی طور پر اپنا دفاع کر لیں لیکن میدان جنگ میں آ کر قتال کرنا ان کے بس کی بات نہیں' اور اگر بفرض محال آ بھی گئے تو پیٹھ پھیر کر ہی بھاگیں گے اور پھر بچنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔ مدینے میں قبائل یہود کا یہی طرز عمل سامنے آیا اور پھر خیبر میں ایسا ہی تجربہ ہوا اور کتاب اللہ کی پیش گوئی بالکل سچ ثابت ہوئی۔

(۱۳۱) قرآن کی متعدد آیات میں قوم یہود کی ذلت و رسوائی کا ذکر کیا گیا ہے۔ سورۂ اعراف میں بتایا گیا کہ ان پر قیامت تک ایسے لوگوں کو مسلط کیا جاتا رہے گا جو ان کو بدترین عذاب دیتے رہیں (الاعراف: ۱۶۷) سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں یہودیوں کے دو مرتبہ فساد پھیلانے اور دو مرتبہ اُن پر عذاب کا ذکر کیا گیا ہے اور تاریخ میں بابل کے بخت نصر اور رومیوں کے ہاتھوں ان کی ہلاکت و بربادی اور کثیر تعداد میں قید و بند کے واقعات موجود ہیں۔ یہاں ایمان والوں کو اِن کے حالات سے آگاہ کر کے بتایا گیا ہے کہ وہ ان سے قطعاً مرعوب نہ ہوں! اِن کی تاریخ گواہ ہے کہ یہ ہمیشہ خائب و خاسر اور دوسری قوموں کے زیرنگیں ہی رہے ہیں' اور آئندہ بھی وہ جہاں بھی ہوں اُن کے لیے ذلت و مسکنت ہی مقدر ہے' وہ حکمراں قوم کے غلام بن کر ہی رہیں گے (جیسے فرعون کے زمانہ میں تھے)، جب بھی سر اُٹھائیں گے اُن کو کچلا جائے گا اور زمین میں منتشر کر دیا جائے گا۔ بعد کے حالات نے کتاب اللہ کی پیش گوئی پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اسلام کے شروع دور میں یہودی قبیلوں کو ذلت و رسوائی کے ساتھ مدینے سے نکالا گیا، پہلے بنو قینقاع کو پھر بنو نضیر کو جلاوطن کیا گیا' اور پھر غزوۂ احزاب کے بعد اُن کے آخری قبیلے بنو قریظہ کے خود اپنے بنائے ہوئے ثالث سعد بن معاذ ؓ کے فیصلے کے مطابق ان کے جنگجو افراد کو قتل کر دیا گیا اور بقیہ کو شہر بدر کر دیا گیا اور جو لوگ خیبر میں آباد ہو گئے تھے وہ بھی غزوہ خیبر کی شکست کے بعد جزیہ دے کر ہی رہتے رہے۔ اور پچھلی صدی میں جرمن ڈکٹیٹر ہٹلر کے ہاتھوں اس قوم کو ایسی عبرتناک سزا ملی جس کی نظیر شاید تاریخ میں نہ مل سکے! البتہ انہیں بطور مہلت کبھی کبھی عارضی طور پر کچھ سنبھالا ملتا رہا' خواہ وہ ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آنے سے ہو یا دوسری کسی قوم کی مدد اور پشت پناہی اور سرپرستی کی شکل میں ہو۔ ماضی بعید میں ایرانی حکومت نے جب بابل کو شکست دی تو یہودیوں کو اُن کی قید سے آزاد کرایا اور اُن کی بستیوں میں دوبارہ تعمیرات اور آبادکاری میں اِن کی مدد کی' اور آج کل امریکہ اور اُس کے حلیف ممالک کی مکمل سرپرستی ان کو حاصل ہے۔ بہرحال' یہ سب مہلت انہیں اللہ کی طرف سے ملی ہے اور اسی نے ان کے لیے عارضی طور پر حالات کو سازگار بنا دیا ہے۔ یہ حالات و واقعات اس کلمہ گو اُمت کے لیے بھی لمحہ فکریہ مہیا کرتے ہیں۔ اللہ کا یہ قانون تو قیامت تک نافذ العمل ہے' اب دیکھنا یہ ہے کہ کہیں یہ کلمہ گو اُمت بھی اس قانون کی زد میں تو نہیں؟ کتاب اللہ اِن کے پاس پوری طرح محفوظ ہے، صحیح احادیث کی شکل میں اس کی تشریح و تفسیر بھی موجود ہے، پھر بھی یہ ایمان کے دعویدار اللہ کی نافرمانی، کفر و شرک، حرص و طمع، مفاد پرستی اور تفرقہ پردازی میں یہود سے بھی سبقت لے گئے ہیں' اور ربّ ذوالجلال کے قہر و غضب کو بھڑکانے میں انہوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی! اس کا نتیجہ ہے کہ یہ جہاں بھی ہیں ان پر ذلت و مسکنت طاری ہے، خواہ عراق و فلسطین ہو یا کشمیر و افغانستان یا دیگر مقامات، ہر جگہ یہود و ہنود اور ان کے نام نہاد حلیف و سرپرست اِن پر مسلط ہیں جو ان کی آبروریزی' غارتگری اور ذلت و خواری میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں اور دنیا کی کوئی بھی قوم انکی حمایت کرنے کو تیار نہیں۔ تاریخ نے کیسا پلٹا کھایا ہے' خیر القرون میں کلمہ گو ہر لحاظ سے عزّ و شرف سے ہمکنار تھے اور اقوام عالم میں سربلند اور باوقار لیکن آج وہی پستی، بدحالی اور کسمپرسی سے دوچار ہیں اور دوسرے اِن پر حاوی، گویا یہ اُن کے لقمۂ تر بنے ہوئے ہیں' کیا یہ یہود کی طرح مغضوب علیہ بن کر اللہ کے عذاب کا شکار نہیں ہو گئے، فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ!

(۱۳۲) قوم یہود پر اللہ کے غضب اور ان کی ذلت و بدحالی کا سبب اُن کی مسلسل نافرمانی اور سرکشی کی سرشت رہی ہے جس کا قرآن میں کثرت سے ذکر کیا گیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے بعد اُن میں ایمان لانے والوں کو دیگر اقوام پر فضیلت و فوقیت ملتی رہی اور عزّت و وقار حاصل ہوا' اس پر اُن کو اللہ کا شکرگزار اور نعمت ایمانی کا قدردان ہونا چاہیے تھا' لیکن ان ظالموں نے جلد ہی روگردانی کر کے کفر کی روش اپنائی اور زوال پذیری کی راہ پر چل پڑے۔ پھر جب بھی انبیاء علیہم السلام اُن کی اصلاح اور بحالی کے لیے آئے تو ان کا انہوں نے مذاق اُڑایا' اور مخالفتوں اور باغیانہ سازشوں میں حد سے گزر گئے' اُن کو اور ایمان لانے والوں کو ایذائیں دیں یہاں تک کہ اُن کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ یہ مضمون پہلے بھی آ چکا ہے (آل عمران: ۲۱) غرضیکہ ان کی تاریخ جور و ستم کی ایسی ہی داستانوں سے بھری ہوئی ہے۔

(۱۳۳) اہل کتاب میں سب ایک جیسی فطرت و خصلت کے ہی حامل نہیں، اُن میں عبداللہ بن سلام ؓ اور ان کے ساتھی' اور حبشہ کے نجاشی ؓ جیسے بعض نیک طبیعت اور سلیم الفطرت لوگ بھی تھے جن کا ذکر گزشتہ سطور میں بھی کیا گیا ہے۔ وہ اپنی کتاب پر ایمان رکھتے تھے، اور اب آخری رسول ﷺ پر نازل شدہ کتاب پر بھی ایمان لے آئے۔ عبداللہ بن سلام ؓ کے ایمان لانے کا واقعہ صحیحین میں کچھ تفصیل سے مذکور ہے۔ ہجرت کے بعد نبوت کی نشانیاں دیکھ لینے کے بعد انہوں نے ایمان کا اقرار کیا' اور یہودی علماء کی موجودگی میں اپنے ایمان کا اعلان کر کے نبی ﷺ کے سامنے اُن سے علیحدگی کا بھی اظہار کر دیا (بخاری: مناقب الانصار، مناقب عبد اللہ بن سلام ؓ / مسلم: فضائل صحابہ ؓ) نجاشی ؓ کی وفات پر نبی ﷺ نے ان کی صلوٰۃ المیت غائبانہ ادا کی۔ (بخاری: کتاب الجنائز) یہ اور دیگر مذکورہ افراد پیشہ ور علماء کی طرح دین سے کمائی کرنے والے نہیں بلکہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں (آل عمران: ۱۹۹) نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو اپنے نبی پر ایمان لائے

اور پھر محمد ﷺ پر ایمان لائے تو ایسے لوگوں کے لیے دُہرا اجر ہے (بخاری: کتاب العلم. باب تعلیم الرجل امته واهله) ایمان کی روشنی نے ان کا سینہ کھول دیا ہے اور راہِ حق میں آگے بڑھنے اور اپنے رب کا تقرب حاصل کرنے کے شوق اور جذبے کو جلا بخشی ہے' چنانچہ یہ متقی و پرہیزگار قیام اللیل اور کتاب اللہ کی تلاوت میں مشغول رہتے ہیں۔

(۱۳۴) یہ مجاہدانہ اوصاف کے حامل، نعمت ایمان کے قدرداں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں سرگرمی سے حصہ لینے والے ہیں، اور اس طرح داعیانِ حق کے ساتھ راہِ حق میں آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان اور یوم حساب کا احساس ان میں یکسوئی، تقویٰ اور پرہیزگاری کے اوصاف کو پروان چڑھانے اور دین میں آگے بڑھنے کے جذبے کو فعال رکھنے کا سبب ہے۔ ان کے دنیاوی اور معاشی مشاغل اور دیگر مصروفیات دین کے تقاضے پورے کرنے میں مانع نہیں ہوتے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں تا کہ ان کا رب ان سے راضی ہو اور انعام پانے والوں میں انہیں نمایاں مقام حاصل ہو۔

(۱۳۵) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مخلص اہل ایمان بندوں کا بہت زیادہ قدردان ہے' تھوڑے عمل کا بڑھا چڑھا کر اجر دیتا ہے، وہ ان کے اعمال کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ راہِ حق میں ان کی سعی و جہد مقبول و ماجور ہے۔ اہل کتاب کے ایمان لانے والوں سے تو دُہرے اجر کا وعدہ ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے' نیز ان کے لیے خصوصی انعام یہ بھی ہے کہ ان کی خطاؤں کو حسنات سے بدلنے (الفرقان:۷۰) اور اُس پچھلے دور کے نیک اعمال کا اجر ملنے کا ان سے وعدہ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١٦﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٧﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾ هَا أَنْتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۚ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١١٩﴾ إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۖ وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿١٢٠﴾ ع

جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے مال و اولاد اللہ کے عذاب سے بچانے میں اُن کے کچھ کام نہ آئیں گے، وہ جہنمی ہیں اور ہمیشہ اس میں رہیں گے (۱۳۶) ﴿۱۱۶﴾ وہ جو کچھ دنیاوی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اُس کی مثال اُس ہوا کی سی ہے، جس میں پالا ہو وہ اُن لوگوں کی کھیتی پر پڑے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے' اور اس کو تہس نہس کر ڈالے (۱۳۷) اللہ اُن پر ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں ﴿۱۱۷﴾ اے ایمان والو، تم اپنے (ایمان والوں کے) سوا کسی اور کو رازدار نہ بناؤ (۱۳۸) وہ تمہاری بربادی میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھتے، وہ تو چاہتے ہی یہ ہیں کہ تمہیں نقصان پہنچے۔ اُن کے مونہوں سے تو اُن کا بغض ظاہر ہوتا ہی ہے لیکن جو وہ سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے زیادہ شدید ہے۔ ہم نے تمہارے لیے یہ نشانیاں ظاہر کر دی ہیں اگر تم عقل سے کام لو (اور غور کرو) ﴿۱۱۸﴾ تم تو ان کو چاہتے ہو لیکن وہ تمہیں پسند نہیں کرتے' اور تم پوری کتاب کو مانتے ہو (۱۳۹) (وہ نہیں مانتے) جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تم پر غیظ و غضب میں انگلیاں کاٹنے لگتے ہیں۔ ان سے کہو' تم اپنے غصے میں مر جاؤ' اللہ تمہارے سینوں کے حال کو خوب جانتا ہے (۱۴۰) ﴿۱۱۹﴾ اگر تمہیں کچھ بھلائی ملے تو یہ اُنہیں بُرا معلوم ہوتا ہے اور تمہیں کوئی نقصان پہنچے تو اس پر وہ خوش ہوتے (۱۴۱) اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو ان کا مکر تمہیں کوئی نقصان نہ دے گا (۱۴۲) وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ یقیناً اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے ﴿۱۲۰﴾

(۱۳۶) کفر کی روش اختیار کرنے والوں میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو سرداری' مال و دولت کی فراوانی اور کثرت اولاد پر مغرور اور نازاں ہوں۔ اُس وقت یہی صورت حال تھی' چنانچہ اُن کو جھنجھوڑا جا رہا ہے کہ نادانو! اس بات کو سمجھ لو کہ یہ دنیا دار العمل ہے' یعنی اُخروی زندگی کے لیے تیاری کی جگہ' یہاں جاہ و ثروت کے نشے میں مست ہو کر آخرت کو فراموش کیے رہے تو یہ سوچ لو کہ تمہاری جاہ و حشمت اور مال و دولت آخر کتنے دن تمہارا ساتھ دے گی! چند روزہ زندگی کے بعد تو یہاں سے خالی ہاتھ ہی چلے جاؤ گے، وہاں پیشی کے وقت یہ سب اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچانے میں تمہارے کچھ بھی کام نہ آئے گا' اس وقت تو تہی دستی اور تہی دامانی پر سوائے پچھتانے اور کفِ افسوس ملنے کے کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ یہ مضمون پہلے بھی آ چکا ہے۔ (آل عمران:۱۰)

(۱۳۷) آخرت سے بے پرواہ انسان کے پیش نظر محض اپنا اور اولاد کا مستقبل' دنیا میں نیک نامی، بڑائی اور شہرت ہی ہوتی ہے' چنانچہ اُس کی زندگی میں تمام دوڑ دھوپ اور سعی و جہد اسی مقصد کے تحت ہوتی ہے۔ پھر محنت سے کمائی ہوئی دولت بھی اسی مقصد کے حصول کے لیے صرف کی جاتی ہے' خواہ وہ رفاہی

کاموں میں ہی کیوں نہ ہو' مگر مقصد دنیاوی نام ونمود ہی ہوتا ہے۔ اس سب سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس کی مثال ایک فصل کی سی ہے، جس کو کاٹنے سے پہلے پالا پڑ جائے اور اسے تہس نہس کر ڈالے' مزارع کے کچھ بھی ہاتھ نہ آئے اور ساری محنت رائیگاں جائے۔ آخرت سے غافل انسان کا بھی ایسا ہی معاملہ ہے۔ ساری زندگی تو متاع دنیا اور مذکورہ بالا مقاصد کے حصول کے لیے لگا دی' مطلوبہ ہدف تک پہنچتے پہنچتے موت کے تند ہوا کے جھکڑ نے اس کا تعلق ان سے منقطع کر ڈالا، سب کچھ چھوڑ کر خالی ہاتھ جہانِ رنگ و بو سے رخصت ہو گیا! اب اپنی بدنصیبی اور محرومی' قسمت کا شدید احساس ہوا۔ اس دنیا کی عارضی دلفریبی اور لذت آفرینی نے قلب و ذہن پر غفلت کا ایسا پردہ ڈالا کہ بار بار یاددہانی کے باوجود اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مہلت سے کچھ فائدہ نہ اُٹھایا اور آخرت کے لیے، وہاں کی دائمی زندگی کے لیے کوئی تیاری نہ کی اور مہلت عمل یونہی گنوا دی، اب تو سوائے حسرت و پشیمانی کے کچھ حاصل نہ ہوگا، اللہ کا عذاب ہی مقدر ہوگا اور یہ اللہ کی طرف سے ظلم نہ ہوگا! سورہ بقرہ میں بھی مؤثر اور دلگداز مثالوں کے ذریعہ نمود ونمائش کے لیے خرچ کرنے والوں کے انجام اور سامانِ دنیا کی بے بضاعتی اور بے حیثیتی کو واضح کیا گیا ہے (البقرۃ: آیات ۲۶۵'۲۶۶)۔

(۱۳۸) یہاں ایمان والوں کو ایک اہم معاشرتی وسیاسی اصول سمجھایا گیا ہے جو دوررس نتائج کا حامل ہے یعنی کفار ومشرکین کو مومن اپنا اہم راز نہ بنائیں' یہ طرزِ عمل اجتماعیت کے لیے انتہائی نقصان دہ ثابت ہوگا۔ یہ بات بھی ذہن نشین کرادی گئی ہے کہ انفرادی مفاد کو اجتماعی مفاد کے لیے قربان کرنا لازمی ہوتا ہے۔ اس سے پہلے کفار ومشرکین بالخصوص یہودیوں کی سوچ اور اُن کے طرزِ عمل کی نشاندہی کی جاچکی ہے اور ایمان والوں کو یہ واضح کر دیا گیا کہ ایمان لانے کے بعد اِن سے راہ و ربط نہ رکھیں اور نہ ہی ان کے لیے دل میں کوئی مقام ہو اور نہ اِن کی باتوں کو کوئی اہمیت دی جائے۔ یہودی تو انتہائی دنیا پرست، متعصب اور تنگ نظر ہیں، اِن کے یہاں اخلاق وشائستگی، انسانی ہمدردی اور احترام کا کوئی تصور نہیں، یہ تو محض اغراض ومفادات کے بندے ہیں۔ لہٰذا یہ قطعاً اس قابل نہیں کہ ان پر اعتبار کیا جائے یا مومن ان کو اعتماد میں لیں اور اپنا راز دار بنائیں۔ ان دشمنانِ حق کا تو حال یہ ہے کہ ان کو کوئی راز کی بات ملے گی تو اس سے فائدہ اُٹھا کر اسلام کو نقصان پہنچانے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑیں گے۔ یہ کفار کے ساتھ بھی رابطے میں ہیں، اسلام دشمنی میں یہ دونوں ایک ہیں اور سب مل کر اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح اسلام کو ختم کر ڈالیں!

(۱۳۹) ایمان والوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ قوم یہود سے ذرا بھی خیر کی توقع نہ رکھیں۔ فرمایا کہ تم اُن کی ظاہرداری' علم اور پرانے تعلقات کی وجہ سے اُن سے رواداری اور محبت کا جذبہ اور دل میں اچھا مقام رکھتے ہو، اس کے برعکس وہ تمہارے شدید بدخواہ ہیں اور تمہارے نقصان کے درپے، اُن کے دل بغض وعداوت سے بھرے ہوئے ہیں۔ یوں تو وہ ہر موقعے پر تمہارے خلاف زہرافشانی کرتے رہتے ہیں لیکن درحقیقت اُن کے دلوں میں جو بغض بھرا ہوا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو اُن کی زبانیں اُگلتی رہتی ہیں۔ اُن کی تم سے دشمنی کا بنیادی سبب یہ ہے کہ تم انبیاء علیہم السلام پر نازل شدہ تمام کتابوں کو برحق مانتے ہو لیکن وہ نہیں مانتے، پھر بھلا تمہاری اور ان کی سوچ میں مطابقت کیسے ہو سکتی ہے؟ یہ بات کس قدر باعث حیرت ہے کہ قرآن کی واضح اور تاکیدی ہدایت کے باوجود اس کلمہ گو اُمت کے یہود وہنود اور دیگر اقوام کے ساتھ بہت ہی قریبی تعلقات اور گہرے مراسم ہیں' وہ ان کے اہم کلیدی عہدوں پر فائز ہیں چنانچہ اس کے نتیجے میں وہ نہ صرف ان کے داخلی وخارجی بلکہ فوجی رازوں تک سے واقف ہیں!

(۱۴۰) اِن کی منافقانہ روش اور کینہ پروری کا یہ عالم ہے کہ جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو بغض وعداوت کو دلوں میں چھپائے رکھتے ہیں اور زبانی دعووں سے اپنے آپ کو ایمان دار ثابت کرتے ہیں لیکن جب علیحدہ ہوتے ہیں تو ان کے دلوں میں بغض وعداوت کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے اور وہ غیظ وغضب میں آپے سے باہر ہو جاتے ہیں، اور کچھ بس نہیں چلتا تو غصے میں انگلیاں کاٹنے لگتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ تم اس آتشِ بغض وانتقام میں جل مرو' اسلام کو تو کوئی نقصان نہ پہنچا سکو گے' اللہ تعالیٰ تمہاری سازشوں سے بے خبر نہیں' اُسے تو تمہارے دلوں کا حال تک معلوم ہے، وہ ایمان والوں کو باخبر کرتا رہے گا اور تمہاری چالیں ناکام ہی ہوں گی۔ قرآنی آیات نے منافقوں اور دیگر دشمنانِ حق کی نقاب ہٹا کر اُن کا اصل چہرہ دکھا دیا ہے تاکہ ایمان والے ان سے ہوشیار رہیں اور ان کے مکر کے جال میں پھنس کر نقصان نہ اُٹھائیں۔ مگر وائے افسوس یہ کلمہ پڑھنے والے جانتے بوجھتے ان کے فریب کا شکار ہیں!

(۱۴۱) منافقوں اور دشمنانِ حق کے بغض وعناد اور اسلام دشمنی کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایمان والوں کو خیر ملے' جنگ میں فتح حاصل ہو یا ایمان والوں کی تعداد میں اضافہ ہو یا کوئی اور کامیابی ملے تو بدیہا یہ ایمان والوں کی خوشی کا باعث ہوتی ہے لیکن کینہ پرور یہودی اور منافق اس سے رنجیدہ خاطر ہوتے ہیں، اور اس کے برعکس اگر مومنوں کو کوئی نقصان یا تکلیف پہنچے جو مومنوں کی پریشانی کا باعث ہو تو اس پر یہ بغلیں بجاتے ہیں، خوب خوش ہوتے ہیں۔

(۱۴۲) یہاں ایمان والوں کو ان مخالفینِ حق کی سازشوں اور بغض وکینہ پر مبنی رویے کا توڑ بتایا گیا ہے۔ فرمایا کہ اگر تم صبر وتقویٰ اور درگزر کی روش پر قائم رہو' تو اللہ تعالیٰ ان سے نمٹنے کے لیے کافی ہے' وہ ان کے مکر وفریب، شیطانی سازشوں اور پروپیگنڈے کو ناکام بنادے گا' اور ان کو ناکامی ورسوائی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ ان کے کرتوت کا پوری طرح احاطہ کیے ہوئے ہے۔ بلاشبہ صبر وتقویٰ ایمان والوں کی اجتماعیت کے استحکام اور تائید الٰہی کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان اوصاف سے نوازے۔ آمین

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝

اور (اے نبی! یاد کرو) جب تم صبح سویرے اپنے گھر سے نکل کر (۱۴۳) ایمان والوں کو جنگ کے لیے مورچوں پر متعین کر رہے تھے (۱۴۴) اور اللہ بہت زیادہ سننے اور جاننے والا ہے ﴿۱۲۱﴾ جب تم میں سے دو گروہ بزدلی دکھانے لگے، (۱۴۵) حالانکہ اللہ ان کا مدد گار تھا' اور مومنوں کو تو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ﴿۱۲۲﴾ اور (اے مومنو!) اللہ نے بدر میں بھی تمہاری مدد کی تھی جبکہ تم بہت ہی کمزور تھے (۱۴۶) تو اللہ ہی سے ڈرو تا کہ شکر گزار بنے رہو ﴿۱۲۳﴾ (اے نبی! یاد کرو) جب تم مومنوں سے کہہ رہے تھے "کیا یہ تمہارے لیے کافی نہیں کہ تمہارا ربّ تین ہزار فرشتے نازل کر کے تمہاری مدد کرے؟ ﴿۱۲۴﴾ کیوں نہیں، اگر تم صبر کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو' تو اگر یہ دشمن یکا یک جوش کے ساتھ تم پر حملہ آور ہو جائے تو تمہارا ربّ پانچ ہزار (مخصوص) نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا (۱۴۷) ﴿۱۲۵﴾

(۱۴۳) یہاں سے غزوۂ اُحد کے حالات پر تبصرہ شروع ہو رہا ہے۔ غزوۂ اُحد کے بارے میں صحیح بخاری میں کتاب الجہاد والسیر اور کتاب المغازی میں جو روایات ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کے وقت مدینے سے نکلے اور اُحد کے قریب لشکر کی صف بندی کی' پچاس تیر اندازوں کے ایک دستے کو عبداللہ بن جبیر ؓ کی سرکردگی میں ایک درّہ پر متعین فرمایا اور ہدایت کی کہ "تم اس جگہ سے نہ ہٹنا خواہ ہم کو اُن پر غالب دیکھو یا اُن کو ہم پر غالب دیکھو' اور ہماری مدد کے لیے بھی نہ آنا"۔ دوسری روایت میں ہے کہ "تم یہ جگہ نہ چھوڑنا خواہ پرندوں کو دیکھو کہ وہ ہمارا گوشت کھا رہے ہیں' جب تک کہ میں تمہیں حکم نہ بھیجوں"۔ پھر جب کفّار کو شکست ہوئی اور وہ بھاگنے لگے تو عبداللہ بن جبیر ؓ کے ساتھیوں نے مال غنیمت لوٹنے کے لیے وہ جگہ چھوڑ دی حالانکہ عبداللہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ کا تاکیدی حکم یاد دلا کر روکنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ نہ مانے اور محاذ چھوڑ کر چلے گئے، عبداللہ بن جبیر ؓ کے ساتھ صرف دس بارہ افراد رہ گئے جن کو خالد بن ولید ؓ کے دستے نے بآسانی شہید کر دیا۔ الغرض' جنگ کا نقشہ بدل گیا' بھاگتے ہوئے کفار بھی پلٹ آئے اور جنگ پھر شروع ہو گئی۔ مومنوں کی لغزش' غفلت اور عدم اطاعت کی وجہ سے جیتی ہوئی جنگ شکست میں تبدیل ہو گئی، افراتفری میں صحابہ ؓ منتشر ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے اِرد گرد صرف بارہ صحابہ ؓ رہ گئے۔ اس جنگ میں ستر صحابہ ؓ شہید ہوئے اور بڑی تعداد میں زخمی ہوئے خود رسول اللہ ﷺ بھی زخمی ہو گئے اور آپ کا دانت ٹوٹ گیا۔ اس کے برعکس غزوۂ بدر میں ایمان والوں نے ایک سو چالیس کو زد میں لیا تھا، ستر کو قتل کر دیا اور ستر کو قید کر لیا! احد کے شہداء میں حمزہ بن عبد المطلب، مصعب بن عمیر، عبداللہ بن عمرو بن حرام اور انس بن نضر ؓ بھی شامل ہیں۔ ابو سفیان نے جو اس وقت لشکر کفار کا سپہ سالار تھا' ایک بلند جگہ پر کھڑے ہو کر ہبل کی بڑائی کا نعرہ لگایا: "اعل ھبل"؛ اس پر نبی ﷺ نے صحابہ ؓ کو حکم دیا کہ وہ کہیں "اللہ اعلیٰ واجل" یعنی اللہ ہی بلند و برتر اور بزرگ ہے"؛ پھر ابوسفیان نے کہا "لنا عزیٰ ولا عزیٰ لکم" کہ عزّیٰ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا نہیں، تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ تم کہو "اللہ مولانا ولا مولا لکم" یعنی اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں (بخاری: کتاب الجہاد و السیر / کتاب المغازی)۔ ان آیات میں اُحد کے واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے ایمان والوں کو سبق حاصل کرنے اور اپنی اصلاح کرنے کی مؤثر تلقین کی گئی ہے۔ اس مختصر پس منظر سے آئندہ آیات کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملے گی۔

(۱۴۴) یہ اُحد کے دامن میں اسلامی لشکر کی ترتیب اور صف بندی کی طرف اشارہ ہے' جبکہ رسول اللہ ﷺ نے پچاس تیر اندازوں کو ایک اہم درّے پر تعینات کر دیا تھا، اس کی تفصیل اوپر بیان کی گئی ہے۔

(۱۴۵) اِن دو گروہوں سے انصار کے قبیلے بنو حارثہ اور بنو سلمہ مراد ہیں۔ یہ بات یاد رہے کہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی شاندار فتح کے بعد سے کفار کے دلوں میں تو آتشِ انتقام بھڑک ہی رہی تھی مگر اہل کتاب اور منافقین جو اسلام و مسلمین کے شدید بدخواہ تھے وہ بھی بغض و حسد کی آگ میں جل جل کر خاک ہوئے جا رہے تھے، چنانچہ غزوۂ اُحد کے لیے نکلتے ہوئے جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی رائے کے خلاف نبی ﷺ نے مدینے سے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کو بہانہ بنا کر وہ اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ لشکر سے علیحدہ ہو گیا۔ اس کا مخلص مومنوں پر بھی کچھ نفسیاتی اثر پڑا، جن میں یہ دو گروہ زیادہ متاثر ہوئے یہاں تک کہ حوصلہ شکنی اور پست ہمتی کا بھی شکار ہو گئے۔ جابر بن عبداللہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ قرآن کی یہ آیت ہمارے حق میں نازل کی گئی، یہ ہمارے ہی دو گروہ تھے، اور اس بات کے باوجود کہ اس میں ہماری کمزوری بیان ہوئی ہے ہم اس کے نزول سے

خوش ہیں کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ہمارا محافظ و مددگار ہے' (بخاری۔ کتاب المغازی' باب اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ...... الْمُؤْمِنُوْنَ) اس طرح اللہ تعالیٰ نے توفیقِ احسن سے ان کی کمزوری اور پست ہمتی دور کر دی، اُن کو تقویت پہنچائی اور انکا حوصلہ بحال کر دیا۔

(۱۲۶) عبداللہ بن ابی اور اُسکے ساتھیوں کے منافقانہ طرزِ عمل سے مومنوں کی جو حوصلہ شکنی ہوئی اس کا تذکرہ کر کے پچھلی آیت میں مومنوں کو احد کے واقعات سے سبق حاصل کرنے کی تلقین کی گئی اور بتایا گیا کہ اللہ پر توکل کرتے ہوئے صبر وتقوی کے اوصاف کے ساتھ کثرت وقلت سے بے نیاز ہو کر میدان قتال میں ثابت قدم رہنا چاہیے کیونکہ کتنی ہی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ اللہ پر بھروسہ کرنے والوں کا قلیل گروہ کثیر گروہ پر غالب ہوا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو دعوۃ القرآن (البقرہ:۲۴۹) مومنوں کو یاد دلایا گیا کہ دیکھو غزوۂ بدر میں تو تم اور بھی زیادہ کمزور اور بے سروسامان تھے، اس کے باوجود تم نے اللہ پر توکل کیا، اس کی مدد و نصرت پر بھروسہ کر کے میدان میں اُترے تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی اور فرشتے بھیجے چنانچہ تمہیں فتح مبین حاصل ہوئی اور کفار کو شکست فاش ہوئی جس سے اُن کی کمر ٹوٹ گئی، اُن کے بڑے بڑے سردار اور جنگجو مارے گئے۔ لہٰذا کمزوری اور پست ہمتی کے بجائے بلند حوصلگی اور صبر وتقوٰی کے اوصاف کے حامل رہو، انہی کے سبب تمہارا تعلق ربّ کریم سے جڑا رہتا ہے اور اس کی مدد و نصرت تمہارے ساتھ رہتی ہے۔

(۱۲۷) اللہ تعالیٰ کی مدد بہرحال صبر وتقوٰی کی صفات کے ساتھ ہی مشروط ہے چنانچہ مومنوں کو آگاہ کر دیا گیا کہ اگر تم یہ شرط پوری کرو گے تو اللہ کی مدد ضرور آئے گی، اور اب بھی بوقت ضرورت وہ تمہاری مدد کے لیے فرشتوں کو نازل فرمائے گا۔ اور اگر دشمن بڑے لشکر کے ساتھ دفعتاً تم پر حملہ آور ہو گیا تو تین ہزار تو کیا رب ذوالجلال پانچ ہزار منتخب فرشتوں کو تمہاری مدد کے لیے نازل کر دے گا اور غزوۂ بدر کی طرح دشمن کو عبرت ناک شکست سے دوچار کر دے گا۔ بعد کے غزوات میں مدد کے اس وعدے کو عملی جامہ پہنا دیا گیا۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۙ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ۝ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور اللہ نے یہ (مدد کا وعدہ) تمہاری خوشخبری کے طور پر ہی کیا ہے تاکہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں، ورنہ مدد تو (بہرحال) اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے[۴۸] جو زبردست، حکمت والا ہے ﴿۱۲۶﴾ تاکہ (اللہ اس طرح) کافروں کا ایک بازو کاٹ دے یا اُن کو پسپا کر دے' پھر وہ خائب و خاسر ہو کر پلٹ جائیں[۴۹] ﴿۱۲۷﴾ (اے نبی!) اس میں تمہارا کوئی اختیار نہیں[۵۰]، اللہ (چاہے) ان کی توبہ قبول کرے یا انہیں عذاب دے اس لیے کہ وہ ظالم ہیں ﴿۱۲۸﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے، جسے چاہے معاف کرے اور جسے چاہے عذاب دے، اور اللہ بہت زیادہ مغفرت کرنے والا، رحم کرنے والا ہے ﴿۱۲۹﴾

(۱۲۸) پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی مدد اور فرشتوں کے بھیجنے کا ذکر کیا گیا تھا، اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وعدہ تو مومنوں کی تسلی اور تقویت کے لیے ہی تھا ورنہ یہ ضروری نہیں ہر مرتبہ مدد فرشتوں کے ذریعہ ہی کی جائے، اللہ تعالیٰ کی مدد تو کسی بھی شکل میں آسکتی ہے جو اس کی حکمت اور مشیّت ہی پر موقوف ہے۔ وہ چاہے تو صورتحال کے مطابق فرشتے بھیج دے جیسے کہ غزوۂ بدر میں بھیجے، اور چاہے کسی دوسرے انداز میں غیبی ذرائع سے نصرت فرمائے، مثلاً دشمنوں کے دلوں میں رُعب ڈال دے جیسے کہ یہود کے قبیلے بنو نضیر پر لشکر کشی کے موقعہ پر ہوا (الحشر:۲) اسی رُعب کی وجہ سے یہودیوں کے دلوں میں مومنوں کی ہیبت طاری ہو گئی تھی (الحشر:۱۳)، چنانچہ کھلے میدان میں مقابلہ کرنے کے بجائے وہ قلعہ بند ہو گئے اور بالآخر بے بسی کی حالت میں انہوں نے جلاوطنی قبول کر لی۔ غزوۂ اُحد میں بھی کفار اپنی برتری کے باوجود میدان چھوڑ کر چلے گئے۔ لہٰذا مومنوں کو پورے یقین کے ساتھ اللہ ہی پر توکل رکھنا چاہیے اور اُسی کی مدد پر بھروسہ ہونا چاہیے نہ کہ تعداد اور ساز و سامان پر۔

(۱۲۹) مومنوں کی دلجمعی کے لیے بتایا جا رہا ہے کہ یہ سب انداز اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے تحت ہی اختیار کیا گیا ہے تاکہ کفار کو اُن کی نافرمانی کی سزا یہاں بھی اچھی طرح مل جائے۔ غزوۂ بدر میں شکست فاش سے اُن کا ایک بازو کٹ گیا، فوجی طاقت کا زور بڑی حد تک ٹوٹ گیا پھر وہ انتقامی جوش میں آس پاس کے قبائل کو ملا کر بڑی طاقت اور سامان حرب کے ساتھ حملہ آور ہوئے اور غزوۂ اُحد میں عارضی کامیابی سے اُن کا حوصلہ بھی بڑھا۔ چنانچہ وہ پھر پوری تیاری کے ساتھ غزوۂ احزاب میں آخری معرکہ فیصلہ کن انداز میں سر کرنے کے لیے آ گئے۔ لشکر کفار اتنا بڑا تھا کہ اُسے دیکھ کر آنکھیں شدت خوف سے پتھرانے لگیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے، مومنوں کے لیے یہ شدید آزمائش تھی سورۂ احزاب میں اس صورتحال کی منظر کشی کی گئی ہے (آیات:۱۰،۱۱)۔ سچے مومن ذرا بھی شکستہ دل نہ ہوئے بلکہ اللہ پر توکل کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں غزوۂ احزاب کے لیے میدان قتال میں آئے اور پامردی و ثابت قدمی سے مقابلہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے غیبی نصرت فرمائی، شدید آندھی اور نظر نہ آنے والے لشکروں سے مومنوں کی مدد فرمائی

(الاحزاب:۹) اور کفار کی طاقت کو پارہ پارہ کردیا۔ وہ خائب و خاسر ہو کر واپس گئے (الاحزاب:۲۵)، اور پھر دوبارہ حملہ کرنے کی اُن کو جرأت نہ ہوئی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ غزوۂ اُحد میں کفار کو کامیابی تو ملی تھی لیکن پھر بھی وہ میدان چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ بلاشبہ یہ واقعہ بھی اللہ تعالیٰ کی غائبانہ تائید و نصرت کا بیّن ثبوت ہے ورنہ اسباب کے تحت تو اس کی توجیہہ ناممکن ہے۔ ان حالات و واقعات اور مبشرات میں ایک طرف تو کفار کے لیے عبرت ہے تو دوسری طرف مومنوں کے ایمان کی تقویت اور اطمینان قلب کا سامان ہے۔

(۱۵۰) جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا مسلمین کی لغزش اور غفلت کے سبب کفار جو شکست کھا کر بھاگنے لگے تھے، واپس پلٹ آئے اور بے خبری میں دو طرف سے اُن پر ٹوٹ پڑے، اس سے لشکر اسلامی میں سخت انتشار اور سراسیمگی کی کیفیت طاری ہوگئی نبی ﷺ بھی زخمی ہوگئے، سر پر زخم لگا اور دانت ٹوٹ گیا۔ صحیح مسلم میں انس ؓ کی روایت میں ہے کہ آپ چہرے سے خون صاف کرتے جاتے اور کہتے جاتے تھے ''وہ لوگ کیسے فلاح پائیں گے جنہوں نے اپنے نبی کو زخمی کیا اور اس کا دانت توڑا'' حالانکہ وہ تو انہیں اللہ ہی کی طرف بلاتا تھا''۔ گویا کہ رسول اللہ ﷺ اُن کی ہدایت سے مایوس ہوگئے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (مسلم: کتاب الجھاد باب غزوہ احد)، اور اس بات کو واضح کیا کہ کائنات کے نظام میں نبی ﷺ کا کوئی اختیار نہیں، اللہ تعالیٰ اکیلا کائنات کا خالق و مالک اور مدبر الامور ہے، یہاں اُسی کا حکم چلتا ہے، اور یہ پورا نظام اُسی کی حکمت و مشیت پر منحصر ہے، وہ اگر چاہے تو ان کفار کو بھی توبہ کرنے کی توفیق دے، پھر ان کی توبہ قبول کرلے اور انہیں معاف فرمادے کیونکہ وہ بہت زیادہ معاف کرنے اور رحم کرنے والا ہے، یا یہ کہ باغیوں اور سرکشوں کو دنیا میں بھی رُسوا کن عذاب دے۔ بعد کے حالات نے اس بات کو صحیح ثابت کردیا، فتح مکّہ کے بعد ان میں سے بڑی تعداد میں لوگ ایمان لائے اور پھر آخر دم تک مسلم بن کر ہی رہے، اور دوسروں پر اللہ کا عذاب مسلط ہوا۔ اس سے یہ بات بھی پایۂ ثبوت تک پہنچی کہ نبی ﷺ عالم الغیب نہیں، اللہ تعالیٰ ہی علام الغیوب ہے، اور وہی سرورِ کائنات اور مختار کل ہے نبی ﷺ نہیں! ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا کسی اور ذات سے منسوب کیے جانے والے ایسے تمام عقائد قرآن و حدیث کے خلاف اور حقیقت کے برعکس ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝

اے ایمان والو! بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ،(۱۵۱) اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ ﴿۱۳۰﴾ اور اُس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کرلی گئی ہے(۱۵۲) ﴿۱۳۱﴾ اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿۱۳۲﴾ دوڑو اپنے رب کی مغفرت حاصل کرنے اور جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین جیسی ہے، جو متقی لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے(۱۵۳) ﴿۱۳۳﴾ جو خوشحالی اور تنگی (دونوں صورتوں) میں مال (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور وہ غصہ پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے ہیں(۱۵۴) اور اللہ (ایسے ہی) احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ﴿۱۳۴﴾ اور (یہ ایسے لوگ ہیں کہ) ان سے اگر کوئی فحش کام سرزد ہو جائے، یا یہ اپنی جانوں پر ظلم کرلیں تو اللہ کو یاد کر لیتے ہیں اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لیتے ہیں (جانتے ہیں کہ) اللہ کے سوا گناہوں کو اور کون معاف کریگا۔ اور جانتے بوجھتے اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے(۱۵۵) ﴿۱۳۵﴾ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے ربّ کی طرف سے یہ بدلہ ہے، مغفرت اور وہ باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اُس میں یہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور کیسا اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کے لیے ﴿۱۳۶﴾

(۱۵۱) مال و زر کی محبت جب حد سے زیادہ ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرنے کی ہوس انسان کو سود خوری کی طرف مائل کردیتی ہے۔ پھر معاشرے کے افراد میں ایک دوسرے سے محبت اور جذبۂ ہمدردی و خیر خواہی کا فقدان ہو جاتا ہے اور قرضدار کی مجبوری سے فائدہ اُٹھا کر زیادہ سے زیادہ مال واپس لینے کا رجحان فروغ پانے لگتا ہے۔ نیز مال کی ہوس انسان کو بزدل اور لالچی بنا دیتی ہے اور وہ کسی اعلیٰ مقصد کے لیے جانی و مالی قربانی دے کر آگے بڑھنے کے قابل نہیں رہتا۔ چنانچہ زر پرستی اور مادہ پرستی کی روش معاشرے کو ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے۔ اسکے برعکس اللہ اور یوم آخرت پر ایمان اس بات کا متقاضی ہوتا ہے کہ جان و مال اللہ کی راہ میں لگا کر اپنے آپ کو جنت کی دائمی نعمتوں کا حقدار بنائیں۔ غزوۂ اُحد میں مال کی محبت اور مال غنیمت کی طمع ہی رسول اللہ ﷺ کی عدم اطاعت اور حکم عدولی کا سبب بنی تھی، جس کے نتیجے میں فتح شکست سے بدل گئی اور لشکر اسلام کو ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس پس منظر میں زر پرستی کے رجحان کا سد باب کرنے کے لیے ایمان والوں کو سود خوری سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے جو لوگوں کو مال و زر کی

محبت اور مادّہ پرستی کے مرض میں مبتلا کرتی ہے۔ سود کی قطعی حرمت تو سورۂ بقرہ کی اُن آیات میں بیان ہوئی ہے جو نبی ﷺ کی وفات سے کچھ عرصہ قبل ہی نازل ہوئیں (البقرۃ: ۲۷۸،۲۷۹)، لیکن اس سے پہلے متعدد مقامات پر اس کی شناعت وقباحت کو واضح کر کے ایمان والوں کو اس سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ ذہنوں میں اس سے نفرت پیدا ہونے لگے اور وہ بالآخر قطعی حرمت کے فیصلے کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اور یہاں یہ اس لحاظ سے بھی کہا گیا ہے کہ مال کی محبت اُن کے مجاہدانہ اوصاف پر اثر انداز نہ ہونے پائے۔

(۱۵۲) ایمان والوں کو سخت متنبہ کرتے ہوئے بدانجامی سے ڈرایا گیا ہے‘ فرمایا کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ و رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے رہو‘ اسی میں تمہارے لیے خیر و فلاح ہے‘ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا‘ پھر دنیا میں کامیابی اور سربلندی عطا فرمائیگا اور آخرت میں دائمی جنتوں میں داخل کر دے گا۔ یہ بات یاد رکھو کہ مال و زر کے پیچھے دوڑنے والے اللہ کے نافرمانوں اور سرکشوں کے لیے جہنم کا ہولناک عذاب تیار کر لیا گیا ہے۔ تم ان چندروزہ لذتوں اور آسائشوں کے لیے اُخروی فلاح وکامیابی کو داؤں پر نہ لگاؤ۔

(۱۵۳) ان آیات میں ایمان لانے والوں میں جذبۂ جہاد اُبھارنے اور راہ حق میں آگے بڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے‘ اور ساتھ ہی اُن کو اپنے اندر مومنانہ اوصاف پیدا کرنے کا احساس دلایا گیا ہے۔ اُن کو اس بات سے پہلے ہی آگاہ کر دیا گیا تھا کہ دنیاوی مال و جاہ کے دیوانے تو اسی کی دوڑ میں سرگرم رہتے ہیں، چندروزہ زندگی کی رنگینی اور دلفریبی نے اُنہیں آخرت سے بے پرواہ کر دیا ہوتا ہے، تم خوش نصیب ہو کہ تم نے اس حقیقت کو پالیا ہے کہ اصل کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے‘ لہٰذا تم اس کے حصول کے لیے سرگرم ہو جاؤ‘ اللہ کی راہ میں برضا و رغبت زیادہ سے زیادہ مال خرچ کرو اور جان قربان کرنے کے لیے تیار رہو۔ مال و اولاد کی محبت یا خاندانی وابستگی تمہیں راہ حق میں آگے بڑھنے سے نہ روکے۔ اپنے مالک کو راضی کر لینا ہی تمہاری زندگی کا مقصد بن جائے اور پھر اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینا آسان ہو جائے۔ اس بات کو ذہن نشین کر لو کہ اگر اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو گیا تو تمہارے گناہ معاف کر دیگا اور جہنم کے عذاب سے بچا کر اُن جنتوں کا حقدار بنا دے گا جن کی وسعتیں آسمانوں اور زمین جیسی ہیں‘ یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں کے لیے تیار کر رکھی ہیں۔ یاد رکھو! ایمان والوں میں صبر وتقویٰ کے اوصاف مطلوب ہیں‘ ان مجاہدانہ صفات کے حامل ہی مال و اولاد سے منہ موڑ کر اللہ کی راہ میں نکلتے ہیں‘ میدانِ قتال میں ثابت قدم رہتے ہیں اور اپنی جان قربان کر دینے کو کامیابی سمجھتے ہیں! صحابہ کرامؓ نے ان آیات کا مصداق بن کر دکھایا‘ بدر و اُحد اور احزاب کے معرکوں میں قلیل تعداد اور سامانِ حرب کی کمی کے باوجود مشکل حالات میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا اور ان کے حکم کی تعمیل میں اپنی جانوں کا نذرانہ بے دریغ پیش کر دیا‘ اس کی تفصیل مناسب موقعوں پر سامنے لائی جائے گی۔ لیکن یہاں ایک واقعہ بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ غزوۂ بدر میں جنگ کے دوران جب مشرکین قریب آگئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اُٹھو (آگے بڑھو) جنت کی طرف جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے“، تو عمیر بن حمام انصاریؓ نے کہا ”یارسول اللہ ﷺ جنت کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے“! آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں“ تو اُنہوں نے کہا ”واہ واہ“۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تم ایسا کیوں کہتے ہو“؟ اُنہوں نے کہا ”اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم میں نے اس امید سے کہا کہ میں جنتی لوگوں میں ہو جاؤں“۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تم بے شک جنتی لوگوں میں سے ہو“۔ یہ سن کر عمیرؓ نے اپنے ترکش سے کچھ کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے، پھر کہا ”اگر میں ان کھجوروں کے کھانے تک زندہ رہا تو یہ طویل زندگی ہو جائے گی“ لہٰذا اُنہوں نے اُن کھجوروں کو جو اُن کے پاس تھیں (ایک طرف) ڈال دیا پھر کفار سے جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (مسلم: کتاب الامارۃ، باب ثبوت الجنۃ للشھید) یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ صحیح معنوں میں اللہ کی رضا کے طالب تھے اور اجر حاصل کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے، اسی تگ و دو میں لگے رہتے تھے۔ اس کا ایک نمونہ مسلم کی ایک روایت میں ملتا ہے: نبی ﷺ نے ایک روز پوچھا ”آج تم میں سے کون صائم ہے؟“ ابوبکرؓ نے کہا ”میں“۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ ”آج تم میں سے کون جنازہ کے ساتھ گیا؟“ ابوبکرؓ نے کہا ”میں“۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے آج کس نے مسکین کو کھانا کھلایا؟“ ابوبکرؓ نے کہا ”میں نے“۔ پھر آپ نے کہا ”آج کس نے بیمار کی عیادت کی؟“ ابوبکرؓ نے کہا ”میں نے“۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس میں یہ سب باتیں جمع ہوں وہ جنت میں جائے گا۔ (مسلم: کتاب الفضائل)

(۱۵۴) یہاں ان متقی لوگوں کے دو اہم اوصاف بیان کیے گئے ہیں‘ یعنی انفاق اور عفو و درگزر۔ اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرنے کے لیے وہ خوشحالی وتنگ دستی دونوں ہی صورتوں میں محنت سے کمایا ہوا حلال وطیب مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ اس معاملے میں ایک دوسرے سے سبقت کا جذبہ بھی رکھتے تھے‘ چنانچہ ترمذی کی ایک روایت میں عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا‘ میں نے خیال کیا کہ آج میرے پاس مال ہے میں ابوبکرؓ سے بڑھ جاؤں گا۔ چنانچہ میں نے اپنا نصف مال لا کر پیش کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا‘ میں نے کہا اتنا ہی چھوڑ آیا ہوں۔ پھر ابوبکرؓ آئے اور اُن کے پاس جو کچھ مال تھا سب لا کر پیش کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ اے ابوبکر! گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا، تو انہوں نے عرض کیا کہ اللہ اور رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ اس وقت میں نے کہا کہ میں ابوبکر سے کسی بات میں آگے نہ بڑھ سکوں گا۔ (ترمذی: ابواب المناقب) ان متقی لوگوں کی دوسری

صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ لوگوں سے عفو و درگزر سے پیش آتے ہیں۔ کوئی اُن سے زیادتی کرے تو بدلہ لینے کے حقدار ہوتے ہوئے بھی اس کو معاف کردیتے ہیں' یہ احسان کی روش ہے اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اس کی بہترین مثال ابوبکرؓ کا طرزِ عمل ہے جو بخاری کی روایت میں بیان ہوا ہے اور جس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ مسطح بن اثاثہؓ جو ابوبکرؓ کی زیر کفالت تھے' واقعۂ اِفک میں تہمت لگانے والوں میں شامل ہو گئے۔ سورۂ نور کی آیاتِ برأت کے نزول کے بعد ابوبکرؓ نے شدید غم وغصے میں انکا نان ونفقہ بند کرنے کا ارادہ کیا' لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم پر فوراً ہی اپنا ارادہ بدل دیا اور مسطحؓ کا وظیفہ جاری رکھا (ملاحظہ ہو سورۃ النور آیت ۲۲ نیز بخاری: کتاب التفسیر، سورۂ نور)۔

(۱۵۵) اس آیت میں اُن کی تیسری اہم صفت کا ذکر ہے۔ یہ اللہ سے ڈرتے ہوئے پرہیزگارانہ زندگی گزارتے ہیں' لیکن بشری تقاضے کے تحت نادانستہ طور سے ان سے کبھی کوئی غلطی ہو جاتی ہے، یا کوئی فحش کام سرزد ہو جاتا ہے اور اپنی جانوں پر کوئی ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کر کے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتے ہیں اور توبہ واستغفار کر لیتے ہیں۔ اپنے وقار یا عزتِ نفس کے احساس کو آڑے نہیں آنے دیتے کہ تکبر کے ساتھ غلطی کا دفاع کرنے لگ جائیں اور ہٹ دھرمی کی روش اپنالیں۔ یہ اپنے رب سے ڈرتے ہوئے اپنے معاملے کو فوراً ہی دُرست کر لیتے ہیں' اگر کسی کے ساتھ کوئی زیادتی ہو گئی ہو تو اُس سے معذرت کر کے تلافی کر لیتے ہیں' ورنہ بہرصورت توبہ کر کے اللہ تعالیٰ سے معافی کے خواستگار ہوتے ہیں۔ اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ نہ معلوم مہلتِ عمل کس لمحہ ختم ہو جائے اور توبہ کا موقعہ ہی نہ ملے! ایسے ہی متقی و پرہیز گار لوگوں کے لیے رب کی مغفرت اور جنت کی نعمتوں کا وعدہ ہے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝ هَٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ۝ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ۝ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ۝ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝

تم سے پہلے بھی (ایسے) واقعات گزر چکے ہیں، زمین پر چلو پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا(۱۵۶) ﴿۱۳۷﴾ یہ (عام) لوگوں کے لیے بیان ہے اور پرہیزگار لوگوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے(۱۵۷) ﴿۱۳۸﴾ تم نہ سست ہونا اور نہ غمگین' اور (بالآخر) تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن رہے(۱۵۸) ﴿۱۳۹﴾ اگر تمہیں زخم لگا ہے تو اس قوم (کفار) کو بھی ایسا ہی زخم لگ چکا ہے(۱۵۹) اور یہ تو ایام ہیں جن کو ہم لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں تاکہ اللہ (مخلص) ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے شہیدوں کو نکال لے(۱۶۰) اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ﴿۱۴۰﴾ اور (نیز) اس لیے کہ اللہ ایمان والوں کو خالص کر لے اور کافروں کو مٹا دے(۱۶۱) ﴿۱۴۱﴾ کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ (یونہی) جنت میں داخل ہو جاؤ گے(۱۶۲) حالانکہ ابھی اللہ نے یہ معلوم نہیں کیا کہ تم میں جہاد کرنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں ﴿۱۴۲﴾ تم موت سے دوچار ہونے سے قبل تو اس (شہادت) کی تمنا کیا کرتے تھے (اب) تو تم نے اس کو اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے ہی دیکھ لیا(۱۶۳) ﴿۱۴۳﴾

(۱۵۶) ایمان والوں کو تسلی دی گئی ہے کہ غزوۂ اُحد کی ہزیمت سے اُن میں کسی قسم کی تنگ دلی یا پست ہمتی نہ پیدا ہو' اس راہ میں چوٹیں تو لگتی ہی ہیں لیکن بالآخر حق کو جھٹلانے والے ہی مغلوب اور رُسوا ہو کر رہتے ہیں۔ تاریخ انسانی اس بات کی شہادت دیتی ہے' اور زمین پر موجود آثار اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو ماننے اور جھٹلانے والوں میں کشمکش اور معرکہ آرائی تو ہوئی لیکن بالآخر جھٹلانے والے نیست و نابود کر دیے گئے۔

(۱۵۷) قرآن کی آیات میں فکرِ آخرت رکھنے والے اور غور وفکر کرنیوالے متقی لوگوں کے لیے عبرت و نصیحت کا سامان ہے، جبکہ آخرت سے بے پرواہ لوگ تو بس سرسری طور سے نگاہ ڈال کر ہی گزر جاتے ہیں' اُن کے دلوں میں نہ ان کی اہمیت کا احساس ہے اور نہ ہی کوئی قدر و قیمت۔ دین کا صحیح ذوق رکھنے والے آیات کے معنی و مطالب پر غور کرتے ہیں' قرآن کی ہر آیت اُن کی تذکیر و تزکیہ اور فکر و عمل کی اصلاح کا ذریعہ ہوتی ہے' وہ اس کی قدر کرتے ہیں جیسا کہ حق ہے اور اس سے ہدایت حاصل کرتے ہیں۔ پھر اُن کے اندر تبدیلی آتی ہے اور وہ راہِ حق میں آگے بڑھتے ہیں۔

(۱۵۸) غزوۂ احد کی ہزیمت کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے ایمان والوں کو پُرزور الفاظ میں تسلی دی گئی ہے۔ اُن کو بتایا گیا کہ دیکھنا' کسی قسم کی بددلی' پست ہمتی اور غمگینی کے احساس کو قریب نہ آنے دینا' اگر تم باطل کے مقابلے میں ایمان اور صبر و استقامت کے ساتھ ثابت قدم رہے تو بہرحال غلبہ اور کامیابی تمہارا ہی مقدر ہو گی۔ یہ ایک اہم اور اصولی بات کہی گئی ہے جس کی کچھ وضاحت ضروری ہے۔ ایمان خالص کی دعوت کے خلاف مخالفت و مزاحمت رفتہ رفتہ شدت اختیار کرتی ہے اور ایمان والوں کو شدید آزمائش سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ پھر جب یہ قتال کے مرحلے تک پہنچ جائے تو اللہ کی

نصرت آتی ہے‘ حق کا ساتھ دینے والے غالب ہوتے ہیں اور باطل سرنگوں ہوتا ہے لیکن یہ بات ایمان اور صبر واستقامت کے ساتھ مشروط ہے۔ اس کا لازمی تقاضہ ہے کہ ایمان والوں کا صرف اور صرف اللہ کی مدد پر توکل ہو نہ کہ تعداد و وسائل پر اور اس معاملے میں خیرِ اُمت کے منصب پر فائز جماعت کی معمولی لغزش بھی برداشت نہیں کی جاتی‘ غزوۂ اُحد اور حنین کے واقعات اس کا بیّن ثبوت ہیں۔ سورۂ نور میں صالح مومنوں سے جو وعدۂ استخلاف کیا گیا ہے وہ بھی شرک سے پاک اللہ کی خالص بندگی کے ساتھ ہی مشروط ہے۔ اس سے ایک یہ پہلو بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اگر ایمان کا اقرار کرنے والے دنیا کی طرف مائل ہو جائیں اور اُخروی کامیابی کے مقصد ہی کو پس پشت ڈال دیں؛ ان کے اکابرین دنیاوی مفادات کے پیچھے ہی دوڑنے لگیں، اور ان کا ایمان شرک آلود ہو جائے تو گویا وہ زبانی اقرار اور اللہ سے کیے ہوئے معاہدے میں سچے ثابت نہ ہوئے، پھر یہ اُس وعدہ استخلاف کے ہرگز مستحق نہ رہیں گے، اللہ کے فضل وکرم اور انعام کے بجائے اُس کے قہر وغضب اور عذاب ہی کے مستحق ٹھہریں گے، اور نتیجہ یہ ہوگا کہ وہی قومیں جن پر یہ پہلے غالب تھے، اب وہ ان پر غالب ہوں گی اور ذلت ورسوائی ان کا مقدر ہوگی۔ افسوس کہ آج یہ کلمہ گو اُمت اسی صورتحال سے دوچار ہے۔ ایمان کے مطلوبہ معیار پر پورے اترنے والوں سے کیا ہوا وعدہ تو بہر حال پورا ہوا تھا‘ اور وہ جب تک اس معیار پر رہے اُن کو اُس منصب پر فائز بھی رکھا گیا‘ لیکن جب اس معیار سے گرے ہیں تو اُس منصب سے بھی محروم کر دیے گئے اور پھر بتدریج ذلت و رسوائی ان کا مقدر بنی جو آج اپنی انتہا کو پہنچ رہی ہے‘ اللہ پناہ میں رکھے۔

(۱۵۹) یہاں ایک دوسرے انداز سے ایمان والوں کو تقویت پہنچائی گئی ہے۔ اُن کو بتایا گیا ہے کہ جس طرح تم نے اُحد میں چوٹیں کھائیں اور نقصان اُٹھایا تمہارے دشمنوں نے تو بدر میں اس سے زیادہ شدید چوٹ کھائی تھی‘ اُن کی تو کمر ہی توڑ دی گئی‘ ان کے ستر مارے گئے اور اتنے ہی پسپائی میں قید کیے گئے‘ جبکہ اُحد میں تمہارے بھی ستر شہید ہوگئے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے تمہارے قدم جما دیے اور دشمن میدان چھوڑ گیا اور تمہارا کوئی فرد قید نہ ہوا۔ کفار تو بدر میں ایسا کاری زخم کھانے کے باوجود عزم وہمت کے ساتھ میدانِ قتال میں آگئے درآں حالیکہ اُن کے پاس محض حق کی مخالفت اور باطل کا ساتھ دینے کے علاوہ نہ تو کوئی مقصد ہے اور نہ ہی ان کے اتحاد کو برقرار رکھنے کے لیے کوئی نظریاتی بنیاد اور نہ اُن کا حوصلہ بڑھانے کے لیے اللہ کی نصرت کی اُمید؛ تمہارا معاملہ تو اس کے بالکل ہی برعکس ہے لہٰذا تمہیں قطعاً ہمت نہ ہارنی چاہیے۔

(۱۶۰) ایمان والوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ حالات ہمیشہ ایک جیسے تو رہتے نہیں‘ ادلتے بدلتے رہتے ہیں، خوشی وغم، فتح وشکست، آسانی ودشواری، سب ایک نظام کا حصہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عظیم اور وسیع حکمت ومشیت کے تحت چل رہا ہے۔ اس وقت تمہاری کوتاہی کے سبب تمہیں ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا ہے لیکن اس میں بھی حکمت ہے، اللہ تعالیٰ آزمائشوں کے ذریعے مخلص مومنوں کو منافقوں سے ممیز کر دیتا ہے، آزمائشوں سے منافق چھٹ کر سامنے آجاتے ہیں اور مومنوں کے ایمان میں پختگی آتی ہے اور وہ آئندہ کے لیے مزید ثابت قدم ہو جاتے ہیں، جبکہ جنگ میں جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والے راہِ حق کے شہید اللہ کا انعام پانے والوں میں شامل ہو کر جنت کی دائمی نعمتیں پا لیتے ہیں۔

(۱۶۱) ان حالات سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ دشمنوں کو کچھ کامیابی ہوئی ہے تو وہ اللہ کے پسندیدہ لوگ ہیں‘ ہرگز نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ایسے حالات میں دشمنوں کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں اور وہ پھر بڑی طاقت لے کر نئے عزم اور جوش کے ساتھ ایمان والوں کو ختم کر دینے کے لیے حملہ آور ہوتے ہیں۔ لیکن مخلص ایمان والے اب پوری قوتِ ایمانی‘ اللہ پر توکل اور اتحاد کے ساتھ مقابلے کے لیے آتے ہیں۔ ان کو یقین ہوتا ہے کہ اللہ کی نصرت سے فتح وکامرانی اُن کے قدم چومے گی اور شہید ہوئے تو جنت کی لازوال نعمتیں حاصل کرنے والوں میں شامل ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے، وہ اپنے مخلص بندوں کو چھانٹ کر باطل کی پوری اجتماعیت پر بھرپور چوٹ لگاتا ہے اور اُن کی طاقت کو پاش پاش کر دیتا ہے۔

(۱۶۲) اس مضمون کی آیات قرآن میں متعدد مقامات پر آئی ہیں (ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ: ۲۱۴‘ آل عمران: ۱۷۹‘ العنکبوت: ۲‘۳) یہاں مومنوں کو پُرزور انداز میں یہ بات ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ اُنہیں جس اہم منصب کے لیے تیار کیا جا رہا ہے اُس کے لیے یہ ضروری ہے کہ اُنہیں صبر آزما مراحل سے گزارا جائے تاکہ آزمائش کی بھٹی سے گزر کر کھرے اور کھوٹے مجاہد اور بزدل، منافق مُمیّز ہو کر سامنے آجائیں۔ مکی دور میں شدید اور جاں گسل کشمکش سے گزرنا پڑا‘ کفار کے ہاتھوں شدید ایذاؤں اور جور وستم کو بغیر مزاحمت یا انتقامی کارروائی برداشت کرنے پر زور دیا گیا تھا۔ وہ مرحلہ بھی بلاشبہ انتہائی دشوار گزار اور صبر آزما تھا لیکن اب میدان میں اُترنا تھا‘ قلت تعداد ووسائل کے باوجود ثابت قدمی سے باطل قوت کا مردانہ وار مقابلہ کرنا تھا۔ ان پر یہ واضح کیا گیا ہے کہ ایسے نامساعد اور سخت حالات میں ثابت قدم رہ کر راہِ حق میں بے دریغ جان ومال کا نذرانہ پیش کر دینے میں خوشی اور اطمینان محسوس کرنا ہی جنت کی قیمت ہے، محض زبانی دعوؤں پر اپنے آپ کو جنت کی ابدی نعمتوں کا حقدار سمجھ لینا نادانی ہے!

(۱۶۳) ایمان والوں کو یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ پہلے تو تم شہادت کی تمنا کرتے تھے، اب جبکہ اس سے آنکھیں چار کرنے کا موقعہ ملا تو کمزوری اور پست ہمتی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے پورے عزم کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنا تھا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ غزوۂ بدر میں کچھ صحابہ کرام ؓ کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے تھے، وہ جب نبی ﷺ کی زبانی شہدائے بدر کے فضائل ومراتب کا ذکر سنتے تو اُن کے دلوں میں شوقِ جہاد بڑھ جاتا تھا اور وہ یہ خواہش کرتے کہ اب

غزوہ ہو تو وہ بھی شہادت کی فضیلت حاصل کریں۔ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے، کہا جا رہا ہے کہ غزوۂ اُحد سے پہلے تو تم شوقِ شہادت میں کفار سے مقابلے کی آرزو کرتے تھے، اب جب کہ اللہ نے تمہیں موقعہ دیا تو پھر اُس عزیمت اور ہمت کا مظاہرہ کیوں نہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دشمن سے مقابلے کی آرزو مت کرو، اور اگر مقابلہ ہو ہی جائے تو صبر کرو (ثابت قدم رہو)۔
(بخاری: کتاب الجهاد و السیر، باب لاتمنوا لقاء العدو)

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿١٤٤﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُؤَجَّلًا ۗ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ ﴿١٤٥﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ﴿١٤٦﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿١٤٧﴾ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٤٨﴾

اور محمد تو صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بھی تو رسول گزرے ہیں[۱۶۴] اگر یہ وفات پائیں یا قتل کر دیے جائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے[۱۶۵] اور جو کوئی اُلٹے پاؤں پھر جائے تو وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑے گا، اور اللہ شکر کرنے والوں کو بدلہ دے گا ﴿۱۴۴﴾ اور کسی کو بھی موت نہیں آتی مگر اللہ کے حکم سے، لکھے ہوئے مقررہ وقت پر[۱۶۶] اور جو دنیا ہی میں بدلہ چاہتا ہے تو اُسے ہم اسی (دنیا) میں دیدیتے ہیں، اور جو آخرت میں بدلہ چاہتا ہے تو اُسے ہم آخرت میں دیں گے، اور شکر گزاروں کو (خوب) جزا دیں گے[۱۶۷] ﴿۱۴۵﴾ اور کتنے ہی نبی ہوئے ہیں جن کے ساتھ مل کر اللہ والوں نے قتال کیا ہے۔ اللہ کی راہ میں انہیں جو بھی آلام و مصائب درپیش ہوئے اس پر انہوں نے نہ کوئی پست ہمتی دکھائی اور نہ کمزوری، سستی و تکان،[۱۶۸] اور اللہ صبر کرنے والوں ہی سے محبت کرتا ہے ﴿۱۴۶﴾ اور وہ تو یہی دعا کرتے رہے کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ معاف کردے، اور ہم سے ہمارے کاموں میں جو زیادتی ہوگئی ہے اُسے معاف کردے، اور ہمارے قدم جمائے رکھ، اور کفار کے مقابلے میں ہماری مدد فرما[۱۶۹] ﴿۱۴۷﴾ اللہ نے اُنہیں دنیا کا ثواب (بھی) دیا اور آخرت کا اچھا ثواب بھی عطا فرمایا۔ اور اللہ (ایسے ہی) حسنِ عمل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے[۱۷۰] ﴿۱۴۸﴾

(۱۶۴) محمد ﷺ صرف ایک رسول ہی ہیں، اور یہی اُن کا امتیازی وصف ہے، وہ نہ تو اُلوہی صفات سے متصف ہیں اور نہ بشری تقاضوں سے بالاتر۔ وہ حی لایموت بھی نہیں، یہ اللہ کی صفت ہے۔ ان سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام آئے اور نبوت کی ذمہ داری پوری کر کے وفات پاگئے، اسی طرح محمد ﷺ کے لیے بھی موت مقدر ہے۔ سورۂ زمر میں بھی اس بات کو زور دے کر بیان کیا گیا کہ "اے محمد ﷺ بلاشبہ تم کو بھی موت آئے گی اور ان لوگوں کو بھی موت آئے گی" (آیت: ۳۰)۔

(۱۶۵) جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا غزوۂ اُحد میں عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی عدم اطاعت اور حکم عدولی کے سبب کفار کو، جو شکست کھا کر بھاگنے لگے تھے، پلٹ آنے کا موقعہ مل گیا اور انہوں نے بے خبری میں ایمان والوں پر یکایک حملہ کر دیا، چنانچہ فتح شکست میں بدل گئی۔ اس ناگہانی شکست سے مومنوں کی صفوں میں انتشار پیدا ہو گیا اور وہ تتر بتر ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے اردگرد صرف بارہ افراد رہ گئے (بخاری: کتاب الجهاد والسیر) اس افراتفری میں نبی ﷺ بھی زخمی ہو گئے، سر میں چوٹ آئی اور آگے کا دانت ٹوٹ گیا، یہ افواہ بھی پھیل گئی کہ آپ ﷺ شہید ہو گئے۔ جس سے مومنوں کی پریشانی میں اور اضافہ ہو گیا اور وہ دل شکستہ ہو کر کہنے لگے کہ اب جنگ کا کیا فائدہ! بہرحال نبی ﷺ نے جلد ہی لوگوں کو مجتمع کر کے صورتحال کو بحال کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ کفار جنگ میں برتری حاصل کر لینے کے باوجود میدانِ جنگ چھوڑ کر چلے گئے اور یہ رعب کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی نصرت تھی۔ اِن آیات میں اسی صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے مومنوں کو تنبیہی انداز میں آگاہ کیا گیا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اُن سے پہلے بھی رسول گزرے ہیں، اُن کو موت بھی آئی اور بعض کو قتل بھی کیا گیا۔ اگر رسول اللہ ﷺ کو موت آجائے یا اُن کو شہید کر دیا جائے تو یہ کوئی انہونی بات تو نہ ہوگی۔ اُن سے تمہاری محبت و عقیدت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ جس طرح انہوں نے دینِ حق کے لیے اپنی زندگی وقف کردی، اور دن و رات کی ان تھک کوشش اور سعی و جہد کے ذریعے اس عظیم مشن کو کامیابی کے اس مرحلے تک پہنچا دیا، تو اب تم اللہ پر توکل کرتے ہوئے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی بھرپور کوشش کرو۔ تمہارے لیے یہ تو ہرگز زیبا نہیں کہ محض افواہوں کے اوپر جذبۂ محبت سے مغلوب ہو کر ایسے مایوس ہو جاؤ کہ اللہ کی نُصرت و رحمت ہی سے نااُمید ہو کر ہاتھ پیر چھوڑ بیٹھو، یا کفار و منافقین کے اُکسانے پر دین ہی سے پھر جاؤ! یاد رکھو! کہ اگر نعمتِ ایمانی کو ٹھکرا کر کوئی اُلٹے پاؤں پھرے گا تو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اور اپنی آخرت برباد کرے گا، اس سے اللہ کے دین کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص اور ثابت قدم بندوں سے کام لیتا رہے گا، اور اللہ نعمتِ ایمانی کے سچے قدردانوں اور

شکر گزار بندوں کو اُن کے اعمال کا بھرپور بدلہ دے گا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس انتشار اور افراتفری کے عالم میں بھی بعض مخلص صحابہ کرام ؓ انتہائی ثابت قدمی سے جنگ کرتے رہے، سعد بن ابی وقاص، ابوطلحہ اور انس بن نضر ؓ کا ذکر پہلے (حاشیہ ۱۵۲ میں) کیا گیا تھا۔ بخاری میں انس بن نضر ؓ کے بارے میں تفصیلی روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اور کہا کرتے تھے کہ "اگر اللہ نے جنگ کا موقعہ دیا تو اللہ دیکھے گا کہ میں کیا کرتا ہوں"۔ چنانچہ اس انتشار کی صورتحال میں انہوں نے مسلمانوں کے طرزِ عمل پر اللہ تعالیٰ سے معذرت کی اور مشرکوں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے آگے بڑھے، راستے میں سعد بن معاذ ؓ ملے تو اُن سے کہا "اے سعد! تم کہاں جا رہے ہو؟ مجھے تو اُحد کے سامنے سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے"۔ پھر کفار پر حملہ کیا اور شہید ہو گئے۔ اُن کے جسم پر اسّی سے کچھ اوپر زخم تھے (بخاری۔ کتاب المغازی و کتاب الجهاد والسير)

یہاں بخاری کی ایک اور روایت کا ذکر بھی مناسب ہوگا۔ اس آیت کے نزول کے تقریباً سات سال بعد نبی ﷺ کی وفات کے موقعہ پر ابوبکر ؓ اپنے گھر سے جو مقام سُنح میں تھا مدینے آئے اور اُم المومنین عائشہ ؓ کے حجرے میں جا کر نبی ﷺ کے چہرے سے چادر ہٹا کر بوسہ دیا اور کہا کہ "میرے ماں باپ آپ پر قربان! اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتیں نہ دے گا، ایک ہی موت مقدر تھی جو واقع ہو چکی"۔ پھر ابوبکر ؓ باہر آئے تو دیکھا کہ عمر ؓ لوگوں سے کھڑے گفتگو کر رہے تھے۔ ابوبکر ؓ نے اُن سے بیٹھ جانے کو کہا مگر وہ نہ مانے، ابوبکر ؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ "تم میں سے جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو وہ جان لے کہ محمد ﷺ تو فوت ہو گئے، اور تم میں سے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے، اس کو موت نہیں آئے گی۔ پھر آپ نے سورۂ ال عمران کی یہی آیت تلاوت کی: "وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ...... الشّٰكِرِيْنَ" راوی عبداللہ بن عباس ؓ کا بیان ہے کہ اللہ کی قسم اس وقت لوگوں کی ایسی حالت تھی کہ جب تک ابوبکر ؓ نے اُسے تلاوت کیا اُن کو گویا یہ معلوم ہی نہ تھا کہ اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ہوئی ہے، پھر صحابۂ کرام ؓ میں سے جس نے بھی اس آیت کو سنا وہ اس کی تلاوت کرنے لگا، خود عمر ؓ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں نے ابوبکر ؓ کے تلاوت کرنے سے پہلے یہ آیت سنی ہی نہ تھی اور جب سنی تو پیروں پر کھڑا نہ رہ سکا اور گر گیا۔ (بخاری: کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته)

(۱۶۶) مومنوں کے عزم و حوصلے کو بحال کرنے کے لیے نصیحت کی گئی ہے اور احساس دلایا گیا ہے کہ موت کا وقت مقرر ہے اور وہ اللہ کے حکم سے مقررہ وقت پر ہی آتی ہے اور اس میں ایک لمحے کا بھی فرق ممکن نہیں، نیز موت کا آنا میدانِ قتال پر ہی موقوف نہیں کہ اُس سے فرار اختیار کر لیا جائے، پھر آخر کمزوری اور پست ہمتی کیوں دکھائی جائے۔ دراصل دنیا کی محبت اور موت کا خوف انسان میں بزدلی پیدا کرتے ہیں اور یہ ایمان کی کمزوری کی علامت ہے جو آخرت پر یقین رکھنے والے مجاہد کے ہرگز شایانِ شان نہیں، ایسے کمزور ایمان والے ثابت قدمی کے ساتھ جم کر باطل کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ایمان والوں کو ایسی کمزوری سے پوری طرح پاک کر دینے کے لیے بڑے ہی مؤثر انداز میں تلقین کی گئی ہے۔ یہ واضح کیا گیا کہ اگر کوئی موت کے خوف سے میدانِ جنگ سے فرار اختیار کر بھی لے تو موت سے تو نہ بچ سکے گا، وہ تو گھر میں بھی اپنے وقت پر اس کو آ لے گی اور کوئی بھی تدبیر اس کو نہ بچا سکے گی۔ ہجرت کے بعد قتال کا حکم آنے پر منافق کچھ بے چینی کا اظہار کر رہے تھے، اُن کو بتایا گیا کہ "موت تو تمہیں آ پکڑے گی خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہی کیوں نہ ہو...... الآیۃ (النساء:۷۸) رسول اللہ ﷺ اور کتنے ہی صحابۂ کرام ؓ نے بہت سے غزوات میں شرکت کی اور وہ صحیح سلامت واپس آ گئے۔ خالد بن ولید ؓ کی ساری زندگی جنگ کرتے ہوئے گزری اور جسم کے ہر حصے پر تلوار، تیر و نیزے کا نشان تھا لیکن موت گھر میں بسترِ مرگ پر ہی آئی۔

(۱۶۷) اعمال کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے؛ جو صرف دنیا کے طلبگار ہوتے ہیں اور اُن کی کوشش بھی اسی حد تک ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا ہی میں اُس کا بدلہ و ثمرہ عطا کر دیتا ہے، لیکن آخرت چاہنے والے اللہ کی رضا کے لیے راہِ حق میں سعی و جہد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کو دنیا و آخرت دونوں ہی عطا فرماتا ہے۔ سورۂ شوریٰ میں فرمایا "جو آخرت کی کھیتی چاہتا ہے تو ہم اُس کی کھیتی میں خوب اضافہ کر دیا کرتے ہیں، اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے، اس کو ہم اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصّہ نہیں ہوتا" (الشوریٰ:۲۰) اس میں نصیحت ہے ایسے لوگوں کے لیے جو اُحد میں مالِ غنیمت کے پیچھے دوڑ گئے اور محاذِ جنگ کو چھوڑ دیا جس کی وجہ سے جنگ کا نقشہ بدل گیا انتشار اور پسپائی کی کیفیت طاری ہو گئی اور لشکرِ اسلام کو سخت ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا۔ اسکے برعکس جن لوگوں کا مطمعِ نظر آخرت کا حصول تھا، وہ ان حالات میں بھی پورے جوش و خروش سے جنگ کرتے رہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ اُن میں سے کچھ نے جامِ شہادت نوش کیا اور جنت کی دائمی نعمتوں سے نواز دیے گئے اور دوسرے ثابت قدم رہ کر فتح سے ہمکنار کر دیے گئے۔

(۱۶۸) یہاں پچھلے انبیاء علیہم السلام کے جاں نثار حواریوں، مخلص مومنوں کی جرأت مندانہ ثابت قدمی کی مثال پیش کر کے منافقانہ اندازِ فکر رکھنے والوں اور ان سے متاثر ہونے والوں کا نفسیاتی علاج کیا گیا ہے جو اُحد میں ہزیمت سے دل برداشتہ ہو کر دوسرے لوگوں میں بھی بزدلی پھیلانے اور اُن کو دینِ اسلام سے برگشتہ کرنے لگے تھے۔ اُن کو بڑے ہی فصیح انداز میں سمجھایا گیا کہ ذرا غور کرو اس سے پہلے ادوار میں بھی ایمان لانے والے اپنے نبی علیہ السلام کے ساتھ مل کر باطل سے برسرِ پیکار ہوئے، اور شدید سے شدید حالات میں ہر قسم کے مصائب و آلام انگیز کرتے ہوئے اللہ کے اُن مخلص بندوں نے نہ ہمت ہاری، نہ کمزوری دکھائی اور نہ بزدلی کا مظاہرہ کیا، بلکہ صبر و استقامت کے ساتھ راہِ حق میں جمے رہے۔ اللہ کے پسندیدہ اور محبوب بندے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ آگے اُن کے کچھ اوصاف کا ذکر ہے۔

(۱۶۹) وہ میدانِ جنگ میں بھی اپنے رب سے تعلق جوڑے رہے، اُس کی پکڑ اور مواخذے کے خوف سے اپنے گناہوں اور ہر قسم کی کوتاہیوں اور معاملات میں زیادتیوں اور بے اعتدالیوں کی معافی مانگتے رہے، پھر اپنے رب سے ہی استعانت و استمداد طلب کرتے رہے۔ اللہ ربّ العزت کی غائبانہ تائید و نُصرت پر اُن کو پورا یقین تھا اور اِس پر بھی پورا ایمان کہ فتح و شکست صرف اُسی کی مرضی و منشاء پر منحصر ہے، لہٰذا میدانِ قتال میں سخت سے سخت حالات میں اُسی سے ثابت قدمی کے لیے بھی دعا کرتے رہے اور فتح و نُصرت کے لیے بھی۔ سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات جو معراج کا قیمتی تحفہ ہیں، اُن میں اُمت کے صالح و مخلص مومنوں کو یہی سکھایا گیا ہے کہ وہ اپنے ربّ سے گناہوں کی معافی طلب کر کے اُس سے کفّار کے مقابلے میں نُصرت کی دعا کریں۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ سے ہی مدد کی درخواست کی (الانفال:۹) نیز طالوت کے لشکر میں مخلص مومنوں نے اسی انداز میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی (البقرۃ:۲۵۰)۔

(۱۷۰) اوپر حاشیہ (۱۶۷) میں بتایا گیا کہ آخرت سے بے پرواہ متاعِ دنیا کے طلبگاروں کو دنیا تو مل جاتی ہے لیکن آخرت میں اُن کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، جبکہ آخرت کی کامیابی چاہنے والوں کو اللہ تعالیٰ متاعِ دنیا بھی دیتا ہے اور آخرت کا اجر خوب بڑھا چڑھا کر عطا کرتا ہے، یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جاں نثار مجاہدین کو جن کا اوپر ذکر کیا گیا، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں فتح و کامرانی عطا فرمائی اور اُخروی فلاح سے بھی خوب نوازا۔ ایسے حُسنِ عمل کرنے والے اور احسان کی روش اختیار کرنے والے ہی اللہ کے محبوب اور پسندیدہ بندے ہوتے ہیں جو اللہ کے لیے جینے اور اللہ ہی کے لیے مرنے کا ثبوت پیش کر دکھائیں۔ اِن کو دنیا میں بھی عزت و وقار ملتا ہے اور آخرت کی دائمی نعمتوں سے بھی نوازا جاتا ہے جو دنیاوی جاہ و مال سے ہزاروں درجے بہتر و افضل ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن تُطِيعُواْ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰٓ أَعْقَٰبِكُمْ فَتَنقَلِبُواْ خَٰسِرِينَ ۝ بَلِ ٱللَّهُ مَوْلَىٰكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ ٱلنَّٰصِرِينَ ۝ سَنُلْقِى فِى قُلُوبِ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ ٱلرُّعْبَ بِمَآ أَشْرَكُواْ بِٱللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطَٰنًا ۖ وَمَأْوَىٰهُمُ ٱلنَّارُ ۚ وَبِئْسَ مَثْوَى ٱلظَّٰلِمِينَ ۝ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ ٱللَّهُ وَعْدَهُۥٓ إِذْ تَحُسُّونَهُم بِإِذْنِهِۦ ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَٰزَعْتُمْ فِى ٱلْأَمْرِ وَعَصَيْتُم مِّنۢ بَعْدِ مَآ أَرَىٰكُم مَّا تُحِبُّونَ ۚ مِنكُم مَّن يُرِيدُ ٱلدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ ٱلْءَاخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۖ وَلَقَدْ عَفَا عَنكُمْ ۗ وَٱللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ ۝

اے ایمان والو! اگر تم کافروں کا کہا مانو گے تو وہ تمہیں اُلٹے پیروں پھیر دیں گے (۱۷۱)، پھر تم خسارے میں پڑ جاؤ گے ﴿۱۴۹﴾ (تمہارے یہ نہیں) بلکہ اللہ ہی تمہارا کارساز ہے اور وہ بہترین مددگار ہے (۱۷۲) ﴿۱۵۰﴾ ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رُعب ڈال دیں گے (۱۷۳) اس لیے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اُن کو شریک کیا ہے جن کے لیے اللہ نے کوئی دلیل نہیں نازل کی؛ اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ ظالموں کا بُرا ہی ٹھکانہ ہے ﴿۱۵۱﴾ اور بلاشبہ اللہ نے اپنا وعدہ تمہیں سچا کر دکھایا (۱۷۴) جب تم اُس کے حکم سے (اُحد میں) اُن کو کاٹ رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم نے کمزوری و بزدلی دکھائی، اور (نبی کے) حکم میں تم نے تنازعہ کیا اور حکم عدولی کی اِس کے بعد کہ تمہیں وہ دکھایا گیا جو تم چاہتے تھے۔ تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض آخرت چاہتے تھے (۱۷۵) پھر (اللہ نے) تمہیں اُن (کافروں) سے پھیر دیا تاکہ تمہیں آزمائے (۱۷۶) اور بے شک اس نے تمہیں معاف (بھی) کر دیا اور اللہ مومنوں پر بڑے فضل والا ہے (۱۷۷) ﴿۱۵۲﴾

(۱۷۱) پہلے بھی یہ مضمون آچکا ہے کہ ایمان والوں کو اہلِ کتاب کی بات ماننے سے منع کیا گیا تھا (حاشیہ ۱۱۶) یہاں یہ بات ایک دوسرے حوالے سے کہی گئی ہے کہ غزوۂ اُحد میں مومنوں کو جو ہزیمت ہوئی، بڑی تعداد میں شہید اور زخمی ہوئے، فتح شکست میں تبدیل ہو گئی، اس صورتحال سے مومنوں کو سخت دھچکا لگا تھا؛ لیکن کفّار یہود اور منافقین بہت خوش تھے اور اس صورتحال سے فائدہ اُٹھا رہے تھے، ایمان والوں کو طعن و تشنیع کرتے اور ورغلاتے تھے کہ اگر یہ دین سچا ہوتا تو یہ لوگ اس طرح شکست سے دوچار نہ ہوتے، ابھی موقعہ ہے واپس آبائی دین پر آجاؤ اور کفّار سے صلح کر لو، ورنہ اگر وہ دوبارہ حملہ کریں گے تو پھر شکست کھاؤ گے۔ مومنوں کو آگاہ کیا گیا کہ وہ ایسے شیطانی حربوں سے بچیں اور ان کی باتوں میں نہ آئیں ورنہ اس بات کا خطرہ ہے کہ ان سے متاثر ہو کر وہ دینِ حق سے پھر جائیں اور پھر اُسی خسارے کے گڑھے میں جا گریں جس سے اللہ نے انہیں نعمتِ ایمانی کے ذریعے بچایا ہے!

(۱۷۲) مومنوں پر واضح کیا گیا کہ کفّار و منافقین تمہارے خیر خواہ نہیں بلکہ شدید ترین دشمن ہیں؛ تمہارا مددگار اور کارساز تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہ بلاشبہ بہترین مددگار ہے، اور مومنوں کو تو ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہو کر اُسی پر توکل کرنا چاہیے، تمام حالات و معاملات کا پورا اختیار اُسی کو ہے، وہ قادرِ مطلق ہے، جب چاہے حالات کا رخ پھیر دے، سب کچھ اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

(۱۷۳) مومنوں کی ہمت بندھائی جا رہی ہے کہ وہ غزوۂ اُحد کی وقتی شکست سے دل برداشتہ نہ ہوں، اُن کو اس طرح آزمائش میں مبتلا کیا گیا ہے تاکہ اُن کی تربیت اور اصلاح ہو، ایمان میں مزید پختگی ہو اور وہ آئندہ زیادہ عزم و اعتماد کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔ ایمان والوں کو تو اللہ کی مدد پر پورا یقین ہونا چاہیے۔ اگر وہ صبر و توکل کے ساتھ پوری طرح جم کر مقابلہ کرینگے تو اللہ تعالیٰ کی تائید و نُصرت اُن کے ساتھ ہو گی؛ وہ دشمنوں کے دلوں میں رُعب ڈال کر اُن

کانُنہ پھیر دے گا اور ان کی کثیر تعداد اور وافر سامانِ حرب اُن کے کچھ بھی کام نہ آئے گا، کیونکہ انہوں نے کفر و شرک کی روش اختیار کر کے اپنے آپ کو اللہ کی رحمت و مغفرت سے محروم کر لیا ہے، تو اب اُن کے لیے دنیا میں بھی ذلت و رسوائی ہے اور آخرت میں جہنم کا شدید عذاب مقدر کر دیا گیا ہے۔ غزوۂ اُحد میں اللہ نے کفار کے دلوں میں رعب ڈال دیا لہٰذا انہوں نے پلٹ کر پھر حملہ کرنے کی ہمت نہ کی۔

(۱۷۴) ایمان والوں کے ساتھ اللہ کا وعدہ ہے کہ اگر وہ ایمان پر قائم رہے تو غلبہ اور فتح و کامرانی اُن کا مقدر ہو گی (مزید تفصیل حاشیہ ۱۵۸ میں ملاحظہ کریں) اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احد میں اپنا وعدہ سچا کر دکھایا' چنانچہ جنگ کی ابتدا میں مومنوں کو غلبہ حاصل ہوا اور انہوں نے کفار کو خوب قتل کیا یہاں تک کہ دشمنوں نے راہِ فرار اختیار کی جس کی کچھ تفصیل اوپر آ چکی ہے۔ لیکن جب اُحد کے درّہ پر تعینات عبداللہ بن جبیرؓ کے ساتھیوں نے یہ صورتحال دیکھی تو اپنے سالار کے سمجھانے اور سختی سے منع کرنے کے باوجود حکم عدولی کی اور درّہ کا اہم محاذ چھوڑ دیا اور مالِ غنیمت جمع کرنے لگ گئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمنوں کو پلٹ کر حملہ کرنے کا موقعہ مل گیا اور فتح شکست میں بدل گئی (مزید تفصیل اوپر حاشیہ ۱۳۳ اور ۱۶۵ میں ملے گی) اسی صورتحال کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔

(۱۷۵) یہاں دو گروہوں کا ذکر کیا گیا ہے؛ ایک کمزور ایمان والے جو جلد ہی دنیا کی طرف جھک جائیں، دوسرے مخلص جاں نثار، آخرت کے سچے طلبگار۔ چنانچہ جن لوگوں کو فتح کے بعد مالِ غنیمت کی طلب تھی وہ اس کو دیکھ کر بے دھڑک اُس طرف دوڑ پڑے اور اللہ و رسول کے حکم کی ذرا بھی پرواہ نہ کی۔ دراصل دنیا کے طلبگاروں کا انداز یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی رحمت و مغفرت اور اُخروی کامیابی کے مقابلے میں دنیاوی مفادات اور مال و زر کو ہی ترجیح دیتے ہیں، یہ خصلت ایمان کے منافی ہے۔ اس کے برعکس شعور کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اس بات کا پورا احساس ہوتا ہے کہ اُن کا اُن کے رب سے جو معاہدہ ہوا ہے اُس کے تحت جان و مال اُس کی راہ میں قربان کر کے ہی جنت کے حقدار بن سکتے ہیں، پھر وہ نہ تو حکم عدولی کرتے ہیں اور نہ فرائض سے پہلوتہی کر کے دیوانہ وار دنیا کے پیچھے دوڑتے ہیں۔ عبداللہ بن جبیرؓ کے ساتھ ثابت قدم رہ کر شہادت سے ہم کنار ہونے والوں میں یہی جذبہ کارفرما تھا' وہ صحیح معنوں میں آخرت چاہنے والے تھے اور اسی طرح دوسرے جاں نثار بھی جنہوں اُن شدید حالات میں بھی ثابت قدم رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا اور پھر بعد میں بھی نبی ﷺ کے حکم پر دشمنوں کے تعاقب کے لیے چل پڑے، ان کا ذکر بعد کی آیات میں آیا ہے۔

(۱۷۶) جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا اس جنگ کے پہلے مرحلہ میں مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح سے ہم کنار فرمایا اور کفار شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے اور مومنوں نے اُن کا تعاقب کیا، لیکن عبداللہ بن جبیرؓ کے ساتھیوں کی غلطی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کا رخ پھیر دیا، اس غلطی کی پاداش میں مومنوں کو یہ سزا بھگتنی پڑی کہ کفار نے انہیں دونوں طرف سے نرغے میں لے لیا اور انجام کار انہیں شدید ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا۔ خطا کاروں کے لیے یہ سزا تھی...... تو بے خطا ایمان والوں کے لیے آزمائش تا کہ آئندہ کے لیے وہ سنبھل جائیں اور پوری طرح محتاط رہیں، نیز یہ کہ منافقانہ خصلت کے حامل افراد کی بھی اس سے پہچان ہو گئی۔

(۱۷۷) یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ میدان جنگ میں شکست کی صورت میں آزمائش سے دوچار کر کے مومنوں کی تربیت فرما دی، نیز مخلصین کے ساتھ قصورواروں کو بھی معاف فرما دیا تا کہ کمزور ایمان والوں کو اپنی اصلاح کا موقعہ ملے اور پھر آئندہ اُن کی جانچ ہو جائے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ مومنوں پر بہت ہی زیادہ فضل و کرم فرمانے والا ہے۔ یہ بھی اس کا فضل و کرم تھا کہ کفار جنگ میں برتری کے باوجود میدان چھوڑ کر چلے گئے اور پھر جب نبی ﷺ نے صحابۂ کرامؓ کے ساتھ اُن کا پیچھا کیا تو پلٹ کر آنے کی اُن میں ہمت نہ ہوئی اور اس طرح جنگ تقریباً برابری کی صورت میں ہی اختتام پذیر ہوئی۔

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَائِفَةً مِّنكُمْ ۖ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ۗ يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا ۗ قُل لَّوْ كُنتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝

جب (جنگ اُحد میں) تم دوڑے چلے جا رہے تھے اور کسی کی طرف بھی مڑ کر نہ دیکھتے تھے' اور رسول تمہیں تمہارے پیچھے سے بلا رہے تھے (۱۷۸)، پھر اللہ نے تمہیں رنج پر رنج دیے تا کہ جو کچھ تم نے کھویا' اور جو مصیبت تمہیں پہنچی اس پر غمگین نہ ہو (۱۷۹) اللہ تمہارے کاموں سے خوب باخبر ہے ﴿۱۵۳﴾ پھر اللہ نے اس غم کے بعد سکون کے لیے تم پر اونگھ نازل کر دی' جو تم میں سے ایک جماعت پر طاری ہو گئی (۱۸۰)، اور ایک گروہ (۱۸۱) کو تو (بس) اپنی جانوں ہی کی فکر پڑی ہوئی تھی، وہ اللہ کے بارے میں ناروا جاہلیت کے گمان کر رہے تھے، وہ کہہ رہے تھے کہ کیا اس معاملے میں ہمارا بھی کچھ (اختیار) ہے، (اے نبی!) تم کہہ دو کہ سارا معاملہ اللہ ہی کا ہے (۱۸۲) یہ جو بات دلوں میں چھپاتے ہیں وہ تم پر ظاہر نہیں کرتے (۱۸۳)، کہتے ہیں کہ اس معاملے میں اگر ہماری (بات) کچھ بھی چلتی تو ہم یہاں

قتل نہ ہوتے[۱۸۴] (اے نبی!) کہہ دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کے لیے قتل ہونا لکھ دیا گیا تھا وہ تو ضرور اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے، تا کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے اللہ اُسے آزمالے' اور جو تمہارے دلوں میں ہے اُسے خالص کر دے[۱۸۵]، اللہ دلوں کے حال کا خوب جاننے والا ہے ﴿۱۵۴﴾ اُس دن جب دونوں لشکر مدِّ مقابل ہوئے، تم میں سے جو لوگ منہ پھیر گئے، اُن کے بعض کرتوتوں ہی کے سبب شیطان نے اُنہیں ڈگمگا دیا تھا[۱۸۶]، بلاشبہ اللہ نے اُنہیں معاف کر دیا، بے شک اللہ تعالیٰ بہت زیادہ مغفرت کرنے والا تحمل والا ہے ﴿۱۵۵﴾

(۱۷۸) غزوۂ اُحد کے حالات اوپر بیان کر دیے گئے ہیں۔ کفار کے دوبارہ اچانک حملے سے انتشار و ابتری کی جو صورتحال پیدا ہو گئی تھی اُس کے حوالے سے مومنوں کو اُن کی لغزشوں کا احساس دلاتے ہوئے بتایا جا رہا ہے کہ یاد کرو کہ تم لوگ ایک طرف دوڑے چلے جا رہے تھے اور رسول ﷺ کی آواز پر بھی توجہ نہ دے رہے تھے۔ اس سلسلے میں صحیح بخاری میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھی حکم عدولی کر کے مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑے اور پھر شکست خوردہ بھاگتے ہوئے کفار نے رُخ پھیر کر یکایک جنگ شروع کر دی تو مُسلمین مُنتشر ہو کر بھاگنے لگے اور نبی ﷺ اُنہیں پیچھے سے آواز دے رہے تھے، اُس وقت نبی ﷺ کے ساتھ صرف بارہ افراد رہ گئے تھے، اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے (بخاری: کتاب الجهاد والسير، باب مايكره من التنازع والاختلاف فی الحرب)

(۱۷۹) اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو سرزنش کے طور پر آزمائش میں ڈالا، مختلف قسم کے رنج و غم کی کیفیت میں مبتلا کیا، عارضی طور سے فتح کو شکست میں بدلا، مالِ غنیمت بھی ہاتھ نہ آیا، بڑی تعداد میں مومن شہید اور زخمی ہوئے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ بھی زخمی ہوئے، اور رنج پر رنج یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی افواہ پھیل گئی جس سے اُن پر گویا غم و اندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا' جس کی تفصیل اوپر آ چکی ہے۔ یہ آزمائشیں بلاشبہ مومنوں کی تربیت اور اُن کے تزکیۂ نفس کا ذریعہ تھیں تا کہ وہ راہِ حق میں دُکھ سہنے اور ہر قسم کے نقصانات و مصائب پر صبر کرنے کی صفت اپنے اندر پیدا کریں، یہ عزم و حوصلے کو بحال رکھنے کے لیے بے حد ضروری ہے۔ اس میں ایمان والوں کے لیے سبق آموز نصیحت ہے جس کو سورۂ حدید میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ بتایا گیا کہ جو بھی مصیبت آتی ہے وہ اللہ کے علم میں ہوتی ہے اور کتاب تقدیر میں درج ہوتی ہے، لہٰذا مومنوں کو نہ تو رنج و غم کے موقعہ پر حد سے زیادہ پریشان ہونا چاہیے اور نہ کچھ ملنے پر اترانا چاہیے، اللہ تعالیٰ اترانے والوں اور فخر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا' (ملاحظہ ہو الحدید: ۲۲-۲۳) مومن تنگی اور رنج و غم کے موقع پر صبر کرتا ہے اور خوشحالی اور فراخی کے موقع پر شکر کرتا ہے' دونوں صورتوں میں اُس کے لیے خیر ہے، یہ معاملہ صرف مومن ہی کے ساتھ ہے کسی اور کے ساتھ نہیں۔ (مسلم: کتاب الزهد، باب امره کله خير)

(۱۸۰) پھر مخلص مومنوں پر اونگھ طاری کر دی گئی جس سے اُن کو قلبی سکون ملا اور ذہنی کلفت و اضطراب کی کیفیت جاتی رہی، اور پھر ایمان و توکل علی اللہ کے ساتھ اُن کا عزم و حوصلہ بحال ہو گیا اور وہ رسول اللہ ﷺ کی پکار پر لبیک کہہ کر دشمن کے مقابلے میں جم گئے۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اُحد میں ہم پر ایسی اونگھ طاری ہوئی کہ تلوار کئی مرتبہ میرے ہاتھ سے گری' میں اُسے پکڑتا اور وہ گر جاتی' میں پھر اُسے پکڑتا اور وہ پھر گر جاتی (بخاری: کتاب التفسير، سورة آل عمران)۔

(۱۸۱) دوسری طرف منافقوں کا ایک گروہ بھی فوج میں شامل تھا جو عبداللہ بن اُبی کے ساتھیوں کے علاوہ تھا، اُن پر دشمن کی ہیبت اور خوف طاری تھا اور اُن کو رسول ﷺ اور اسلام کی فکر کے بجائے بس اپنی ہی جانوں کی پڑی ہوئی تھی۔ دراصل اُنہی دلوں میں اپنی جانوں کی فکر ہوتی ہے جو فکرِ آخرت سے خالی ہوں۔ ترمذی کی حسن صحیح روایت میں ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ دوسرا گروہ منافقین کا تھا جنہیں اپنے علاوہ کسی اور بات کی فکر نہ تھی، وہ تو سب سے زیادہ بزدل، سب سے زیادہ مرعوب اور سب سے زیادہ حق کا ساتھ چھوڑنے والے تھے (ترمذی: کتاب التفسير، سورة آل عمران)۔

(۱۸۲) یہاں اُن منافقوں کے ہی اندازِ فکر کی نشاندہی کی گئی ہے تا کہ مومن اس کے غلط اثرات سے محفوظ رہیں۔ فرمایا کہ یہ منافق اللہ تعالیٰ کے بارے میں نازیبا اور جاہلانہ گمان کر رہے تھے کہ اگر یہ دین برحق ہوتا تو اللہ کی مدد ان کے ساتھ ضرور ہوتی اور یہ اس طرح شکست سے دوچار نہ ہوتے۔ وہ شکوہ کرتے ہوئے یہ بھی کہتے کہ کیا جنگی معاملات اور فیصلوں میں اُن کا بھی کوئی اختیار ہے اور اُن کی رائے کی بھی کوئی اہمیت ہے۔ یہ وہی اندازِ فکر تھا جو عبد اللہ بن اُبی اور اس کے ساتھ پیچھے رہ جانے والوں کا تھا۔ اُن کو واضح کر دیا گیا کہ تمام معاملات اور فیصلوں کا سارا اختیار اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے' وہ اپنے فیصلے بذریعہ وحی نبی ﷺ کے پاس بھیجتا ہے اور نبی ﷺ اور اہلِ ایمان اُن فیصلوں پر عمل پیرا رہنے کے پابند ہیں۔ نیز یہ کہ مومنوں کا تو اللہ ہی پر توکل ہوتا ہے کہ فتح و کامیابی اللہ کی نصرت اور مشیت پر ہی موقوف ہے۔

(۱۸۳) ایمان والوں کو آگاہ کیا گیا ہے کہ وہ منافقوں پر نہ تو اعتماد کریں اور نہ اُن کی باتوں سے متاثر ہوں، اُن کا ظاہر و باطن یکساں نہیں۔ وہ اپنے نفاق اور خبثِ باطن کو پوشیدہ رکھتے ہیں اور اپنے آپ کو مومنوں کا بھی خواہ ظاہر کر کے اُن میں بددلی پھیلاتے ہیں چنانچہ مومن اُن کے اس طرزِ عمل سے دھوکے میں آ جاتے ہیں اور ان کے باہمی اعتماد اور ایمان کو نقصان پہنچانے والی باتوں سے متاثر ہو جاتے ہیں۔

(۱۸۴) اوپر بتایا گیا کہ ان منافقوں کا اندازِ فکر عبداللہ بن اُبی اور اُس کے ساتھیوں جیسا تھا جس کو وہ چھپائے ہوئے تھے، لیکن اب وہ اس کو ظاہر کیے بغیر نہ رہ سکے اور کہنے لگے کہ اگر ہمارا مشورہ مان لیا جاتا اور مدینے میں رہ کر ہی مقابلہ کیا جاتا تو شکست نہ ہوتی اور اتنی جانیں نہ جاتیں۔

(۱۸۵) ان کے اندازِ فکر پر چوٹ لگاتے ہوئے بتایا گیا کہ موت کا معاملہ میدانِ قتال پر ہی منحصر نہیں، یہ تو مقررہ وقت پر کسی بھی جگہ آسکتی ہے، اور جس کے لیے قتل ہونا مقدر کر دیا گیا ہے تو وہ ضرور بالضرور اپنی قتل گاہ پہنچ کر ہی رہے گا، اللہ کا لکھا ہوا نہ مٹ سکتا ہے اور نہ بدل سکتا ہے (مزید تفصیل حاشیہ ۱۶۶)
مزید بتایا گیا کہ یہ آزمائش اس لیے تھی تاکہ سینوں میں جو کچھ چھپا ہے اللہ اُسے ظاہر کردے یعنی منافقوں کا نفاق اور ایمان والوں کی کمزوری، اور اس طرح منافقوں کو چھانٹ کر الگ کردے اور مخلص مومنوں کو ایسی کمزوریوں سے پاک کردے، اللہ تعالیٰ تو دلوں کے حال سے خوب باخبر ہے ہی لیکن وہ آزمائش کے ذریعے مومنوں کو بھی دکھا دیتا ہے کہ منافق کون ہیں؟

(۱۸۶) یہاں ایک اہم نفسیاتی پہلو کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جب دونوں لشکروں میں مُڈبھیڑ ہوئی تو مخلص مومن تو دشمنوں سے جم کر لڑے لیکن جن لوگوں میں کچھ کمزوریاں تھیں جو پہلے ہی اُن کے طرزِ عمل سے ظاہر ہو چکی تھیں، وہ مقابلے کے دن ہی اُن کی کارکردگی پر اثر انداز ہوئیں، شیطان کو وسوسہ اندازی کا موقعہ ملا اور وہ ڈگمگا گئے۔ مقابلے کے دن شیطان کا اُن کو متزلزل کر دینا دراصل اُن کی پچھلی کمزوریوں کی وجہ سے تھا جن پر وہ پہلے قابو نہ پاسکے تھے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا اور اصلاح کا موقعہ دیدیا، بے شک اللہ بہت زیادہ معاف فرمانے والا اور تحمل والا ہے۔ یہ بات بھی ذہن نشین کرلی جائے کہ جب اللہ نے معاف فرما دیا تو اب اس کی کوئی گنجائش نہ رہی کہ کوئی مومن صحابہ پر زبان طعن دراز کرے، اور اُن کی عیب جوئی کرکے کردار کشی کی مذموم کوشش کرے۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۞ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۞ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِالَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ۞ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۞ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۞

اے ایمان والو! تم ان کی طرح نہ ہو جانا[۱۸۷] جنھوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا جب وہ سفر یا غزوہ میں نکلے (اور شہید ہو گئے) کہ اگر وہ ہمارے پاس ہی رہتے تو نہ مرتے اور نہ قتل ہوتے، تاکہ اس (باطل) گمان کو اللہ اُن کے دلوں میں حسرت کا سبب بنادے[۱۸۸] اور اللہ ہی زندہ کرتا اور موت دیتا ہے، اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے ﴿۱۵۶﴾ اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل ہو جاؤ یا مرجاؤ تو اللہ کی مغفرت اور رحمت (کے حقدار ہو گے جو) اُس (مال ومتاع) سے بہتر ہے جو وہ جمع کر رہے ہیں[۱۸۹] ﴿۱۵۷﴾ اور اگر تم مرجاؤ یا قتل ہو جاؤ تو بالضرور اللہ ہی کی طرف جمع کیے جاؤ گے[۱۹۰] ﴿۱۵۸﴾ (اے نبی!) اللہ کی رحمت ہی کی وجہ سے تم ان کے ساتھ نرم خُو ہو،[۱۹۱] اور اگر تم تُند خُو اور سخت دل ہوتے تو وہ تمہارے آس پاس سے چھٹ جاتے، پس ان کو معاف کردو اور انکے لیے (اللہ سے) مغفرت طلب کرو، اور (دین کے) کام میں ان سے مشاورت کرلیا کرو،[۱۹۲] پھر جب تم عزم کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو، بلاشبہ اللہ توکل کرنے والوں ہی کو پسند فرماتا ہے[۱۹۳] ﴿۱۵۹﴾ اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہ ہوگا، اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے گا[۱۹۴]؟ اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے ﴿۱۶۰﴾

(۱۸۷) یہ منافق تھے جنھوں نے بظاہر تو ایمان کا اقرار کیا تھا لیکن دلوں میں کفر ونفاق چھپا رکھا تھا۔ وہ ہر موقعہ پر جان ومال سے ایمان والوں کا ساتھ دینے کے بجائے منفی انداز اپناتے تھے۔ چنانچہ جنگ اُحد کے موقعہ پر اُنہوں نے پیچھے رہ کر پوری طرح کفر کا رویہ اپنایا۔ وہ اپنے نفس کو مطمئن کرنے اور مومنوں میں اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیے اس قسم کی باتیں بناتے، اور اس طرح کمزور ایمان والوں کو ورغلا کر اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ پچھلے رکوع میں بھی ان منافقوں کی باتیں بیان کی گئی تھیں (حاشیہ ۱۸۱، ۱۸۲)۔

(۱۸۸) بتایا گیا کہ اس قسم کی سوچ اور یہ باتیں اُن بزدل منافقوں اور بدعقیدہ لوگوں ہی کے لیے حسرت ویاس کا سبب ہیں جو ایمان سے عاری اور تقدیر کے انکاری ہیں، مخلص مومنوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوگا کیونکہ اُن کا اس بات پر ایمان اور پکا یقین ہے کہ موت وحیات صرف اور صرف اللہ ہی کے اختیار میں ہے اور اُسی کے حکم ومشیت پر موقوف ہے، نیز یہ کہ موت اپنے وقت پر ہی آئے گی، خواہ میدان جنگ میں ہو یا گھر کے اندر، (ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۸۵) یہ اندازِ فکر مجاہد میں ہمت وحوصلہ پیدا کرتا ہے اور وہ پامردی سے باطل کا مقابلہ کرتا ہے۔

(۱۸۹) جب یہ بات واضح ہوگئی کہ موت کا وقت معین ہے تو اُس سے فرار اختیار کرنا بے سود ہے۔ بزدل موت سے بھاگتا ہے لیکن موت مقررہ وقت پر اس کو آلیتی ہے، ایک لمحے کی بھی مہلت نہیں ملتی، جبکہ مجاہد اللہ کی راہ میں جان دینے اور شہادت پانے کا آرزومند رہتا ہے خواہ میدان جنگ میں شہید ہو یا گھر میں موت سے ہمکنار ہو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اُس کو شہادت کا درجہ عطا فرمائے گا اور وہ اللہ کی رحمت ومغفرت کا حقدار ہو کر جنت کی دائمی نعمتوں سے نواز دیا جائے گا۔ یہ انجام بلاشبہ اُس مال ومتاع سے کہیں بہتر ہے

جو دنیا دار میدان قتال سے پیچھے رہ کر جمع کر کے اکٹھا کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ ساری زندگی کی جمع کی ہوئی پونجی کو بالآخر یہیں چھوڑ کر چلے جانا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا "جنت میں ایک کوڑا رکھنے کی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے"۔

(بخاری : كتاب بدء الخلق، باب ماجاء في صفة الجنة)

(۱۹۰) اب کوئی دنیا کی طرف دوڑنے والا یوم حساب سے غافل ہو کر موت سے ہمکنار ہو یا راہ حق کا مجاہد جام شہادت نوش کرے، اللہ کی بارگاہ میں تو بہر حال دونوں ہی کو پیش ہونا ہے، اس سے مفر ممکن نہیں، خوش نصیب وہ ہے جو اس پیشی میں سرخرو ہو کر جنت کا پروانہ پالے اور انتہائی بدنصیب ہے وہ جو ہمیشہ کے لیے جہنم کی بھڑکتی آگ کا ایندھن بن جائے، اللہ پناہ میں رکھے!

(۱۹۱) ان آیات میں نبی ﷺ کو اور اُن کے ذریعے ایمان والوں کو نرم خوئی، شورائیت اور توکل علی اللہ کے اہم اصولوں کی تلقین کی گئی ہے۔ غزوۂ احد میں حکم عدولی کرنے والے اور اہم محاذِ جنگ سے فرار ہونے والے سخت تادیبی کارروائی کے مستحق تھے۔ لیکن اس موقعہ کے لحاظ سے یہی مناسب تھا کہ اُن کے ساتھ عفو و درگزر کا رویہ اپنایا جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء کے مطابق نبی ﷺ نے انہیں معاف کر دیا۔ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ایمان والوں کے ساتھ یہ مشفقانہ سلوک انتہائی قابل قدر تھا' اسی کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ نبی ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ یہ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ آپ بہت ہی زیادہ رحمدل اور نرم خو ہیں اور اپنے صحابۂ کرام ؓ کے ساتھ بہت ہی مہربانی اور شفقت سے پیش آتے ہیں (التوبہ:۱۲۸، الفتح:۲۹) اسی لیے صحابۂ کرام ؓ آپ ﷺ کے گرویدہ رہتے تھے، آپ کو چھوڑنا پسند نہیں کرتے تھے، وہ تو آپ سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ آپ پر جان چھڑکنے کو تیار رہتے تھے۔

(۱۹۲) اس کے برعکس اگر آپ ﷺ تندخو، سخت مزاج اور سخت گیر ہوتے اور صحابہ ؓ کو اُن کی غلطیوں پر سختی سے پکڑنے والے ہوتے تو یہ بھیڑ جلد ہی چھٹ جاتی۔ چنانچہ ہدایت کی گئی کہ ان کے ساتھ عفو و درگزر اور ترحم کی روش اپنائے رہو اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا بھی کرتے رہو، اور ان کی تالیف قلب اور حوصلہ افزائی کے لیے دینی امور کی مشاورت میں بھی انہیں شریک رکھو۔ اس سے ان میں خود اعتمادی اور ذمہ داری کا احساس فروغ پائے گا اور انہیں اپنی کوتاہیوں کی اصلاح کا بھی موقعہ ملے گا۔ یہ بات یاد رہے کہ نبی ﷺ کو تو ہر قدم پر وحی الٰہی کی رہنمائی حاصل تھی لیکن شورائیت کا نظام قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی ابتدا اپنے نبی ﷺ سے ہی کرائی، اور پھر یہ سنت دورِ صحابہ ؓ اور خیر القرون میں جاری رہی۔

(۱۹۳) یہاں شورائی نظام کا ایک اہم نکتہ بیان کیا گیا ہے جو کہ وضاحت طلب ہے۔ اسلام میں جماعت کا نظام شورائیت پر مبنی ہوتا ہے۔ امیر جماعت اپنی شوریٰ سے مشورے لیتا ہے' چنانچہ ارکان شوریٰ کو غور و فکر کے ساتھ قرآن و سنت کی روشنی میں رائے دینے کا موقعہ ملتا ہے، پھر جس کی رائے حق سے زیادہ قریب ہو اس کو قبول کر لیا جاتا ہے اور یہ فیصلہ بہر صورت قرآن و سنت کی منشاء کو مدِ نظر رکھتے ہوئے امیر جماعت کو ہی کرنا ہوتا ہے، جمہوریت کے نظام کی طرح کثرت و قلت فیصلوں پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ امیر فیصلہ کر کے اللہ پر توکل کرتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ اس آیت میں نبی ﷺ کو ہدایت کی گئی ہے کہ صحابہ ؓ سے مشورہ کر کے جب تم فیصلہ کر لو تو اللہ پر توکل کرتے ہوئے فیصلہ کو عملی جامہ پہناؤ اور اس بات کو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کو پسند کرتا ہے جو تعداد و وسائل پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی غائبانہ نصرت پر ہی بھروسہ کرتے ہیں اور ہر معاملے میں اُسی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

(۱۹۴) یہ بات ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ میدان جنگ میں فتح و کامیابی کا دار و مدار صرف اور صرف اللہ کی مدد پر ہے، اللہ تعالیٰ کی غائبانہ نصرت جس کے ساتھ ہو تو بڑی سے بڑی طاقت بھی اس پر غلبہ حاصل نہ کر سکے گی، جیسے کہ غزوۂ بدر میں ہوا' کفار کے تین گنا لشکر کو شکست فاش ہوئی اور غزوۂ اُحد میں حکم عدولی اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی سزا کے طور پر مدد سے ہاتھ کھینچ لیا گیا تو ایمان والوں کو کیسی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا، لیکن پھر اللہ کا فضل و کرم ہوا کہ اُس کی غائبانہ نصرت ہی کے سبب میدان جنگ میں برتری کے باوجود کفار میدان چھوڑ کر چلے گئے اور بالآخر ایمان والوں کو فتح حاصل ہوئی۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ۚ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦١﴾ أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٦٢﴾ هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٣﴾ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿١٦٤﴾ أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَٰذَا ۖ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦٥﴾

اور نبی کے شایانِ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے (۱۹۵)، اور جو بھی خیانت کرے گا تو وہ قیامت کے دن اُس خیانت کو جو اُس نے کی ہے، لے کر آئے گا، اور ہر ایک کو اُس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اُن پر ظلم نہ ہوگا ﴿۱۶۱﴾ کیا وہ شخص جو اللہ کی رضا کے تابع ہو (۱۹۶) اُس کی طرح ہوگا جو اللہ کے غضب میں گرفتار ہوا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے (۱۹۷)، اور وہ بُرا ہی ٹھکانہ ہے ﴿۱۶۲﴾ اُن لوگوں کے لیے تو اللہ کے یہاں (الگ الگ) درجات ہیں (۱۹۸)، اور وہ جو عمل کر رہے ہیں

اللہ خوب دیکھ رہا ہے ﴿۱۶۳﴾ بے شک اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے[۱۹۹] کہ اُنھی میں سے ایک رسول کو اُن میں مبعوث فرمایا[۲۰۰] جو اُن کے سامنے اُس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور اُن کا تزکیہ کرتا ہے، اُن کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے،[۲۰۱] اور وہ اس سے قبل تو صریح گمراہی میں تھے ﴿۱۶۴﴾ کیا اب جو تم کو ایک مصیبت پہنچی، اور تم تو اُن کو اس سے دوچند پہنچا چکے تھے تو کہتے ہو کہ یہ کہاں سے آ گئی؟[۲۰۲] (اے نبی!) کہہ دو کہ یہ خود تمہاری ہی طرف سے ہے[۲۰۳]، بے شک اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۶۵﴾

(۱۹۵) غزوۂ اُحد میں مالِ غنیمت کے لیے محاذِ جنگ چھوڑ دینے والوں کا یہ گمان تھا کہ اگر ہم پیچھے رہ گئے تو غنیمت میں ہمیں کم حصہ ملے گا، اُن کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تم نے نبی ﷺ کے بارے میں ایسا غلط گمان کر لیا! بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ نبی کسی کو غنیمت میں کم حصہ دے اور کسی کو زیادہ؟ یہ تو خیانت اور بے انصافی ہوگی، اور خیانت تو ایمان کے سراسر منافی ہے، یہ تو منافق کی نشانی ہے۔ نبی ﷺ کے بارے میں تو ایسا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا' وہ تو صادق الوعدہ، امین اور عدل وانصاف کے پیکر ہیں۔

(۱۹۶) دو کردار، اُن کے اندازِ فکر اور انجام کا ذکر کیا گیا ہے۔ مخلص مومن اللہ کی رضا کے تابع ہوتا ہے، اللہ کی رضامندی کا حصول اُس کی زندگی کا مقصد ہوتا ہے، وہ حتی الامکان اللہ کی نافرمانی اور ناراضگی سے اپنے آپ کو بچاتا ہے، اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے مال بھی بے دریغ خرچ کرتا ہے اور ہر قسم کی آزمائشوں پر صبر کرتا ہے۔ وہ معاملات میں دیانت دار، صادق الوعدہ اور عہد وامانت کا محافظ ہوتا ہے۔ بھلا وہ منافقوں اور دینِ حق کے مخالفوں کی طرح کیسے ہو سکتا ہے جو محض دنیاوی مفادات کے پرستار ہوں! اُن کے یہاں حق و باطل، سچ وجھوٹ، حلال وحرام میں کوئی فرق و امتیاز نہیں ہوتا۔ مومنوں کو ہوشیار کیا گیا ہے کہ وہ منافقوں کو پہچانیں اور اُن کے پروپیگنڈے اور سازشوں سے کسی طرح متاثر نہ ہوں۔

(۱۹۷) اس نے اللہ کی نافرمانی اور دینِ حق کی مخالفت کی روش اپنا کر اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کو بھڑکایا ہے۔ لہٰذا دنیا میں بھی اس کے لیے ذلت ورسوائی ہے اور پھر ہمیشہ کے لیے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ اس کا ٹھکانہ ہے' اور کیسا بُرا ٹھکانہ ہے جو ان لوگوں نے اپنے لیے منتخب کیا ہے! منافقوں کو متنبہ کر دیا گیا کہ ابھی موقعہ ہے اصلاح کر لیں ورنہ شدید رُسوا کن عذاب ان کا مقدر ہوگا۔

(۱۹۸) اوپر دو گروہوں کے طرزِ عمل اور انجام کا ذکر کیا گیا تھا، اب اسی تسلسل میں بتایا جا رہا ہے کہ مخلص ایمان والوں کی سعی وجہد اللہ کے یہاں مقبول ہے، اُن کے اخلاص، تقویٰ اور اعمال کے لحاظ سے اُن کے لیے جنت میں الگ الگ درجات ہیں، اور ان سب کے اعمال اللہ کی نظر میں ہیں۔

(۱۹۹) اس آیت میں ایمان والوں پر اللہ تعالیٰ کے ایک عظیم احسان کا ذکر ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ کی بعثت۔ اس کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے بعثت سے پہلے اور بعد کی صورتحال کا تقابلی جائزہ ضروری ہے۔ آفتابِ ہدایت کے طلوع ہونے سے قبل پوری دنیا اور بالخصوص خطۂ عرب جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، کفر وشرک کا دور دورہ تھا، ہاتھ سے تراشی ہوئی مورتیوں کی پوجا پاٹ ہوتی، مرکزِ توحید یعنی بیت اللہ بت کدہ بنا دیا گیا تھا، انبیاء اور اولیاء کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ کر پکارا جاتا، اُن کی مورتیوں پر چڑھاوے چڑھائے جاتے، نذر ونیاز ہوتی اور اُن کے دن منائے جاتے اور اُن کے نام پر جانور ذبح کیے جاتے تھے۔ مختصر یہ کہ اللہ کی ذات وصفات، حقوق واختیارات اور تصرفات میں شرک اپنی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ پھر اُن میں بے حیائی، عریانی وفحاشی بھی عام تھی اور انہیں اس اخلاقی پستی پر بھی فخر تھا۔ سرداروں اور بااثر لوگوں کا غریبوں، زیردستوں اور غلاموں پر جور وستم بھی حد سے بڑھا ہوا تھا، لوٹ مار اور قتل وغارتگری کا دور دورہ تھا۔ قبائلی عصبیت اور دشمنی کی بنیاد پر جنگوں میں بے انتہا خونریزی ہوتی جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے (حاشیہ ۱۳۱) اس صورتحال میں اللہ کے آخری رسول ﷺ نے الٰہِ واحد کی بندگی کی انقلابی دعوت پیش کی پھر کتاب اللہ کی تلاوت اور تعلیم کے ذریعے ایمان لانے والوں کی تربیت کا اہتمام کیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں ایمان والوں کی وہ جماعت تیار ہوگئی جو ایمانِ خالص کے ساتھ بہترین اوصاف اور اعلیٰ اخلاق اور سیرت وکردار کی حامل تھی، چنانچہ اُن کو خلافتِ ارضی کے اُس منصب پر فائز کر دیا گیا جس کا اُن سے وعدہ کیا گیا تھا (النور:۵۵)، اور وہ بلاشبہ اس کے اہل اور حقدار تھے، پھر اللہ کی زمین امن وسکون اور عدل و انصاف کا گہوارہ بن گئی، فالحمدللہ علیٰ ذالک۔ اللہ رب العزت کا یہ احسان تو ساری انسانیت پر ہی تھا لیکن اس کے قدر شناس اور اس سے فائدہ اُٹھانے والے صرف مومن ہی رہے ہیں۔ اسی مناسبت سے کہا گیا کہ ''مومنوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے''۔

(۲۰۰) یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے اور اس کا فضل وکرم کہ انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے اس نے ہمیشہ انسان کو ہی نبی بنا کر بھیجا، اور اُسی قوم کے ایک فرد کو اس ذمہ داری کے لیے منتخب فرمایا کیونکہ وہ اُن کے شعور و ادراک اور احساسات کو پوری طرح سمجھ کر اُن کو دین سکھاتا اور اس کا عملی نمونہ پیش کر سکتا تھا' فرشتہ یا جن تو اس کا حق ہرگز ادا نہ کر سکتا تھا' اور جن یا فرشتے کی پیروی کرنا بھی انسان کے لیے آسان نہ ہوتا، اس طرح دعوتِ حق کا انکار یا اعتراض کرنے والوں کے لیے اس پہلو سے کوئی عذر پیش کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ اللہ کے رسول ﷺ کے حلم ودانائی اور اعلیٰ ترین اخلاق واوصاف کے سبب اُن سے محبت اور احترام کے ساتھ سمع وطاعت بھی فطرتاً آسان ہوگئی۔

(۲۰۱) یہاں اللہ کے رسول ﷺ کی ذمہ داریاں بیان کی گئی ہیں۔ یہ مضمون قرآن میں کئی جگہ آیا ہے، سورۂ بقرۃ میں ایک جگہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی شکل

میں ہے (البقرۃ:۱۲۹)، دوسری جگہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کو ایک نعمت کے طور پر بیان کیا گیا ہے (البقرۃ:۱۵۱) بلاشبہ یہ ایک بیش بہا نعمت ہے، کتاب اللہ کی تعلیم اور رسول اللہ ﷺ کی تربیت اور حکمت و دانش سے بھرپور وعظ و نصیحت نے اُس قوم کی کایا پلٹ دی، انکے ایمان کو شرک سے پاک کیا اور اخلاق اور سیرت و کردار کی رفعتوں سے ہمکنار کیا اور اُس قوم کو پستی سے اُٹھا کر عروج و کمال کی بلندی تک پہنچا دیا۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ قرآن میں اس بات کو تکرار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ نبی کی ذمہ داری صرف کتاب اللہ کی تلاوت کر دینے پر ختم نہیں ہوتی بلکہ صحابہ کرام کی تعلیم و تربیت بھی ذمہ داری میں شامل ہے، آیات کی تلاوت کے ساتھ اُن کی تشریح و تفسیر، حکمت و دانائی کی تعلیم، مختلف احکامات کی وضاحت اور ان پر عمل کر کے دکھانا بھی آپ کی ذمہ داری تھی۔ کتاب اللہ کی پُر حکمت تعلیم سے ہی وہ اُمّی لوگ صاحب فراست و حکمت اور اللہ سے ڈرنے والے بن گئے تھے (الجمعہ:۲) جنہوں نے زمام اقتدار سنبھالنے کے بعد عدل و انصاف پر مبنی اسلام کے آفاقی نظام کو قائم کر دیا تھا۔

(۲۰۲) غزوۂ اُحد کی عارضی شکست پر ایمان والے دل شکستہ ہو رہے تھے اور اوپر سے منافقین بھی طعنہ دے رہے تھے کہ اللہ کی مدد کے باوجود شکست کیسے ہوگئی۔ بتایا گیا کہ تم اس ہزیمت پر اتنے آزردہ خاطر اور مایوسی کا شکار ہو گئے ہو، اس سے قبل بدر میں تو کفار کو دوہری مصیبت کا سامنا کرنا پڑا تھا، اُن کے ستر مارے گئے اور ستر قید کر لیے گئے تھے۔

(۲۰۳) یہ مصیبت بہرحال تمہارے اپنے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے، تم نے بڑی شدید غلطی کی تھی جس کی یہ سزا ملی (تفصیل اوپر آچکی ہے) یہ سرزنش سبق آموز ہونی چاہیے، آئندہ محتاط رہو اور کسی بھی حالت میں صبر کا دامن نہ چھوڑو، اس بات کو ذہن نشین کر لو کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، وہ فتح سے بھی ہمکنار کرتا ہے اور غلطی پر سزا بھی دیدیتا ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ۭ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَىِٕذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ۭ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور دو فوجوں کے مقابلے کے دن جو مصیبت تم پر آئی تو وہ اللہ ہی کے حکم سے آئی تھی تاکہ وہ مومنوں کو جان لے[۲۰۴] ﴿۱۶۶﴾ اور اُن لوگوں کو بھی جان لے جو منافق ہو گئے، اور (جب) اُن سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا (دشمن کو) روکو تو انہوں نے کہا کہ اگر ہم لڑائی (لڑنا) جانتے[۲۰۵] تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ وہ اس دن ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے اپنے مونہوں سے وہ کچھ کہہ رہے ہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں ہے، اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں[۲۰۶] ﴿۱۶۷﴾ وہ لوگ جو خود تو پیچھے بیٹھ رہے اور اپنے بھائیوں کے بارے میں انہوں نے کہا کہ اگر وہ ہماری بات مانتے تو نہ مارے جاتے۔ تم کہہ دو کہ اپنی موت کو ٹال دینا اگر تم سچے ہو[۲۰۷] ﴿۱۶۸﴾ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے اُن کے بارے میں یہ گمان بھی نہ کرنا کہ وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں[۲۰۸]، اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں ﴿۱۶۹﴾ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے جو کچھ عطا فرمایا ہے اس پر وہ بہت خوش ہیں، اور مطمئن ہیں کہ جو ان کے پیچھے (دنیا میں) ہیں اور ابھی وہاں (عالم برزخ میں) اُن سے نہیں ملے ہیں، اُن کو بھی نہ تو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے[۲۰۹] ﴿۱۷۰﴾ وہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں اور اُس کے فضل و کرم سے بہت ہی فرحاں و شاداں ہیں، اور اس پر کہ اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا[۲۱۰] ﴿۱۷۱﴾

(۲۰۴) غزوۂ اُحد میں عارضی شکست کے سبب مومنوں کو سخت پریشانی لاحق ہوئی، اس کے بارے میں فرمایا کہ وہ اللہ کے حکم سے ہی تھی، اور اس کا سبب اُن کی شدید و سنگین غلطی تھی، لیکن اس میں جو حکمت عملی پنہاں تھی وہ مخلص مومنوں اور منافقوں کو الگ الگ کر دینا تھی۔ مومنوں پر آزمائشوں کا ایک بڑا مقصد مومن و منافق کی یہ پہچان بتائی گئی جس کا پچھلی سطور میں بھی متعدد بار ذکر ہو چکا ہے۔

(۲۰۵) یہاں ان منافقوں کا ایمان کے منافی انداز فکر و عمل بتایا گیا ہے۔ جب عبداللہ بن اُبَی اور اُس کے ساتھ پیچھے رہ جانے والوں سے کہا گیا کہ اللہ کی راہ میں جنگ کرنے کے لیے ہمارے ساتھ چلو تو انہوں نے جواب دیا کہ ''اگر ہم جنگ (کرنا) جانتے تو تمہارے ساتھ ضرور چلتے'' یعنی اگر ہم فن حرب کے ماہر ہوتے تو ساتھ چلتے۔ غالباً یہ انہوں نے طنزاً کہا اور اس سے اُن کی یہ مراد تھی کہ جب ہمارا مشورہ نہ مانا گیا اور ہمیں جنگجو نہ سمجھا گیا تو پھر ہم ساتھ کس لیے جائیں؟ اس بات کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر ہمیں یقین ہوتا کہ واقعی یہ جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ رہتے، لیکن یہ مفہوم قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا۔ بہرحال یہ بات جو انہوں نے اپنے دفاع میں کہی تھی سراسر ہٹ دھرمی پر مبنی اور قطعاً ایمان کے منافی تھی۔

(۲۰۶) منافقوں کا میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر لشکر سے علیحدہ ہو جانا ہی ایک غیر مومنانہ فعل تھا، لیکن پھر ہٹ دھرمی کی روش پر جمے رہ کر اُس کا دفاع کرنا اُن کو ایمان سے مزید دور اور کفر سے زیادہ قریب لے گیا۔ دراصل وہ اپنے نفاق اور اسلام دشمنی کے جذبات دل میں چھپائے ہوئے ہیں اور باتیں ایسی کر رہے ہیں گویا کہ مومنوں سے ہمدردی رکھتے ہیں لیکن اللہ کو تو اُن کے دلوں کا حال خوب معلوم ہے، وہ اُن کے نفاق سے خوب باخبر ہے اور ایمان والوں کو وقتاً فوقتاً اس سے آگاہ کر دیتا ہے۔

(۲۰۷) صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایمان والوں کو دل شکستہ اور دل برداشتہ کرنے کے لیے منافقوں کی ایک چال یہ بھی تھی کہ وہ خود پیچھے رہ کر شہید ہونے والوں کے بارے میں کہتے تھے کہ ان کا مشورہ نہ ماننے کے سبب اُحد میں شکست ہوئی۔ اگر اُن کی بات مانی جاتی اور مدینے میں رہ کر دفاعی جنگ کی جاتی تو اتنی جانیں نہ جاتیں۔ اُن کو مُسکت جواب دیا گیا کہ اُن کی یہ بات محض حماقت پر مبنی ہے، موت تو مقررّہ وقت پر ہی آتی ہے اور ان کے خیال کے مطابق موت اگر کسی تدبیر سے ٹل سکتی ہے تو یہ لوگ اپنی موت کو ٹال کر دکھائیں اگر اس دعوے میں سچے ہیں!

(۲۰۸) اس آیت میں شہدا کی عزت افزائی اور تکریم فرمائی گئی ہے اور ساتھ ہی ایمان والوں کے جذبۂ جہاد کو اُبھارا گیا ہے اور منافقوں کے اندازِ فکر پر چوٹ لگائی گئی ہے۔ پُر زور انداز میں کہا گیا کہ شہداء کی موت کو دنیاداروں کی موت کی طرح نہ سمجھا جائے، یہ تو ایک اعلیٰ نصب العین کے لیے ہے۔ اللہ کی رضا اور اُس کے دین کی سربلندی کے لیے جان کا نذرانہ پیش کرنے کا بے انتہا اجر ہے، شہید شہادت کے بعد براہ راست جنت میں چلا جاتا ہے (یٰسین: ۲۶) شہادت کی موت کے بعد تو وہ زندگی ملتی ہے جو بلاشبہ دنیا کی ہزار ہا زندگیوں سے زیادہ قابل رشک ہے! یہ مضمون سورۂ بقرہ میں بھی آیا ہے جہاں شہدا کے بارے میں بتایا گیا کہ "وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں (ان کی زندگی کا) شعور نہیں" (البقرۃ:۱۵۴)، لیکن یہاں وضاحت کی گئی کہ "وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں"۔ اس کی مزید وضاحت مسلم کی ایک روایت سے ہو جاتی ہے۔ تابعی مسروق رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ... يُرْزَقُونَ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے اسکے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ان (شہداء) کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں ہیں جن کے لیے عرش سے معلق قندیلیں ہیں، وہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں کھاتے پیتے ہیں اور پھر ان قندیلوں میں آ کر قیام کرتے ہیں۔ اُن کے رب نے اُن کی طرف دیکھا کہ تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے، تو انہوں نے کہا کہ ہم کس چیز کی خواہش کریں، ہم جہاں چاہیں سیر کرتے اور کھاتے پیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اُن سے تین مرتبہ یہی سوال کیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اُن سے برابر سوال ہوتا رہے گا اور جواب دیے بغیر کوئی چارہ نہیں تو انہوں نے کہا "اے ہمارے رب! ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحوں کو ہمارے (دنیاوی) جسموں میں لوٹا دے تاکہ ہم تیری راہ میں پھر ایک مرتبہ شہید ہوں"۔ جب اللہ نے دیکھ لیا کہ اُن کو کوئی خواہش نہیں تو انہیں چھوڑ دیا گیا (مسلم. کتاب الامارۃ، باب فی بیان ان ارواح الشھداء فی الجنۃ)۔ یہاں ایک اہم اصول اور بنیادی عقیدہ کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے۔ قرآن وحدیث نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ شہید کی زندگی جنتی زندگی ہے نہ کہ اس دنیاوی قبر میں جسد عنصری کی زندگی، لہٰذا حیاتِ شہید کو "اعادۃ روح فی القبر" کے خلاف قرآن عقیدے کی تائید میں پیش کرنا بڑی خود فریبی اور ستم ظریفی ہے (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ البقرہ:۱۵۴)۔

(۲۰۹) اگرچہ شہداء کی ارواح برزخی جسموں کے ساتھ جنت میں ہیں لیکن اُن کی سوچ 'یادیں' خواہشات واحساسات دنیاوی معاملات سے مربوط اور ہم آہنگ ہیں، چنانچہ وہ اپنے پس ماندہ مومن بھائیوں کے لیے شدید خواہش رکھتے ہیں کہ وہ بھی جوش وخروش سے جہاد میں حصہ لے کر شہادت حاصل کریں اور اُن کی طرح جنت کی آسائشوں سے لطف اندوز ہوں' لہٰذا وہ چاہتے ہیں کہ اُن کے حالات سے اِن بھائیوں کو مطلع کر دیا جائے۔ سورۂ یٰسین میں شہید کی اسی خواہش کو بیان کیا گیا ہے کہ "کاش میری قوم جان لے کہ میرے رب نے میری کیسی مغفرت فرمائی اور مجھے مُعزز ین میں شامل کر لیا" (یٰسین: ۲۶، ۲۷) حدیث میں ہے کہ شہدائے اُحد نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ کیا ہمارے مومن بھائیوں کو کوئی (ہمارے حالات سے) مطلع کرنے والا ہے تاکہ وہ جنگ سے اعراض نہ کریں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "میں تمہاری بات اُن تک پہنچا دیتا ہوں" لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (ابو داؤد: کتاب الجھاد)۔ یہ بھی اُن کے لیے ایک خوشخبری ہے اور باعث مسرت۔

(۲۱۰) شہداء اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اُن کی توقعات سے بڑھکر اُس کی عنایات ونوازشات پر بہت ہی زیادہ فرحاں وشاداں ہیں۔ اُن کو اس بات کی بھی بے حد خوشی ہے کہ اُن کے مومن بھائی بھی اسی طرح نوازے جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت ہی زیادہ قدر دان ہے، وہ مومنوں کے اعمال ضائع نہیں کرتا، وہ اُن کو بھرپور اجر دے گا۔

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِن بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ۝ فَانقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ۝ إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝

جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے حکم پر لبیک کہا، اس کے بعد بھی کہ ان کو زخم لگ چکا تھا[۲۱۱]، ان میں سے جن لوگوں نے حسنِ عمل اور تقویٰ کی روش اپنائی ان کے لیے بڑا اجر ہے[۲۱۲] ﴿۱۷۲﴾ اور وہ لوگ، کہ جب لوگوں نے ان سے کہا کہ انہوں نے تمہارے خلاف (بہت) لوگ جمع کر لیے ہیں تم اُن سے ڈرو تو (اس پر) ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا' اور انہوں نے کہا کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے[۲۱۳] ﴿۱۷۳﴾ پس وہ اللہ کی نعمت اور اس کے فضل کے ساتھ واپس آئے اور اُنہیں کوئی برائی نہ پہنچی[۲۱۴] اور وہ اللہ کی مرضی پر چلے[۲۱۵]، اور اللہ بڑے ہی فضل والا ہے ﴿۱۷۴﴾ یہ شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں (کفار) سے ڈراتا ہے، تو تم اُن سے نہ ڈرنا اور مجھ سے ہی ڈرنا[۲۱۶]، اگر تم ایمان والے ہو ﴿۱۷۵﴾

(۲۱۱) کفار کا لشکر جب میدان جنگ سے چلا گیا تو کچھ دور جا کر اُنہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ مومنوں کو ختم کر ڈالنے کا اُنہیں بہترین موقعہ ملا تھا جو انہوں نے گنوا دیا۔ نبی ﷺ کو بھی مدینہ پہنچ کر اُن کے پلٹ آنے کا اندیشہ ہوا اور مخبروں کے ذریعے بھی اطلاعات ملیں تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اُن کے تعاقب کے لیے روانگی کا حکم دیا۔ باوجود اس کے وہ زخم خوردہ اور انتہائی شکستہ حال تھے، فوراً ہی تعمیل حکم کے لیے تیار ہو گئے۔ اُن کے اسی امتیازی وصف کو یہاں بیان کیا گیا ہے۔

(۲۱۲) زخموں سے نڈھال ہونے کے باوجود جن جاں نثار مجاہدین نے اس حکم پر لبیک کہا بلاشبہ انہوں نے سمع وطاعت کی ایک اعلیٰ مثال قائم کر دی۔ ایسے ہی احسان کیش لوگوں کے لیے اللہ نے اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے عُروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا "اے میرے بھانجے! تمہارے والد زبیر اور نانا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما اُنہی لوگوں میں سے تھے (جن کا ذکر اس آیت میں ہے) غزوۂ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کو صدمہ پہنچا تھا، پھر مشرکین واپس مکہ چلے گئے، تو اس اندیشے کے پیش نظر کہ شاید وہ پلٹ آئیں، آپ نے فرمایا کہ "کون ہے جو کافروں کا تعاقب کرے؟" اس پر ستر افراد تعمیل حکم کے لیے تیار ہو گئے اُن میں ابو بکر اور زبیر رضی اللہ عنہما شامل تھے (بخاری: کتاب المغازی، باب اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ......) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسی جذبۂ اطاعت کی اس آیت میں تعریف کی گئی ہے۔

(۲۱۳) غزوۂ اُحد میں عارضی شکست کے بعد اللہ تعالیٰ نے کافروں کا رُخ پھیر دیا تھا اور وہ میدان جنگ چھوڑ کر چلے گئے تھے، بعد میں انہوں نے پھر حملہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن اُن کی ہمت نہ پڑی، پھر بھی اپنی خفت مٹانے اور ایمان والوں میں خوف و ہراس پیدا کرنے کے لیے ایسی افواہیں پھیلانے والے چھوڑ دیے کہ کفار بڑا لشکر جمع کر کے مدینے پر حملہ کرنے والے ہیں۔ ان افواہوں سے منافق تو متاثر ہوئے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ایمان والوں کی ہمت بندھاتے ہوئے فرمایا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ یعنی ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے، وہ بہترین کارساز (اور مددگار) ہے۔ اس سے مخلص مومنوں کے ایمان میں مزید پختگی پیدا ہوئی اور اُن کے عزم و حوصلے میں اضافہ ہوا اور وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل جنگ کے لیے پھر سے کمربستہ ہو گئے، اس کی تفصیل اوپر بیان کی گئی ہے۔ اس آیت میں صحابۂ کرام کے اسی جذبۂ اطاعت کی تعریف کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں بخاری کی ایک روایت میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ کہا اور جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ کے خلاف کفار نے بڑا لشکر جمع کر لیا ہے تو آپ نے بھی یہی کلمہ کہا (بخاری: کتاب التفسیر)۔

(۲۱۴) کفار جنگ اُحد سے واپس جا کر دوبارہ حملہ کرنے کے ارادے سے مکہ سے روانہ ہوئے تو راستے میں اُن کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے لشکر کے ہمراہ اُن سے مقابلے کے لیے آ رہے ہیں تو اُن کی ہمتیں ٹوٹ گئیں اور وہ بے نیل مرام مکہ واپس چلے گئے، اور رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سکون واطمینانِ قلب کے ساتھ اللہ کا شکر کرتے ہوئے فاتح و کامران واپس لوٹے، اُنہیں کوئی نقصان نہ پہنچا بلکہ نفسیاتی برتری حاصل ہوئی اور حوصلے بلند ہوئے۔

(۲۱۵) مخلص مومن تو اللہ کی رضا اور خوشنودی کے ہی طلب گار تھے لہٰذا ہر قسم کی آزمائش میں وہ ثابت قدم رہے اور ہر صورت میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل بہ رضا و رغبت کرتے رہے، اس کا اُن کو یہ صلہ ملا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اُن کے ساتھ شامل رہا اور حالات کو اُن کے لیے سازگار بنا دیا گیا۔

(۲۱۶) یہاں ایمان والوں کو تسلی دی گئی ہے کہ شیطان وسوسہ اندازی اور افواہوں کے ذریعے اُنہیں اپنے ہمنواؤں (کفار) سے ڈرا رہا ہے، ایمان والوں کو اِن شیطانی حربوں سے ذرا بھی خوف و ہراس محسوس نہ کرنا چاہیے۔ اُنہیں تو اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی غائبانہ نُصرت پر مکمل بھروسہ کرتے رہنا ہے، اُن کی مدد کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔ سورۂ زمر میں فرمایا "کیا اللہ اپنے بندے (کی مدد) کے لیے کافی نہیں؟" (آیت ۳۶)

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ

عَلٰی مَاۤ اَنۡتُمۡ عَلَیۡہِ حَتّٰی یَمِیۡزَ الۡخَبِیۡثَ مِنَ الطَّیِّبِ ؕ وَ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطۡلِعَکُمۡ عَلَی الۡغَیۡبِ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَجۡتَبِیۡ مِنۡ رُّسُلِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ ۚ وَ اِنۡ تُؤۡمِنُوۡا وَ تَتَّقُوۡا فَلَکُمۡ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَ لَا یَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ یَبۡخَلُوۡنَ بِمَاۤ اٰتٰہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ہُوَ خَیۡرًا لَّہُمۡ ؕ بَلۡ ہُوَ شَرٌّ لَّہُمۡ ؕ سَیُطَوَّقُوۡنَ مَا بَخِلُوۡا بِہٖ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ وَ لِلّٰہِ مِیۡرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿۱۸۰﴾

اور (اے نبی!) تم اُن لوگوں کی وجہ سے جو کفر میں دوڑ دھوپ کر رہے ہیں غمگین نہ ہو،[٢١٧] وہ اللہ (کے دین) کا ہرگز کوئی نقصان نہ کر سکیں گے۔ اللہ چاہتا ہے کہ انہیں آخرت میں کوئی حصّہ نہ دے، اور اُن کے لیے بڑا عذاب (تیار) ہے ﴿۱۷۶﴾[٢١٨] جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدا ہے[٢١٩] وہ اللہ (کے دین) کا تو ہرگز کوئی نقصان نہ کر سکیں گے، اور اُن کے ہی لیے دردناک عذاب ہے ﴿۱۷۷﴾ اور کافر لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ہم انہیں جو مہلت دے رہے ہیں وہ اُن کے حق میں بہتر ہے، ہم انہیں مہلت صرف اس لیے دے رہے ہیں کہ وہ گناہ میں اور بڑھ جائیں[٢٢٠]، اور (بالآخر) اُن کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا ﴿۱۷۸﴾ (یاد رکھو!) اللہ مومنوں کو اس صورت حال میں نہیں چھوڑے رکھتا جس میں کہ تم اس وقت ہو جب تک کہ وہ ناپاک (عناصر) کو پاک لوگوں سے الگ نہ کر دے[٢٢١]، اور اللہ تمہیں غیب کی باتوں سے بھی مطلع نہیں کیا کرتا، البتہ وہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے (اس مقصد کے لیے) منتخب کر لیتا ہے،[٢٢٢] لہٰذا تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو، اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور تقویٰ کی روش اختیار کرو گے تو تمہیں اجر عظیم ملے گا ﴿۱۷۹﴾ اور جو لوگ اس مال میں جو اللہ نے انہیں عطا کیا ہے بخل کرتے ہیں، وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ (طرز عمل) اُن کے حق میں اچھا ہے، یہ اُن کے لیے باعث شر ہے۔ قیامت کے دن اس مال کا جس میں وہ بخل کرتے ہیں، طوق بنا کر اُن کے گلوں میں ڈالا جائے گا[٢٢٣] اور آسمان اور زمین کی میراث اللہ ہی کی ہے[٢٢٤]، اور تم جو عمل کرتے ہو اللہ اُس سے خوب باخبر ہے ﴿۱۸۰﴾

(٢١٧) رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ منکرین حق (منافقین و کفار) کی مخالفانہ سرگرمیوں اور سازشوں سے آزردہ خاطر نہ ہوں۔ ان ظالموں نے دعوت حق کو قبول کرنے کے بجائے اس کی مخالفت کی روش اپنالی ہے اور افواہوں اور معاندانہ پروپیگنڈوں کے ذریعے ایمان والوں کو ورغلانے میں سرگرم ہو گئے ہیں۔ یہ اپنی ان کوششوں سے اللہ کے دین کا تو کچھ نہ بگاڑ سکیں گے البتہ اپنا ہی نقصان کرتے رہیں گے۔

(٢١٨) اللہ نے انہیں کچھ چھوٹ اور ڈھیل دی ہوئی ہے جس سے انہیں اپنی چالیں کامیاب ہوتی نظر آتی ہیں تو انہوں نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہے اور ان کی روش دُرست ہے۔ درحقیقت یہ بدنصیب اپنے کرتوتوں سے اپنی ہی آخرت برباد کر رہے ہیں۔ انہوں نے اللہ کی نافرمانی و سرکشی میں حدود سے تجاوز کر کے اپنے آپ کو آخرت کے انعامات کا قطعاً نااہل ثابت کر لیا ہے، اللہ کی مغفرت کے بجائے اُسکے قہر و غضب ہی کا مستحق بنا لیا ہے چنانچہ ان کے لیے دنیا میں بھی ذلت و رسوائی ہے اور آخرت میں بھی اُن کا کوئی حصہ نہیں، اُن کے لیے تو عذاب عظیم تیار کر لیا گیا ہے۔

(٢١٩) مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کفار و منافقین جنہوں نے دنیا کے عارضی مفادات کی خاطر ایمان اور اپنی آخرت کا ہی سودا کر لیا ہے، حق کی مخالفت میں سرگرداں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اپنے رسول کو بھیجا جس نے انتہائی شفقت و ہمدردی سے دعوت حق پیش کی۔ اگر یہ اس پر ایمان لاتے اور حق کا ساتھ دیتے تو اللہ کی رحمت و مغفرت کے حقدار بن کر دنیا میں بھی عزت و سربلندی حاصل کرتے اور آخرت کی ابدی نعمتوں کے حق دار ٹھہرا دیے جاتے۔ لیکن یہ بدبخت ایسے عاقبت نااندیش اور انجام سے غافل ہیں کہ انہوں نے چند روزہ لذتوں اور آسائشوں کی خاطر اُخروی فلاح و کامیابی کا سودا کر لیا، حق کا ساتھ دینے کے بجائے کفر کی روش اپنائی اور دعوت حق کے کٹر مخالف بن کر کھڑے ہو گئے! مومنوں کو اطمینان دلایا گیا کہ ان کی یہ ساری کوششیں ناکام و نامراد ہوں گی اور خود انہی کے لیے زیادہ سے زیادہ ذلت و رسوائی کا سبب بن جائیں گی۔ دوسری طرف یہ منافقین بھی زبان سے تو اقرار کر کے بظاہر ایمان والوں میں شامل ہیں لیکن عملاً کفار ہی کے ساتھ ہیں، افواہیں پھیلانے اور لوگوں کو دین سے برگشتہ کرنے کی کوششوں میں پوری طرح سرگرم ہیں۔ ان کے لیے بھی دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب عظیم ہے۔

(٢٢٠) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک اہم اصول بتایا ہے اور دشمنوں کو دی جانے والی مہلت کی حکمت سے آگاہ کیا ہے۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا اللہ تعالیٰ منکرین حق کو کچھ چھوٹ دیتا ہے، اُن کی سرکشی اور باغیانہ روش پر فوری گرفت نہیں کی جاتی تو وہ اپنے آپ کو دُرست اور کامیاب سمجھنے لگتے ہیں اور اس بات کو حق کے خلاف پروپیگنڈہ کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس کا سدباب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ان کی خام خیالی ہے، یہ مہلت اس لیے دی گئی ہے کہ اس طرح وہ گناہوں کے ارتکاب اور نافرمانی و سرکشی میں آگے بڑھتے رہیں اور شدید سے شدید عذاب کے مستحق ٹھہریں، چنانچہ وہ دین حق کی دشمنی میں

نہایت ہی سرگرمی سے آگے بڑھے جا رہے ہیں اور بالآخر ہولناک اور رسوا کن عذاب کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔

(۲۲۱) اسی تسلسل میں مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ان منافقوں کو جو ڈھیل دی گئی تھی اُس کا انہوں نے یہ "فائدہ" اُٹھایا کہ سرکشی میں اور آگے بڑھے اور عین جنگ کے موقعہ پر مومنوں کے لشکر سے علیحدگی اختیار کر کے اپنی دانست میں اسلام کو شدید نقصان پہنچایا، لیکن درحقیقت انہوں نے اپنے ہی چہروں کو بے نقاب کر دیا اور ان کے دعوائے ایمان کی حیثیت لوگوں کے سامنے واضح ہوگئی اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ یہ منافق ذرا بھی قابل اعتماد نہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی حکمت مہلت کا ایک عملی نمونہ سامنے آ گیا۔ آزمائش اور مہلت کی حکمت عملی نے کھرے اور کھوٹے، مخلص اور منافق کو الگ الگ کر دیا۔ پہلے یہ صفوں میں خلط ملط تھے اور مخلص مجاہدوں پر اثر انداز ہوتے تھے لیکن اب کھل کر سامنے آ گئے۔ اس طرح خبیث وطیب یعنی مخلص مومن و منافق میں امتیاز کر دینا ہی اللہ تعالیٰ کی حکمت مہلت کا زبردست کارنامہ ہے۔

(۲۲۲) ایک اور اصولی بات کی وضاحت کی گئی ہے۔ دلی کیفیات کا تعلق غیبی اُمور سے ہے، کسی کو نہیں معلوم کہ کون خبثِ باطن میں مبتلا ہے، منافقت اور اسلام دشمنی کے جذبات دل میں چھپائے ہوئے ہے، اور کون ایمان اور اخلاص کا پیکر ہے۔ کھرے اور کھوٹے کا یہ فرق لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہی رہتا ہے جب تک کہ حالات اس کو ظاہر اور واضح نہ کریں۔ یہ بھی ایک امر واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منصوبے اور اس کی حکمت عملی حالات کی شکل میں ہی رونما ہوتے ہیں اور متعلقہ غیبی اُمور سے لوگوں کو مطلع نہیں کیا جاتا بلکہ ایمان والوں کو آزمائش کے مرحلے سے ہی گزارا جاتا ہے، اس سے ایک طرف تو مومنوں کی تربیت کا مقصد حاصل ہوتا ہے تو دوسری طرف کھرے اور کھوٹے کا فرق نمایاں ہو جاتا ہے، البتہ رسولوں کو حسب ضرورت غیبی باتوں سے آگاہ کر دیا جاتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن کی بے شمار آیات کی طرح یہ آیت بھی رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے غیبی معاملات سے لاعلم ہونے کا بیّن ثبوت ہے، یعنی نبی کو غیب کی باتوں کا علم اُسی وقت ہوتا ہے جب اُسے بذریعہ وحی مطلع کیا جاتا ہے۔ البتہ یہاں وہبی اور کسبی علم غیب کا کوئی سوال نہیں جیسا کہ مشرکین کا اپنے جھوٹے الٰہوں سے متعلق عقیدہ تھا اور آج کے مسلک پرست بھی اسی طرح کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ آخر میں ایمان والوں کو تلقین کی گئی ہے کہ اللہ پر ایمان و توکل کے ساتھ رسول اللہ ﷺ پر مکمل ایمان اور اعتماد رکھیں اور اُن کے حکم کی بے چون و چرا تعمیل کرتے رہیں، اس طرح وہ اس امتحان میں کامیاب ہو کر اجر عظیم کے حقدار ہوں گے۔

(۲۲۳) ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ سے مومن کی جان و مال کا جنت کے عوض سودا ہو جاتا ہے (التوبہ:۱۱۱) اس کا مطلب ہے کہ اللہ کی راہ میں جان و مال قربان کیے بغیر ایمان معتبر نہیں ہوتا، لہٰذا مخلص مومن تو مال بھی اللہ کی راہ میں بے دریغ خرچ کرتا ہے اور میدان قتال میں جان قربان کرنے کے لیے بھی بخوشی تیار رہتا ہے۔ اسکے برعکس آخرت سے غافل، مال و زر کا دیوانہ منافق اللہ سے مال کی فراوانی کی دعا کرتا ہے اور اللہ کی راہ میں انفاق کا وعدہ بھی کرتا ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مال عطا کر دیتا ہے تو وہ زکوٰۃ دینے سے کترانے لگتا ہے۔ ایسے ہی بخیل کے لیے فرمایا کہ یہ سمجھتا ہے کہ مال کو ناجائز طریقے سے بچانا اور جمع کر کے رکھنا اس کے لیے فائدہ مند ہوگا، اس کے مستقبل کے سہانے خوابوں کی اس کے ذریعے تکمیل و تعبیر ہوگی...... یہ اس کی محض نادانی اور جہالت ہے، یہ مال اس کے لیے فتنہ اور وبال ثابت ہوگا اور روز قیامت یہ مال اُس کے گلے کا طوق بن جائے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص جسے اللہ مال دے اور وہ اس کی زکوٰۃ نہ ادا کرے تو قیامت کے دن اس کا مال ایک گنجا اور دو نقطوں والا اور سانپ بن کر اس کے گلے میں طوق کی طرح ڈال دیا جائے گا، وہ اس کی باچھیں پکڑ کر کہے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی (بخاری: کتاب التفسیر)۔

(۲۲۴) زمین اور آسمانوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور وہی ان سب کا مالک ہے۔ انسان کو چند روزہ زندگی میں حق استعمال ملا ہے تو اُس نے سمجھ لیا کہ وہ خود اس کا مالک ہے اور انفاق فی سبیل اللہ سے گریز کرتا ہے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے بھاگتا ہے۔ اسکو بتایا گیا کہ یہ سب تو اللہ ہی کی میراث ہے، تم تو تہی دست و تہی داماں دنیا سے رخصت ہو گے اور بالآخر اللہ اس کا وارث ہوگا۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْھُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاۗءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝

اللہ نے اُن کا قول سُن لیا جو کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں [۲۲۵] انہوں نے جو کچھ کہا ہے ہم اُسے لکھ لیں گے، اور اُن کا انبیاء کو ناحق قتل کرنا بھی، اور (یوم حساب) کہیں گے چکھو جلا ڈالنے والا عذاب! [۲۲۶] ﴿۱۸۱﴾ یہ ہے تمہارے اُن اعمال کا بدلہ جو تم نے آگے بھیجے ہیں، اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے ﴿۱۸۲﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم سے عہد لے لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ ایسی قربانی پیش نہ کرے، جس کو آگ کھا جائے [۲۲۷] تم کہو کہ مجھ سے پہلے (بھی) رسول تمہارے پاس نشانیاں لے کر آئے تھے، اور وہ (معجزہ) بھی لائے تھے جس کا تم ذکر کرتے ہو، پھر تم نے اُن کو کیوں قتل کیا، (بتاؤ) اگر تم سچے ہو! [۲۲۸] ﴿۱۸۳﴾ پھر بھی اگر وہ تمہیں جھٹلائیں تو تم سے پہلے (کتنے ہی) رسول جھٹلائے گئے ہیں جو واضح نشانیاں، صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے [۲۲۹] ﴿۱۸۴﴾ ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے، اور تمہیں پورے پورے اجر تو قیامت کے روز ہی ملیں گے۔ پھر جو آگ سے بچا دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا بس وہی کامیاب ہے، اور دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سامان ہے [۲۳۰] ﴿۱۸۵﴾

(۲۲۵) اس قسم کے نازیبا اور گستاخانہ اقوال یہودیوں سے منقول ہیں جو ابن کثیر وغیرہ میں مختلف حوالوں سے بیان کیے گئے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو انفاق کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا..... كَثِيْرَةً "کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے، تو اللہ اُسے کئی گنا بڑھا دے" (البقرۃ: ۲۴۵)، تو یہودیوں نے ازراہ تمسخر کہا کہ "اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں، لہٰذا ہم سے قرض طلب کیا جا رہا ہے" (العیاذ باللہ!) یہودی مال کی محبت اور دنیا پرستی میں ایسے مدہوش اور اللہ کے عذاب سے قطعاً بے خوف ہو گئے تھے کہ اُن کی زبانیں بھی بے لگام ہو گئی تھیں اور شانِ باری تعالیٰ میں زبان درازی سے بھی گریز نہ کرتے تھے! انتہائی افسوس اور حیرت کا مقام ہے کہ اس اُمت کے شعراء اور صوفیاء تو رب ذوالجلال سے زبان درازی میں تمام ہی حدود سے تجاوز کر گئے ہیں، ان کے شاعرانہ کلام اور ملفوظات پر نظر ڈالنے سے صاحبِ ایمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں!

(۲۲۶) ابھی مہلت امتحان میں فکر و لسان کی آزادی ہے تو یہ ایسی باتیں کر رہے ہیں لیکن ان کا قول ان کے نامۂ عمل میں ریکارڈ کر لیا گیا ہے، اور اِن کے اکابر و اسلاف کی نافرمانی اور سرکشی کے پچھلے واقعات بھی نامۂ عمل میں درج ہیں جن میں انبیاء علیہم السلام کے قتلِ ناحق کے واقعات بھی شامل ہیں۔ ان کی تاریخ ایسے سیاہ کرتوت سے بُری طرح آلودہ ہے، اور ان کے ان جرائم کی پاداش میں ان کے لیے شدید جلا ڈالنے والا عذاب تیار ہے، آج فکر و عمل کی آزادی ہے اُس وقت کہا جائے گا چکھو اس عذاب کا مزا!

(۲۲۷) پچھلے ادوار میں قربانی کے قبول ہونے کی یہ دلیل ہوتی تھی کہ معجزانہ طور سے آسمان سے نمودار ہونے والی آگ اُس کو بھسم کر دیتی تھی (آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل کی قربانی کے اس طرح سے قبول ہونے کا ذکر قرآن میں ہے [المائدہ: ۲۷]) چونکہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت کی دلیل کے طور پر بھی ایسے واقعات ظہور پذیر ہوئے چنانچہ یہودیوں نے لوگوں کو فریب دینے اور اپنی جان چھڑانے کے لیے یہ عذر تراشا کہ آخری رسول اللہ ﷺ پر ایسے معجزے کا ظہور نہیں ہوا تو ہم ان پر ایمان کیسے لائیں!

(۲۲۸) اُن کی اس فریب کارانہ چال کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ ان سے ذرا یہ تو پوچھ لو کہ ان کے اکابرین و اسلاف نے معجزے دیکھ لینے کے باوجود اور قربانی والا معجزہ بھی دیکھ لینے کے بعد انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کے بجائے ان کو کیوں قتل کیا تھا! اب یہ کس منہ سے معجزے کا مطالبہ کر رہے ہیں؟ ثابت ہوا کہ ان کا یہ عذر قطعاً باطل ہے، یہ معجزے دیکھ لینے کے بعد بھی ایمان لانے والے نہیں۔

(۲۲۹) رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ تمام دلائل کے باوجود اور اِن کے اُٹھائے ہوئے اشکالات کے جوابات پیش کر دینے کے بعد بھی وہ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو اِس سے آزردہ خاطر نہ ہونا، یہ کوئی نئی بات نہیں، تم سے پہلے بھی بہت سے رسول جو نشانیاں، صحیفے (یعنی اوراق) اور نور ہدایت سے منور کتاب لے کر آئے تھے، معجزے اور نشانیاں دیکھ لینے کے باوجود ان کو جھٹلایا گیا، حالانکہ اُنہوں نے اُن کا مطلوبہ معجزہ بھی دکھایا تھا کہ آسمان سے نازل ہونے والی آگ نے قربانی کو کھا لیا۔ یہ ضدی اور ہٹ دھرم تمام دلائل و براہین دیکھ کر بھی اپنے باطل موقف پر قائم رہنے کے عادی ہیں۔

(۲۳۰) یہودیوں کے اِعراضِ حق کا انداز بیان کر دینے کے بعد ایمان والوں کو تلقین کی جا رہی ہے کہ یہ انسان کی بدبختی ہے کہ چند روزہ زندگی کی بہاروں اور لذتوں میں مست و بے خود ہو کر اور مال و زر کی محبت میں دیوانہ ہو کر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے اور محض دنیا کے مفادات کی خاطر دعوت حق سے منہ موڑ لیتا ہے۔ کیا یہ نہیں جانتا کہ یہ زندگی اور اس کی رونقیں عارضی اور ناپائیدار ہیں، اور اس کے شب و روز کو انسان کے امتحان و آزمائش کے لیے پُرکشش بنا دیا گیا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ خواہ کوئی تنگدست و مسکین ہو یا تونگر و صاحب اقتدار، موت کا ذائقہ تو ہر ایک کو بہرحال چکھنا ہے اور موت کے بعد ایک ہی طرح حساب و کتاب کے مرحلے سے بھی گزرنا ہے، کسی بھی نبی یا ولی کو موت سے مفر نہیں۔ دنیا کی دل لبھانے والی مصروفیات انسان کو آخرت سے غافل رکھتی ہیں یہاں تک کہ آخری ہچکی دنیا سے تعلق کو منقطع کر دیتی ہے، اور ساری دوڑ دھوپ کے بعد کمایا اور جمع کیا ہوا ساز و سامان اور سرمایۂ حیات یہیں چھوڑ کر خالی ہاتھ دارالعمل سے دارالجزا میں پہنچ جاتا ہے! اس وقت یہ رقت انگیز حقیقت سامنے آتی ہے کہ دنیا اور اس کی زیب و زینت کیسی ناپائیدار اور بے وقعت تھی، گویا کہ یہ سب کچھ ایک منظر تھا جو چند لمحوں کے لیے سامنے آیا اور پھر غائب ہو گیا، یا ایک خواب دیکھا تھا اور اب آنکھ کھل گئی! یوم حساب یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ نہ تو دنیا کی کامیابی حقیقی

کامیابی تھی اور نہ وہاں کی ناکامی حقیقی ناکامی، دراصل کامیابی اور ناکامی کا فیصلہ تو اب ہوگا، اور کامیاب اور خوش نصیب بس وہی ہوگا جو عذاب جہنم سے نجات پائے اور جنت میں داخلے کا پروانہ پائے! ترمذی کی حسن صحیح روایت میں ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "نبی ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایک کوڑا (یا چابک) کے برابر جگہ دنیا اور اس میں جو کچھ ہے اُس سے بہتر ہے، اگر چاہو تو پڑھ لو: فَمَنْ زُحْزِحَ ...... اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ" (ترمذی: ابواب التفسیر)

لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِیْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَـنًا قَلِیْلًا ۭ فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ ۝ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّھُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

تم اپنے مالوں اور جانوں میں یقیناً آزمائے جاؤ گے (۲۳۱)، اور اپنے سے پہلے اہل کتاب اور مشرکوں سے تمہیں تکلیف دہ باتیں ضرور سننا پڑیں گی (۲۳۲) اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ پر قائم رہو تو یہ بڑے ہی حوصلے کا کام ہے (۲۳۳) ﴿۱۸۶﴾ اور اللہ نے جب اہل کتاب سے عہد لیا تھا کہ تم اس (کتاب) کو لوگوں میں ضرور بیان کرو گے اور اس کو چھپاؤ گے نہیں (۲۳۴) پھر انہوں نے اس (عہد) کو پس پشت ڈال دیا اور اس کے بدلے میں تھوڑی قیمت لے لی، کیسا بُرا سودا ہے (۲۳۵) جو یہ کر رہے ہیں! ﴿۱۸۷﴾ وہ لوگ جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں۔ اور جو کام انہوں نے نہیں کیے اُن پر (بھی) تعریف چاہتے ہیں، اُن کے بارے میں یہ نہ سمجھنا کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے، اُن کے لیے تو دردناک عذاب ہے (۲۳۶) ﴿۱۸۸﴾ آسمان اور زمین پر اللہ ہی کا اقتدار ہے، اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے (۲۳۷) ﴿۱۸۹﴾

(۲۳۱) ایمان والوں کو اس بات کی پھر یاددہانی کرائی گئی ہے کہ انہیں جان ومال کی آزمائش میں ضرور مبتلا کیا جائے گا۔ دراصل اہل ایمان کی تربیت اور اُن میں صبر وتحمل کے اوصاف ابھارنے کے لیے آزمائشی مراحل سے گزارنا ضروری سمجھا گیا ہے اور اس بات کو مکی ومدنی سورتوں میں متعدد بار بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں بھی اس بات پر کافی زور دیا گیا ہے، اور مصائب و آلام پر صبر کرنے والوں کو اللہ کی رحمتوں کے حقدار ہونے کی خوشخبری دی گئی ہے (البقرہ: ۱۵۵، ۱۵۶) مکے میں انتقامی ردعمل کے جذبے پر قابو رکھتے ہوئے کفار کے مظالم پر صبر کرنا لازمی قرار دیا گیا تھا، ہجرت کے بعد یہود ومنافقین کی ریشہ دوانیوں، سازشوں، زباں درازیوں اور گستاخانہ باتوں پر صبر کے ساتھ اعلیٰ ظرفی اور بلند اخلاقی کا مظاہرہ کرنا ضروری تھا تا کہ دعوت حق مؤثر ہو، مخالفین کی حوصلہ شکنی ہو اور فتنہ اُٹھانے والوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے۔ ان جاں گسل اور صبر آزما حالات میں آزمائشوں کے ابتدائی مراحل سے گزرنے کے بعد اہل ایمان مجاہد جان ومال کی شدید آزمائش برداشت کرنے اور میدان قتال میں ثابت قدم رہ کر باطل کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہوگئے تھے۔

(۲۳۲) عرب کے مشرکوں اور یہود ونصاریٰ کا اسلام دشمنی میں تقریباً یکساں کردار تھا، رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کو طعن وتشنیع اور زبان درازی کے ذریعے ستانے میں وہ کوئی بھی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ بخاری میں اسی سلسلے میں غزوۂ بدر سے پہلے کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: نبی ﷺ ایک گدھے پر سوار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے جا رہے تھے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے سوار تھے، راستے میں کچھ لوگ ملے جن میں عبداللہ بن اُبی بن سلول بھی تھا (وہ ابھی ایمان نہ لایا تھا) اور کچھ مشرک اور یہودی بھی تھے، اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول بھی وہاں موجود تھے۔ عبداللہ بن اُبی نے گرد اُڑنے پر ناگواری کا اظہار کیا اور جب رسول اللہ ﷺ نے قرآن سنایا اور دعوت اسلام پیش کی تو عبداللہ بن اُبی نے بیزاری کا اظہار کیا اور کہا کہ "ہمیں تنگ نہ کرو، جو تمہارے پاس آئے ...... اُس کو یہ سناؤ"۔ جبکہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے پسندیدگی کا اظہار کیا اور عرض کیا کہ "اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ہمارے یہاں آیا کیجیے اور اس کے ذریعے تذکیر فرمایا کیجیے، ہم تو اس کو پسند کرتے ہیں"۔ اس پر اُن میں تکرار وتلخ کلامی ہوئی اور نوبت ہاتھا پائی تک پہنچی لیکن نبی ﷺ نے اُن کو خاموش کرایا اور معاملہ رفع دفع ہوگیا۔ نبی ﷺ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے یہاں پہنچے اور اُن کو عبداللہ بن اُبی کے طرز عمل اور گستاخانہ باتوں سے مطلع کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ "آپ اس کی بات سے درگزر فرمایئے، قسم اس ذات کی جس نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے، اللہ نے آپ پر جو نازل فرمایا ہے وہ حق ہے اور آپ اللہ کے سچے نبی ہیں۔ مدینے والوں نے آپ کے آنے سے پہلے اس کو سردار بنانے اور اس کی تاجپوشی کا ارادہ کر لیا تھا لیکن آپ کے تشریف لانے سے وہ منصوبہ دھرا رہ گیا۔ اسی لیے آپ کا آنا اس کو سخت ناگوار ہے اور وہ برابر گستاخی کرتا رہتا ہے۔ نبی ﷺ نے اس کو معاف کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ عادت ہوگئی تھی کہ وہ اللہ کے اس حکم کے مطابق وَلَتَسْمَعُنَّ ...... الیٰ آخر الآیۃ کفار اور اہل کتاب کی

گستاخانہ دکھ دینے والی باتوں پر صبر کرتے اور اُن کو معاف کر دیا کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قتال کا حکم دیدیا اور غزوۂ بدر ہوا جس میں اللہ نے مسلمین کے ہاتھوں بڑے بڑے کفار کے سرداروں کو قتل کرادیا اور عبداللہ بن اُبَی کو معہ اپنے (منافق) ساتھیوں کے ظاہراً اسلام قبول کر لینے پر مجبور ہونا پڑا (بخاری: کتاب التفسیر)۔ اس میں ایمان والوں کے لیے اہم نصیحت ہے کہ دعوت کے دور میں اللہ کی رضا کے لیے حالات پر صبر، توکل علی اللہ اور ہر حال میں استعانت باللہ کی روش پر جمے رہنا لازمی ہے۔

(۲۳۳) مذکورہ بالا حالات میں انتقامی ردِّ عمل کے جذبات کو قابو میں رکھنا مشکل ہوتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے تربیت اور تزکیے کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا، اِسی مقصد کے لیے یہاں اہل ایمان کو اس بات کی پُر زور تلقین کی گئی ہے کہ یہ مشکل کام ہے اور اس کے لیے بڑے ہی عزم وحوصلے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے صبر وتقویٰ ضروری ہیں۔ سورۂ حٰمٓ سجدہ میں بھی دعوتِ حق کو احسن طریقہ سے پیش کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا گیا کہ ہر بُرائی کو اچھے طریقے سے دفع کرو، اور ساتھ ہی یہ بھی بتادیا گیا کہ یہ کام وہی کر سکتے ہیں جو صبر کی صفت کے حامل ہیں اور وہ ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ یعنی بڑے ہی نصیب والے ہیں (آیت ۳۵)۔ اللہ تعالیٰ اِن اوصاف سے نوازے، آمین!

(۲۳۴) بنی اسرائیل سے جو عہد لیے گئے ہیں قرآن میں اُن کا متعدد مقامات پر ذکر ہے اور یہاں اِس عہد کا ذکر کیا گیا ہے کہ اہل کتاب اللہ کی نازل کردہ کتاب ہدایت کی تعلیمات کو چھپا کر نہ رکھیں بلکہ اس کو بیان کرتے رہیں اور لوگوں میں اس کی تبلیغ واشاعت کرتے رہیں اور ہر اہل علم کی یہ ذمہ داری ہے۔ اللہ کی کتاب تو بنی نوع انسان کی ہدایت ورہنمائی اور اُن کے عقائد واعمال کی اصلاح کا ذریعہ ہوتی ہے، اور اس میں اُن کے لیے دنیا و آخرت میں خیر وفلاح کا پیغام ہوتا ہے، اس سے ہدایت حاصل کر کے اس پر عمل پیرا ہونے والوں کا ایک اعلیٰ قسم کا معیاری معاشرہ تیار ہوتا ہے، وہ دنیا میں خلافتِ ارضی کے منصب پر فائز کیے جاتے ہیں اور جنت کی دائمی نعمتوں کے مستحق ٹھہرادیے جاتے ہیں۔ کیسے ظالم ہیں وہ لوگ جو اس انقلابی پیغام ہدایت سے انسانوں کو محروم رکھیں!

(۲۳۵) یہاں علمائے یہود کے کردار کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کا پُرفریب پیشہ ورانہ انداز یہ ہے کہ اللہ پر تہمت طرازی سے بھی نہیں چوکتے، کہتے ہیں کہ ہم سے یہ اقرار لے لیا گیا ہے کہ صرف اُسی نبی پر ایمان لائیں جو قربانی والا معجزہ پیش کرے، اس کا پہلے رد کر دیا گیا ہے (آل عمران: ۱۸۳)، لیکن اصل عہد جو ان سے لیا گیا تھا اُس کو چھپا گئے ہیں، کتنے بڑے مجرم ہیں یہ لوگ جو اللہ کی کتاب کا علم ہونے کے باوجود دنیاوی مفادات کی خاطر اس کی تعلیمات اور اسکے احکامات کو نشر کرنے کے بجائے اس کو چھپانے میں لگے ہوئے ہیں! حقیقت یہ ہے کہ اُمت کے اکابر اور دانشور جب آخرت کے بجائے دنیا کی طرف جھک جاتے ہیں تو اندازِ فکر، بالکل ہی بدل جاتا ہے، کتاب اللہ سے ہدایت حاصل کرنے کے بجائے اس کو محض دنیا کمانے کا ذریعہ بنالیا جاتا ہے، اِسی مقصد کے لیے علم حاصل کرتے ہیں اور پھر اسی دوڑ دھوپ میں گم ہو جاتے ہیں۔ آج یہ اُمت بھی اسی مرض میں مبتلا ہوگئی ہے، قرآن وحدیث کی انقلابی دعوت کو چھپالیا گیا ہے اور مسائل واحکامات کو اس انداز سے پیش کیا جاتا ہے کہ دنیاوی مفادات محفوظ رہیں۔ قرآن میں اس رویے کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ سورہ بقرہ میں ایک جگہ کتاب اللہ کی دعوت کا کتمان کرنے (چھپانے) والوں پر شدید لعنت کی گئی ہے (البقرہ:۱۵۹ تا ۱۶۲)، اور دوسری جگہ دنیا کے مفادات حاصل کرنے کی غرض سے کتاب اللہ کا کتمان کرنے والوں کو "آگ سے پیٹ بھرنے والے" اور "مغفرت کی جگہ عذاب کا سودا کرنے والے" کہا گیا ہے اور فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ اُن سے کلام بھی نہ کرے گا" اور نہ اُن کو پاک کرے گا اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے" (البقرہ:۱۷۴،۱۷۵)۔ سورۂ اعراف میں ایک ایسے کافر کا ذکر کیا گیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کا علم عطا کیا، لیکن اُس نے اپنے آپ کو اُن سے آزاد کر لیا اور دنیا کی طرف جھک پڑا، یعنی چاہیے تو یہ تھا کہ خود ہدایت پا کر اُن کی پابندی کرتا اور دوسروں کی اصلاح کرتا تو دنیا میں بھی عزت وسربلندی ملتی اور آخرت میں انعام پانے والوں میں شامل ہوتا لیکن وہ دنیا کا حریص ہو کر اس علم سے دنیا کمانے میں لگ گیا، تو فرمایا کہ "ایسے نفس پرست عالم" کی مثال کَمَثَلِ الْکَلْبِ یعنی کتے کی سی ہے......! (آیات ۱۷۵،۱۷۶)۔ کیسی بُری سوداکاری کی ہے ان بد نصیبوں نے! دیدۂ بینا رکھنے والوں کے لیے اس میں سخت عبرت کا مقام ہے۔

(۲۳۶) مخلص مومن اللہ کی رضا کے لیے نیک کام کرتا اور اُسی سے اجر کا طلب گار ہوتا ہے اور اس بات کا آرزو مند رہتا ہے کہ اس کا عمل اللہ کے یہاں قبول ہو جائے، اُس کی نہ یہ نیت ہوتی ہے اور نہ ہی خواہش کہ لوگوں میں تعریف وتوصیف اور شہرت و پروپیگنڈا ہو، بلکہ وہ تو ایسی باتوں کو سخت ناپسند کرتا ہے کہ لوگ اس کے سامنے اس کی تعریف کریں، اس کو یہ خدشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُس کا اجر ضائع ہو جائے۔ اسکے برعکس دنیادار منافق اور آخرت سے بے پرواہ دنیا کے فائدے اور لوگوں میں شہرت اور نیک نامی ہی کا طالب ہوتا ہے اور اسی کو زندگی کا مقصد سمجھتا ہے، اُس کی دوڑ دھوپ اور سارے کام اِسی نیت سے ہوتے ہیں اور ہر کام میں نمود ونمائش ہی اس کے پیش نظر رہتی ہے۔ وہ جا و بے جا تعریفوں پر خوب خوش ہوتا ہے، اور لوگوں کے سامنے حمد وستائش کے لیے چھوٹی چھوٹی باتوں اور کاموں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کا عادی ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں منافقین انہی خصائل کے حامل تھے جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔ بخاری کی ایک روایت میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کچھ ایسے منافقین تھے کہ نبی ﷺ جب غزوہ کے لیے نکلتے تو یہ پیچھے رہ جاتے اور اپنی اس چال پر خوش ہوتے (کہ جنگ سے جان چھڑالی) پھر جب

رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لاتے تو عذر پیش کرنے لگتے اور (اہل ایمان کے ساتھ خیر خواہی جتانے اور جنگ میں کامیابی کے لیے اپنی کوششوں کی یقین دہانی کرانے کے لیے) قسمیں کھانے لگتے تاکہ ان کی بھی نا کردہ فعل پر تعریف کی جائے اور اس طرح مجاہدوں کی تعریف وتوصیف میں وہ بھی شامل ہو جائیں! اس پر یہ آیت نازل ہوئی (بخاری: کتاب التفسیر) اس کے علاوہ بخاری کے اسی باب میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہودیوں کے بارے میں ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کے سامنے تورات کی اصل بات کو چھپا کر دوسری بات بیان کر دی اور اپنی اس چال پر خوش ہوئے۔ بہرحال ایسے لوگوں کے بارے میں ایمان والوں کو آگاہ کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ جو اپنے منافقانہ کرتوت پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ نا کردہ افعال پر بھی تعریف ہو کسی خوش فہمی میں نہ رہیں کہ حیلہ سازیوں اور چالبازیوں سے وہ عذاب سے بچ جائیں گے، بالآخر اُن کو دردناک عذاب سے ہی دوچار ہونا پڑے گا۔

(۲۳۷) اللہ کی دنیا میں اُسی کا اقتدار ہے اور اُسی کا حکم چلتا ہے اور وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھتا ہے، یہ منافق اس دھوکے میں نہ رہیں کہ فریب کاری اور چالبازی سے حالات کو اپنی مطلب براری کے لیے سازگار بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے، اور اللہ کے عذاب سے بھی بچ جائیں گے، امر واقعہ تو یہ ہے کہ ان کو نہ تو یہاں کوئی کامیابی ہوگی اور نہ وہاں اللہ کے عذاب سے بچ سکیں گے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَآ إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهٗ ۖ وَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَآ إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ اٰمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۚ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَآ أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقٰتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کی تبدیلی میں یقیناً عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں [۲۳۸] ﴿۱۹۰﴾ جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں، اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں، (اور پکار اُٹھتے ہیں) اے ہمارے ربّ! تو نے یہ (سب) عبث پیدا نہیں کیا، تو پاک ہے، ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا لینا! [۲۳۹] ﴿۱۹۱﴾ اے ہمارے ربّ! تو نے جس کو جہنم میں ڈالا اُسے تو رُسوا کر دیا، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا [۲۴۰] ﴿۱۹۲﴾ اے ہمارے ربّ! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کے لیے پکارتا تھا (اور کہتا تھا) کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لے آئے [۲۴۱] اے ہمارے رب! اب تو ہمارے گناہوں کو معاف کر دے اور ہماری بُرائیوں کو ہم سے دور کر دے، اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ وفات دے ﴿۱۹۳﴾ اے ہمارے ربّ! ہمیں وہ کچھ عطا کر دے جو تو نے اپنے رسولوں کے ذریعے ہم سے وعدہ کیا تھا، اور قیامت کے دن ہمیں رُسوا نہ کرنا۔ بلاشبہ تو وعدہ خلافی نہیں کرتا [۲۴۲] ﴿۱۹۴﴾ پس اُن کے ربّ نے اُن کی دعا قبول کر لی (اور فرمایا) کہ میں تم میں سے کسی بھی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، تم ایک دوسرے کی جنس ہو [۲۴۳] لہٰذا جن لوگوں نے ہجرت کی، اور جو اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے، جنہوں نے جنگ کی اور شہید ہوئے، یقیناً میں اُن کی برائیوں کو اُن سے دور کر دوں گا، اور اُن کو ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، یہ بدلہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کے پاس بہت اچھا بدلہ ہے [۲۴۴] ﴿۱۹۵﴾

(۲۳۸) اردگرد کے ماحول کے تاثرات و تجربات اور زمین و آسمان کے مشاہدات پر غور و فکر کرنا عقل و دانش کے حامل انسان کی فطرت کا عین تقاضہ ہے، چنانچہ دن و رات کی تبدیلی، موسموں کا تغیر و تبدل، باد و باراں، شمس و قمر اور دیگر اجسام فلکی کا نظم و ضبط اور مقررہ قانون کے مطابق گردش میں رہنا، ان تمام مظاہرات قدرت میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ لیکن ان نشانیوں سے فائدہ کم ہی لوگ اُٹھاتے ہیں، کتنے ہی ہیں جو یوں تو عقل و خرد کی گتھیاں سلجھانے کے ماہر سمجھے جاتے ہیں، منطق و فلسفے میں نمایاں مقام رکھتے ہیں لیکن ان مظاہرات پر نگاہِ غلط انداز ہی ڈال کر گزر جاتے ہیں، ظاہر اسباب میں غلطاں و پیچاں رہ کر دور از کار تاویلات کو ہی کافی سمجھ لیتے ہیں۔ بعض ماہر دانشور اس کائنات کے وجود کو اتفاقی یا حادثاتی قرار دے کر جان چھڑا لیتے ہیں، کس قدر احمقانہ انداز فکر ہے یہ! کیا کوئی حادثاتی یا اتفاقی وجود ایسا مستحکم، مربوط، پائیدار اور ہر قسم کے نقص و عیب سے پاک ہو سکتا ہے؟ دراصل یہ اس طرح اپنے فلسفے، منطق اور عقل و فراست کا خود ہی مذاق اڑاتے ہیں! یہ انداز فکر قطعاً منفی اور خلاف فطرت ہے اور محض دین سے

فرار اختیار کرنے کی کوشش ہے۔ دوسرے مکتبۂ فکر کے لوگ اللہ تعالیٰ کے خالق کائنات اور مدبّر الامور ہونے کا اقرار تو کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی انبیاء اور اولیاء کو اللہ کے ساتھ شریک کر کے گمراہی کی روش اپنا لیتے ہیں، ایسے تمام لوگوں کے لیے فرمایا کہ ''ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان کے (زبانی) اقرار کے باوجود مشرک ہی رہتے ہیں'' (یوسف:۱۰۶) البتہ حق کے متلاشی صحیح معنوں میں اِن نشانیوں پر غور کرتے ہیں ان کی متجسس نگاہیں اُن کو حقائق کی گہرائیوں میں لے جا کر صحیح نتیجے تک پہنچا دیتی ہیں، وہ اس حقیقت کو پا لیتے ہیں کہ اس عظیم الشان کائنات کو بنانے اور چلانے والی ایک ہی ہستی ہے جو انتہائی عظیم، قادرِ مطلق، انتہائی زبردست حکیم و دانا ہے ذرۃ سے افلاک تک منظم و مربوط کائنات اُسی کے حکم سے چل رہی ہے، اور یہ پوری طرح اس کے قبضۂ قدرت میں ہے، اس کی ذات، صفات اور اختیارات میں کوئی شریک نہیں سب اس کے بندے اور محتاج ہیں۔ اس طرح اپنے رب کی عظمت و کبریائی اور وحدانیت کا شعور و ادراک حاصل کرنے کے بعد اس کی نعمتوں کے اعتراف اور جذبۂ تشکر کے ساتھ اُن کا دل رب کی محبت سے سرشار ہو جاتا ہے اور اُن کی زبان اور قلب و ذہن اُس کے ذکر اور یاد میں مشغول رہتے ہیں اور اسی پر غور و فکر کرتے رہتے ہیں جیسے کہ اس آیت میں بیان ہوا ہے۔ صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کا خلاصہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ تہجد کے لیے اُٹھے اور سورۂ آلِ عمران کی آخری دس آیات تلاوت کیں (بخاری: کتاب التفسیر) اس سے ان آیات کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

(۲۳۹) اس عظیم اور وسیع کائنات کے علاوہ خود انسان اور تمام جانداروں کی تخلیق کے مختلف مراحل، غذا رسانی اور پرورش کا نظام ایک طرف تو ربّ کائنات کی عظیم قدرت و حکمت کا مکمل ثبوت ہے اور اُس کی اُلوہیت و ربوبیت اور وحدانیت کی بیّن دلیل، تو دوسری طرف انتہائی نظم و ضبط اور عدل و انصاف پر مبنی یہ پورا نظام اِس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے بھی کافی ہے کہ یہ سب عبث اور بے مقصد نہیں بنایا گیا۔ غور و فکر کرنے والی آنکھ سے یہ حقائق کیسے اوجھل رہ سکتے ہیں کہ اس دنیا میں جہاں زمین میں دبائے ہوئے دانے سے بہترین غذاؤں اور پھلوں اور میووں سے لدے ہوئے پودے اور درخت حاصل ہو رہے ہوں، جہاں سمندروں سے لیا ہوا نمکین پانی بھاپ بن کر اُٹھے اور میٹھا پانی بن کر برسے اور مخلوقات کے لیے بہترین سامان زیست فراہم کرے، ایسی مقصدیت و معنویت پر مبنی قانون کے مطابق چلنے والی کائنات کے اس گوشۂ زمین میں کیسے ممکن ہے کہ ایک حُسنِ عمل کے پیکر شخص کو جو ساری زندگی اپنے ربّ کی اطاعت و فرمانبرداری میں، سچائی و راست بازی اور عدل و انصاف کے ساتھ گزار دے مگر اس کو اس کا کوئی پھل یا صلہ نہ ملے، جہاں جابر و ظالم کی کوئی پکڑ نہ ہو اور مظلوم سسکتا ہوا دنیا سے چلا جائے! غور کرنے والا اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے کہ اس دنیا میں انسان کو عقل و شعور کے ساتھ جو آزادی و اختیار دے کر امتحان میں ڈالا گیا ہے، اس کے لیے یوم حساب یعنی عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کا دن آنا لازمی ہے جب کہ ظالم کو قرار واقعی سزا ملے، مظلوم کی فریاد رسی ہو اور پاکبازی، تقویٰ اور حسن عمل کا صلہ و انعام دیا جائے۔ وہ سمجھ لیتا ہے کہ امتحان زندگی میں کامیاب ہونے والے کے لیے جنت کی دائمی نعمتیں اور ناکام و نامراد کے لیے جہنم کا عذاب مقدر ہوگا۔ وہ بے ساختہ پکار اُٹھتا ہے کہ اے ہمارے رب تو نے یہ سب بے مقصد نہیں بنایا، تو پاک ہے ایسی کمزوری سے کہ کوئی کام بے مقصد کرے! الغرض، یوم حساب کی اس عظیم عدالت میں پیشی اور جوابدہی کے احساس ہی سے اس کا دل کانپ اُٹھتا ہے اور وہ ربّ ذوالجلال کی بارگاہ میں عاجزی سے گڑگڑاتے ہوئے عذاب جہنم سے بچنے کی التجا کرنے لگتا ہے۔ اگلی آیات اُس کی اِن دعاؤں پر مشتمل ہیں۔

(۲۴۰) وہ اس بات کو بھی سمجھتا اور اس پر یقین رکھتا ہے کہ وہ عدالت، دنیاوی عدالت کی طرح نہ ہوگی جہاں دھونس و دباؤ، رشوت اور بے جا سفارش سے فیصلوں کو تبدیل کرا لیا جائے، وہاں تو کسی کو لب کشائی کا بھی یارا نہ ہوگا۔ البتہ رب کریم کی طرف سے نبی یا اللہ کے صالح بندے کو جب شفاعت کا اذن ملے گا تو وہ صحیح سفارش کرے گا، کسی مشرک و سرکش کی تو ہرگز سفارش نہ کی جا سکے گی۔ اور کسی ظالم کی حمایت کرنے کی کسی کو جرأت تک نہ ہوگی۔

(۲۴۱) کائنات کے مشاہدات اور اس کی وسعتوں اور ہر قسم کے عیب و نقص سے پاک نظام پر غور و فکر کرنے والا اس کے خالق اور مدبّر کی عظمت و قدرت، حکمت و کبریائی اور وحدانیت کا دل کی گہرائیوں سے معترف ہو جاتا ہے، اور اُس کی بے حساب نعمتوں پر جذبۂ شکر اور عقیدت و محبت سے اس کا دل سرشار ہو جاتا ہے، اُسے مروّجہ آبائی دین اور مشرکانہ عقائد و اعمال سے نفرت و بیزاری کا شدید احساس ہونے لگتا ہے چنانچہ وہ دین حق کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتا ہے، پھر اللہ کے نبی یا کسی مومن داعی حق کی اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ کی پکار گویا اُس کے دل کی آواز ہوتی ہے، وہ اس پر بے ساختہ اٰمنّا کہتا ہے اور اس دعوتِ حق کا بھرپور ساتھ دینے والا بن جاتا ہے۔ یہاں ایک اہم بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بے انتہا فضل و کرم ہے کہ اُس نے کائنات کی تخلیق کے مقصد، اس کے خالق اور کائنات میں انسان کی حیثیت کے اہم پہلوؤں کی وضاحت اپنے نبی کے ذریعے کرا دی اور اس کو فلاسفروں، سائنس دانوں اور شیطانی وسوسہ اندازیوں کے حوالے نہیں کیا ورنہ انسان کو گمراہی کی دلدل سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ ملتا! قرآن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑے ہی آسان الفاظ میں اس اہم حقیقت کو بیان کر دیا ہے، فرمایا ''وہی ہے جس نے (اے انسانو!) زمین پر سب کچھ تمہارے لیے پیدا کیا......'' (البقرہ:۲۹) اس سے قبل بتایا کہ ''وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسایا......'' البقرہ:۲۲) دنیا کی بے شمار مخلوقات میں انسان کو ایک منفرد اور امتیازی مقام عطا کیا گیا، یعنی اس کو اشرف المخلوقات بنایا گیا۔ اس موضوع پر

مزید تفصیل سورۂ بقرہ آیات ۳۰-۳۱ میں ملاحظہ کر لی جائے۔ پھر انسان کی تخلیق کے مقصد کو بھی واضح کر دیا گیا، فرمایا ''میں نے جن وانس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں'' ۔(الذاریات:۵۶) اس طرح مقصد تخلیق پوری طرح واضح ہو گیا۔ دنیا انسان کے لیے بنائی گئی تو انسان کو اللہ نے اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا۔ الغرض قرآن نے اس بنیادی مسئلے کی وضاحت کر کے ہر قسم کے گمراہ کن نظریات کا قطعاً سدباب کر دیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

(۲۴۲) اب جبکہ اللہ کے فضل وکرم سے بندے کا اپنے ربّ سے قلبی تعلق اُستوار ہو جاتا ہے اور واسطے وسیلے کی خود ساختہ دیواریں منہدم ہو جاتی ہیں تو فکر آخرت اور یوم حساب کی پیشی کا احساس اسکو اپنے مالک حقیقی کے سامنے گڑگڑا کر معافی مانگنے اور پچھلے گناہوں کی مغفرت کی التجا کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ وہ دل سے چاہتا ہے کہ اللہ کے نیک اور انعام پانے والے بندوں میں شامل ہو۔ اور روز قیامت حساب وکتاب کی سختی اور ذلت ورُسوائی سے بچ جائے۔ اب یہ بھی رب کریم کا فضل وکرم ہے کہ اُس نے اپنے بندوں کو اُن کی دلی خواہش کے مطابق دعا واستغفار کے مکمل اور جامع الفاظ سکھا دیے۔ اللہ کے مومن بندوں کو پورا یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعے جو وعدہ فرمایا ہے کہ شرک سے پاک ایمان اور عمل صالح کے حامل افراد کو جنت کی نعمتوں سے نوازا جائے گا، یہ وعدہ یقیناً پورا ہوگا، اس کی راہ میں نہ کوئی رکاوٹ ہے اور نہ مخالفت ومزاحمت لہٰذا وعدہ خلافی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۲۴۳) قرآن کا انداز بڑا ہی مؤثر اور حوصلہ افزا ہے، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص بندوں کی دعا قبول کر لی، اس لیے کہ وہ بہت ہی زیادہ قدر رداں ہے اور ایمان اور خلوص نیت سے کیے ہوئے اعمال کو ضائع نہیں کرتا بلکہ خوب بڑھا چڑھا کر اجر دیتا ہے۔ نیز یہ بھی وضاحت کر دی کہ جزائے اعمال کے معاملے میں مرد وعورت میں کوئی تفریق وتمیز نہیں، ہر ایک کو اُس کے ایمان، خلوص نیت اور حُسن عمل کے معیار کے لحاظ سے پورے اجر سے نوازا جاتا ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ معاشرتی معاملات، مثلاً خانہ داری، اولاد کی پرورش، کسب معاش وغیرہ کے علاوہ جہاد وقتال اور دیگر خارجی اُمور میں فطری تقاضوں کے لحاظ سے مرد وعورت کے حقوق وذمہ داریوں میں فرق وامتیاز ہے اور مرد کو تفوق حاصل ہے، لیکن جزا وسزا میں فرق نہیں کیا جاتا، چنانچہ فرمایا گیا ''تم ایک دوسرے کی جنس یا ایک دوسرے کے مانند ہو'' یعنی جزائے اعمال کے معاملے میں تمہارے حقوق یکساں ہیں اور مرد وعورت میں کوئی فرق وامتیاز نہیں۔

(۲۴۴) رب کریم نے اپنے مخلص بندوں کی قربانیوں کی قدر کرتے ہوئے اُن کا ذکر فرمایا ہے۔ ایمان کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کو ستایا گیا، شدید جور وستم کا نشانہ بنایا گیا، جس کی نمایاں مثال آل یاسر، خباب بن الارت اور بلال بن رباح رضی اللہ عنہم ہیں، اس ''جرم'' میں انہیں گھروں سے نکالا گیا' ہجرت پر مجبور کیا گیا' اور پھر دار الہجرت مدینے میں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا گیا بلکہ انتہائی جوش وخروش کے ساتھ اُن پر لشکر کشی کی گئی۔ یہ مخلص مومن جو پورے شعور کے ساتھ دعوت حق کو قبول کر کے اسلام میں داخل ہوئے تھے تمام مراحل میں ثابت قدم رہے۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں ہر آزمائش کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور اس راہ کی ہر رکاوٹ اور مزاحمت کا مردانہ وار مقابلہ کیا، خواہ وہ خاندانی وقبائلی دباؤ ہو یا دنیاوی مفادات، وطن کی محبت ہو یا اپنے ہموطنوں کی ایذائیں، شدید مخالفتیں یا لشکر کشی، کسی بھی صورت حال میں انہوں نے صبر کا دامن نہ چھوڑا۔ پھر اِن کے صبر وتقویٰ اور استقامت کا صلہ انہیں اللہ کی غیبی تائید ونُصرت اور جنتوں کی بشارت کی شکل میں عطا کر دیا گیا۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِلْأَبْرَارِ ۝ وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خَاشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

(اے نبی!) کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے (۲۴۵) ﴿۱۹۶﴾ یہ تھوڑا سا فائدہ ہے (۲۴۶)، پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور وہ کیسا بُرا ٹھکانہ ہے ﴿۱۹۷﴾ البتہ جو اپنے رب سے ڈرتے رہے اُن کے لیے وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے (۲۴۷) مہمانی ہوگی اللہ کی طرف سے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لیے بہت ہی بہتر ہے ﴿۱۹۸﴾ اور اہل کتاب میں یقیناً کچھ ایسے لوگ ہیں (۲۴۸) جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس (کتاب) پر ایمان لائے ہیں جو تم پر نازل ہوئی ہے اور اُس پر بھی جو اُن پر نازل ہوئی تھی۔ وہ اللہ کے آگے عاجزی کرنے والے ہیں، اللہ کی آیات کا تھوڑی قیمت میں سودا نہیں کرتے۔ ان کے لیے اللہ کے یہاں اجر ہے، بلاشبہ اللہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿۱۹۹﴾ اے ایمان والو! صبر کرو، ثابت قدم رہو، اور (مورچوں پر) جمے رہو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ فلاح یاب ہو جاؤ (۲۴۹) ﴿۲۰۰﴾

(۲۴۵) یہاں بظاہر خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے لیکن یہ تلقین تمام اہل ایمان کو کی گئی ہے کہ کفار کا مختلف شہروں میں کاروبار وغیرہ کے سلسلے میں گھومنا پھرنا، مال ودولت میں فراوانی، اور حق کی مخالفت میں سرگرم رہتے ہوئے بھی خوب پھلنا پھولنا اہل ایمان کو کسی دھوکے اور مغالطے میں نہ ڈالے، یہ دنیا کی فراخی اور آسائشیں تو محض متاعِ قلیل ہے، اور کچھ مہلت ہے جو امتحانی منصوبے کے تحت دی گئی ہے۔ سورۂ لقمان میں فرمایا "ہم نے انہیں دنیا کی لذتوں سے فائدہ اُٹھانے کا تھوڑا سا موقع دیا ہے پھر یہ شدید عذاب کی طرف گھسیٹ لائے جائیں گے" (آیت ۲۴)۔

(۲۴۶) چند روز مزے کر لینے کے بعد بالآخر انہیں اپنے ابدی ٹھکانے جہنم ہی میں آنا ہے اور وہ بہت ہی بڑا ٹھکانہ ہے، اُس کا تو ایک ہی پھیرا دنیاوی عیش اور لذتوں کے اثرات کو یکسر زائل کردینے کے لیے کافی ہوگا، کجا یہ کہ ہمیشہ ہی اُس میں رہنا پڑے۔ وہاں "زقوم طعام الاثیم" ہوگا اور حمیم اُن کا مشروب، اس طرح شدید سے شدید عذاب سے مہمان نوازی ہوتی رہے گی (الواقعۃ: ۵۲تا۵۶/ الدخان: ۴۳ تا ۵۰)، العیاذ باللہ! وہاں یہ موت کو پکاریں گے لیکن موت قریب بھی نہ آئے گی۔ چند ہی روز میں خزاں رسید ہوجانے والی بہاروں کی خاطر دائمی بہاروں اور نعمتوں سے منہ موڑنا اور اپنے آپ کو ہلاکت خیز وہولناک عذاب کا مستحق ٹھہرالینا بڑی ہی بدبختی اور نادانی ہے!

(۲۴۷) اس کے برعکس متقی اہل ایمان کے لیے جنت کی دائمی لذت آفریں بہاریں ہوں گی، وہ اس کائنات کے مالک کے مہمان ہوں گے اور اُن کی مہمان نوازی کے لیے ہر قسم کا سامان عیش وہاں موجود ہوگا، اُن کی خواہشات وتوقعات اور استحقاق سے کہیں زیادہ اُن کو عطا کیا جائے گا (سورۃ ق: ۳۵)، اور ساری نعمتوں سے بڑی نعمت یہ ہوگی کہ رب کریم اُن کو اپنے دیدار سے مشرف فرمائے گا (القیامۃ: ۲۳) بلاشبہ اس دنیا میں بڑے سے بڑا مال وزر کا مالک اور صاحب اقتدار بھی اس خوش نصیب جنتی کے مقابلے میں بالکل ہی بےوقعت وبےحیثیت ہے۔ حدیث قدسی میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جو نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا نہ ہی کسی کان نے سنا اور نہ کسی قلب بشر پر اس کا پرتو پڑا" اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو کہ کوئی نفس نہیں جانتا کہ اُس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا پوشیدہ کر رکھا گیا ہے (بخاری: کتاب التفسیر، باب سورۃ سجدۃ) ان دو آیات میں دو قسم کے لوگوں کے انجام کا تقابل بڑے ہی مؤثر انداز میں پیش کر دیا گیا ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ دنیا میں عیش کی زندگی گزارنے والا جہنمی قیامت کے دن لایا جائے گا، اور جہنم کا ایک پھیرا لگانے کے بعد اُس سے کہا جائے گا کہ "اے آدم کے بیٹے! کیا تو نے کبھی خوشحالی دیکھی، کیا کبھی تجھ پر اچھا دور گزرا؟" تو وہ کہے گا کہ "نہیں، اللہ کی قسم، اے میرے ربّ!" اور دنیا میں ایک سختی وتنگدستی کی زندگی گزارنے والا جنتی لایا جائے گا اور جنت کا ایک پھیرا لگانے کے بعد اُس سے کہا جائے گا "اے آدم کے بیٹے! کیا تو نے کبھی تنگدستی وپریشان حالی دیکھی، کیا کبھی تجھ پر سختی وتنگی کا دور گزرا؟" تو وہ کہے گا: "نہیں، اللہ کی قسم، اے میرے رب! مجھ پر کبھی مصیبت کا دور نہیں گزرا، اور میں نے کبھی سختی وتنگی نہیں دیکھی"۔ (مسلم: کتاب صفات المنافقین واحکامهم، باب صبغ الغم اهل الدنیا فی النار..)

یہ بات قابل غور ہے کہ اس دنیا کی حقیقت بس اتنی ہے کہ جہنم کا ایک پھیرا عیش ونعم کے اثرات کو زائل کردینے اور اُن کی یادوں کو یکسر محو کردینے کے لیے کافی ہے اور دوسری طرف جنت کا ایک پھیرا دنیوی مصائب، پریشانیوں اور کلفتوں کی یادوں کو زائل ومحو کردینے کے لیے کافی ہے۔

(۲۴۸) اہل کتاب میں بعض سنجیدہ ذہن اور فکر آخرت رکھنے والے لوگ تھے، جیسے کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو تحقیق کے بعد بلا تامل ایمان لے آئے، اور پھر انہوں نے اپنی قوم وقبیلے سے علیحدگی اختیار کرلی۔ ان کے اوصاف کا ذکر اس سے پہلے آیات ۱۱۳ تا ۱۱۵ میں کیا گیا ہے اور تشریح حاشیہ ۱۳۳ تا ۱۳۵ میں کردی گئی ہے۔ یہاں بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ اللہ سے ڈرنے والے عجز وانکساری کے پیکر ہیں اور ان کی ایک اہم صفت یہ ہے کہ وہ دین کے عوض دنیا نہیں کماتے۔ یہ اُن پیشہ ور دین فروش مولویوں کی طرح نہیں جو یوم حساب سے بے نیاز ہوکر دنیا کمانے میں لگ گئے ہیں چنانچہ حق کو چھپانا اور دین حق کی مخالفت کرنا ان کا مقصد حیات بن گیا ہے۔ یہ ایسے عیوب سے بالکل پاک ہیں۔ بڑا ہی خوش نصیب ہے، وہ عالم جس کا علم اُس میں خوف وخشیتِ الٰہی پیدا کردے (فاطر: ۲۸) اور وہ مجاہدانہ اوصاف سے آراستہ ہوکر دنیا کمانے کے بجائے اُخروی کامیابی کے حصول کے لیے پوری طرح سرگرم ہوجائے۔ اُن کے لیے اللہ کے یہاں بے انتہا اجر ہے۔ حدیث میں ایمان لانے والے اہل کتاب کے لیے دُہرے اجر کا وعدہ کیا گیا ہے (ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۳۳)۔

(۲۴۹) سورۃ کے اختتام پر اہل ایمان کو اپنے اندر چند انتہائی اہم اوصاف کو پروان چڑھانے کی تلقین کی گئی ہے، یعنی صبر، مصابرہ، اور رباط۔ صبر کی تشریح اس سے قبل کردی گئی ہے (حاشیہ ۲۳) مصابرہ کا تعلق اجتماعیت سے ہے، یعنی آپس کے معاملات میں عفو ودرگزر اور احسان کی روش (حاشیہ ۱۵۴)، اس کے علاوہ مخالفین کی ریشہ دوانیوں اور مخالفتوں پر صبر وتحمل، نیز میدان قتال میں جنگ کی شدت میں صبر وثابت قدمی سے جمے رہنا۔ رباط کے لغوی معنی باندھنا ہے، رباط الخیل کے معنی گھوڑا باندھنا۔ رباط کا مفہوم ہے میدان جنگ یا مورچوں میں باطل کی سرکوبی کے لیے کمربستہ، مستعد اور چوکنا رہنا، نیز اپنی اجتماعیت کو مضبوط ومستحکم رکھنے کے لیے ہر قسم کے شیطانی حربوں سے ہوشیار رہنا۔ اس جامع اور مؤثر خطبے کے آخر میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ وہ اپنے اندر ایسے مجاہدانہ اوصاف پروان چڑھائیں جو ان کی سیرت وکردار میں پختگی پیدا کریں اور اس مقدس اجتماعیت کو مستحکم ومضبوط کریں تاکہ باطل کا قلع قمع کرکے اسلام کو غالب ونافذ کریں۔ اسی میں اُن کے لیے دنیا وآخرت کی فلاح وکامیابی کی ضمانت ہے ۞

لَمۡ یَرۡتَابُوۡا

آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ اور مقرب الی اللہ کا درجہ مل جانے کے بعد، اللہ کی حکم عدولی کے نتیجے میں اس کا تقرب کھونے اور اس کی بارگاہ میں اپنے مقام و مرتبے کے ختم ہو جانے کی صورت میں شیطان انسان کا بدترین دشمن ہو گیا اور اس نے اللہ سے عہد کیا کہ:

فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝

(سورۃ ص: ۸۲، ۸۳)

"تیری عزت کی قسم! میں اُن سب (اولادِ آدم) کو بہکاتا رہوں گا۔ سوائے تیرے ان بندوں کے جو مخلص ہیں۔"

اور اپنے اس عزم مصمم کا یہاں تک اظہار کیا کہ:

لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ ۖ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ۝

(الاعراف: ۱۶، ۱۷)

"میں تیرے سیدھے رستے پر اُن (کو گمراہ کرنے) کے لیے بیٹھوں گا، پھر اُن کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا (اور ان کی راہ ماروں گا) اور تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔"

اس دن سے آج تک اس نے بنی آدم کو بہکانے کے لیے ہر حربہ آزمایا اور بڑے بڑے زہاد و عباد کو راہِ حق سے بھٹکا دیا۔ اور اللہ کے منصوبے کے تحت وہ قیامت تک ایسا کرتا رہے گا کیونکہ اس کی درخواست پر اس کو روزِ آخرت تک کی چھوٹ دی گئی ہے:

قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ۝ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ۝ (ص: ۷۹ تا ۸۱)

"اس نے کہا: اے میرے رب مجھے اس روز تک کی مہلت دے جب لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ کہا تجھ کو مہلت دی جاتی ہے، اس روز تک جس کا وقت مقرر ہے۔"

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے بنی آدم کو شیطان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔ مالک نے شیطان کے مکر و فریب کو صرف وسوسہ اندازی تک محدود رکھا ہے۔ اور اس میں بھی تعین فرما دیا کہ

إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ

(النحل: ۹۹)

"اس کا ان لوگوں پر کچھ زور نہیں چلتا جو مومن ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں"

ایسے ہی لوگوں کو شیطان نے "مخلصین" بتا کر اپنے اغواء سے مستثنیٰ رکھا تھا:

إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝ (ص: ۸۳)

"سوائے تیرے ان بندوں کے جو مخلص ہیں"

شیطان کے دائرہ کار میں آنے والوں کی نشاندہی مالک نے اسطرح فرمائی کہ:

إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ۝

(النحل: ۱۰۰)

"اس کا زور تو بس انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو اپنا دوست بناتے ہیں اور اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں"

شیطان کے ساتھ شرک کرنے کا مطلب اللہ کے حکم کے خلاف اس کے وسوسے کو قبول کرنا ہے جس کی اللہ کی طرف سے اجازت نہیں:

قُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا ۖ لَهُ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ أَبْصِرْ بِهِ وَأَسْمِعْ ۚ مَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا ۝

(الکہف: ۲۶)

"کہہ دو کہ اللہ کو زیادہ معلوم ہے کہ وہ (اصحاب کہف) جتنی مدت رہے۔ آسمانوں اور زمین میں غیب اسی کو معلوم ہے۔ وہ کیا خوب دیکھنے والا اور کیا خوب سننے والا ہے۔ اس کے سوا ان کا کوئی ولی نہیں، اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا"

اس شرک فی الحکم کو اللہ "عبادتِ غیر" کا نام بھی دیتا ہے، جس سے اس نے منع فرمایا ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝

(الکہف: ۱۱۰)

"پس جو اپنے رب سے ملنے کی امید رکھے اس پر لازم ہے کہ اعمال صالحہ کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔"

يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ (یٰس: ۶۰)

"اے اولادِ آدم! شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"

شیطانی وسوسے کی پیروی ہی وہ "شرک فی الطاعت" ہے جس کا شیطان روزِ محشر انکار کر دے گا:

وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ ۖ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي ۖ فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ ۖ مَا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۖ إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِنْ قَبْلُ (ابراھیم: ۲۲)

"اور جب (حساب کتاب کا) کام فیصل ہو چکے گا تو شیطان کہے گا کہ اللہ نے تو تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا، اس کے خلاف کیا۔ اور میرا تم پر کسی طرح کا زور نہیں تھا۔ ہاں میں نے تم کو (گمراہی اور باطل کی طرف) بلایا تو تم نے میرا کہا مان لیا۔ تو (آج) مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔ نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو۔ میں اس بات کا انکار کرتا ہوں جو تم میرے ساتھ شرک کرتے تھے۔"

وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا (الفرقان: ۲۹)

"شیطان انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے"

ایسے دغا باز سے دوستی کے مراسم پیدا کرنا بڑی نادانی ہے۔ مالک حکم دیتا ہے کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ

(الممتحنۃ: ۱)

''اے ایمان والو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ''

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۚ إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝ (فاطر:٦)

''بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے، تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو۔ وہ اپنے (پیروؤں کے) گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ جہنم والوں میں شامل ہو جائیں''

ایسے سخت دشمن سے بچاؤ کا اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ بتایا کہ:

وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۚ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ ۝

(الاعراف:۲۰۰،۲۰۱)

''جو لوگ متقی ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو چونک ہو جاتے ہیں اور بصیرت پکڑتے ہیں''

اگر اللہ کی مدد اور نصرت شاملِ حال نہ ہو تو واقعی ایسے زبردست اور خطرناک دشمن سے بچنا بہت مشکل ہے۔ جس کا حملہ بھی ہر سمت سے شدید ہوتا ہے اور اس کا لاؤ لشکر بھی ایسا ہے جو نظر نہیں آتا:

إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (الاعراف:۲۷)

''وہ اور اس کا قبیلہ تم کو ایسی جگہ سے دیکھتے رہتے ہیں جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے''

یہ کھلا دشمن قلب پر پوشیدہ طور سے حملہ آور ہو کر اپنے عہد کے مطابق پورا زور صرف کرتا ہے کہ اولادِ آدم راہِ راست سے بھٹک جائے۔ اس کے حملے کی شدت اور تنوع میں تو اس وقت بہت اضافہ ہو جاتا ہے جب لوگوں کی اصلاح کے لیے کوئی تحریک اٹھتی ہے کیونکہ وہ تحریک تو اس کے مذکورہ مشن کو ناکام بنانے کے درپے ہوتی ہے۔ چنانچہ دعوتِ حق کے کام کرنے والوں پر وہ خصوصی طور پر ایسے حربے آزماتا ہے جن کے داؤں میں آکر کسی دعوتی تحریک سے منسلک کوئی فرد شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایسی ممکنہ صورت سے مالک نے اپنے بندوں کو خبردار کر دیا:

الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ (البقرۃ:۱۴۷)

''(جان رکھو کہ) حق تمہارے رب ہی کی طرف سے ہے اور تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا''

لیکن اس کے باوجود کچھ لوگ اپنے ازلی دشمن کے دامِ فریب میں آ ہی جاتے ہیں اور پھر جس ہماہمی سے وہ سرگرمِ عمل ہوتے تھے، وہ دودھ کا ابال اور صابن کا بلبلہ ثابت ہوتی ہے۔ ان کا جوش و جذبہ، جس کو دیکھ کر راہِ حق کے ہمسفر رشک کرتے ہیں، وہ دہکتا انگارہ ثابت ہوتا ہے جس کی ضوفشانی پر تھوڑی دیر بعد ٹھنڈی راکھ کا غلاف چڑھ جاتا ہے۔ نورِ ہدایت سے معمور یہ چمکتے دمکتے چاند گہنا جاتے ہیں اور معکوس انداز اختیار کر کے گمراہی کی ظلمت میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور جس دعوت کو لے کر وہ تندہی سے اٹھے ہوتے تھے، انجامِ کار اسی دعوت کے خلاف برسرِ پیکار ہو جاتے ہیں۔ وہ جتنی تیزی سے آگے بڑھے ہوتے، اتنی ہی تیزی سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں! شیطان کے اس کاری وار سے بسا اوقات بڑی بڑی شخصیتیں بھی گھائل ہونے سے نہیں بچ پاتیں۔ نبی ﷺ کی صحبت میں رہنے والے، وحی الٰہی کے ایک کاتب پر بھی اس کا داؤ چل گیا اور وہ مرتد ہو کر ملکِ اسلام چھوڑ کر کافروں سے جا ملا۔

قرآن و سنت کی ٹکسالی تعلیمات پر مبنی اس صدی کے نصفِ آخر میں اٹھنے والی یہ دعوتِ توحید بھی ان آزمائشوں سے دوچار ہوئی۔ لوگوں کے ایمان میں سرائیت کر جانے والے کفر و شرک کے ناسور کو توحید کے نشتر سے صاف کرنے اور اس کی نجاست کو قرآن و سنت کے آبِ مقطر سے دھونے کے لیے ایک مجاہد ڈاکٹر کھڑا ہوا۔ اس کی آواز پر چند ''سرپھروں'' نے لبیک کہا اور یہ قافلہ چل پڑا۔ مسافر آتے گئے اور شاملِ سفر ہوتے گئے۔ کچھ اس کٹھن سفر کی صعوبتیں برداشت نہ کر سکے اور اس سفر سے علیحدہ ہو گئے۔ کچھ شیطان کے وار سے گھائل ہو کر گر پڑے اور دوسرے مسافروں کے پیروں میں الجھنے لگے۔ اس ازلی دشمن نے کیسے کیسے وار کیے: کسی کو شخصیت پرستی کے تیروں سے زخمی کیا تو کسی کو فتنۂ انکارِ حدیث کے نیزوں سے، کسی پر ''عذابِ قبر'' کی تلوار چلی تو کوئی اپنی مزعومہ علمیت کے بھالوں سے مجروح ہوا، کوئی ''سحر'' سے مسحور ہوا تو کسی کو مسلک پرستی کے زہر نے مفتون کیا، کوئی طاغوت پرستی کے ہاتھوں مارا گیا تو کوئی زر پرستی کے جنون میں مبتلا ہوا، کسی کو عہدے کے لالچ، منصب کی طمع، جاہ کی حرص، مال کی ہوس، ذاتی مفاد، دنیاوی اغراض نے ڈبو دیا تو کسی کو آپس کے بغض و حسد، کینہ و کدورت نے، کوئی نفسانیت کا شکار ہوا تو کوئی کسی اور ہتھیار کی زد میں آیا اور کوئی کسی اور نجاست سے آلودہ ہو کر ایک طرف ہو گیا...... اس طرح تطہیر ہوتی رہی، مگر بفضلِ الٰہ یہ قافلہ رواں دواں رہا اور ان شاء اللہ رہے گا، اگرچہ حملے ہیں کہ برابر جاری ہیں۔ بحیثیت انسان، اپنے ایک دیرینہ رفیق کی جدائی پر مومنوں کو قلق تو ہوتا ہے مگر کتاب اللہ ان کی خاطر جمع رکھتی ہے:

مَّا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ

(آل عمران:۱۷۹)

''اللہ ایسا نہیں کہ جب تک ناپاک کو پاک سے الگ نہ کر دے تو مومنوں کو اس حال میں جس میں تم ہو رہنے دے''

گویا کہ یہ چیزیں ان بھٹیوں کا کام دیتی ہیں جو گندگی اور میل کچیل دور کر کے کھرے کو کھوٹے سے پاک کر دیتی ہیں۔ اگرچہ خالص مومنوں کے ایمان میں کسی قسم کا ریب و شک بار نہیں پاتا، خواہ کوئی کتنے ہی شکوک و شبہات پھیلائے وہ ارتیاب سے بالاتر ہی رہتے ہیں کہ ان کے مالک نے ان کی یہی پہچان بتائی ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝

(الحجرات:۱۵)

''مومنین تو بے شک وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر شک میں نہ پڑے، اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں (مخالفین سے) جہاد کیا۔ ایسے ہی لوگ سچے (مومن) ہیں''

تاہم ان کی معلومات کے لیے سطورِ ذیل میں ان شبہاتِ کثیر میں سے کچھ کے جوابات دیے جا رہے ہیں جن کو وقتاً فوقتاً اٹھا کر اہلِ ایمان کے حلقوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ متنوع شبہات عموماً درج ذیل مسائل سے متعلق ہوتے ہیں:

(۱) مکی مدنی ادوار کے لحاظ سے دعوت میں فرق
(۲) مخالفین دین سے برأت و بیزاری
(۳) مومنین پر مخالفین دین کے جہنمی ہونے کی وضاحت
(۴) مخالفین دین کو تسلیمات
(۵) شرکیہ کلمات والی جگہوں پر صلوٰۃ کی ادائیگی
(۶) اہل کتاب اور امتِ مسلمہ کے شرک میں فرق

(۷) بدعقیدہ لوگوں کے اعمال کی حقیقت

(۸) تکفیر کا مسئلہ

(۹) ابن حزم وغیرہ کی تحقیق پر اعتماد

(۱۰) معاشرتی تعلقات کی حدود

مکی و مدنی ادوار کے لحاظ سے دعوت میں فرق

قرآن کی تنزیل و ترتیب احکامات میں ہے نہ کہ دعوت میں

جب کسی مقام پر دعوتِ حق دیتے ہوئے مخالفین کے ہاتھوں زک اٹھائی جاتی ہے اوراپنے علاقے میں شدید طعن وتشنیع کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو جذباتی قسم کے لوگ ان کے خلاف انتقامی کارروائی کا مطالبہ کرتے ہیں جبکہ اس کے بالکل برعکس دوسرے قسم کے لوگ ان مخالفتوں سے بچنے کے لیے ان لوگوں سے راہ ورسم بڑھانے اوران میں شامل ہوجانے کی باتیں بھی کرتے ہیں۔ایسے میں ان دونوں گروہوں کو سمجھایا جاتا ہے کہ ہم فی الحال دعوت کے لحاظ سے مکی دور میں ہیں چنانچہ ہمیں صبر وتحمل اور حکمت و موعظت کے انداز میں انسانوں کی بہی خواہی کے جذبے کے ساتھ احسن طریقے سے دعوتی ذمہ داری کو سرانجام دینا ہے اور ہر قسم کے تشدد اور درشت لب ولہجے سے اجتناب کرنا ہے۔مکی دور میں کُفُّوْا اَیْدِیَکُمْ (اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو) کا حکم کسی بزدلانہ جذبے کے تحت نہ تھا بلکہ عملِ دعوت اسی کا متقاضی تھا ورنہ اگر ابتداء ہی میں جدال و قتال کیا جاتا تو یہ دعوت پنپ نہ سکتی اور اٹھتے ہی دبا دی جاتی۔

بشمول دیگرے، یہ شوشہ بھی چھوڑا جاتا ہے کہ ''پچھلے پچیس سالوں کی دعوتِ عام کے نتیجے میں ہمیں معاشرے سے وہ response نہیں ملا جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ؓ کو دعوتِ عام کے پہلے دو سالوں میں ہی مل گیا تھا جس کے نتیجے میں ہجرتِ حبشہ واقع ہوئی تھی۔اس اعتبار سے ہماری دعوت مکی دور کے بھی بالکل ابتدائی زمانے سے مماثل ہے جبکہ اس عرب معاشرے نے اس دعوت کو درخورِ اعتنا ہی نہ سمجھا تھا۔''

ایسا خیال اس وقت کی صورتحال سے لاعلمی کی بنا پر کیا جاتا ہے کیونکہ نبی ﷺ اور صحابہ ؓ کے دور کی تو بات ہی اور ہوتی ہے۔تاہم اس دعوتِ حق کو بھی کافی پذیرائی ملی ہے اور ایک ربع صدی کی کمزور سی کوششوں سے یہ دعوت الحمدللہ اس ساحلی علاقے سے نکل کر شمالی سرحدی علاقوں کو عبور کرکے ملک سے باہر بھی دور دور تک جا پہنچی ہے اور اندرون و بیرون ملک بے شمار مراکز و مساجد قائم ہو چکے ہیں اور مسلسل قیام پذیر ہیں۔ فالحمدللہ علیٰ ذٰلک!

مذکورہ بالا خیال کے تسلسل میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ''دعوت کا عمل نزولِ قرآن کی طرح بتدریج ہے۔''استدلال کے لیے ابتدائے دعوت سے ہجرتِ مدینہ تک اور ہجرت سے فتح مکہ کے بعد نازل ہونے والی قرآن کی مختلف آیات کے حوالے سے زور دیا جاتا ہے کہ ''دعوت کے انداز اور اس کی اٹھان میں ایک تدریج ہے یہاں تک کہ مکی و مدنی زندگی کی آیاتِ قرآنی کے لب ولہجے میں بھی مخاطبین کی تبدیلی کے باعث فرق ہے، اور مزید یہ کہ دعوت، ہجرت اور برأت کے مرحلے علیحدہ علیحدہ ہیں، ان میں اختلاط نہیں ہے، جب دعوت مکمل ہوچکتی ہے اور اتمامِ حجت ہوجاتا ہے تب ہجرت و برأت کے مرحلے آتے ہیں۔''اس کے ثبوت میں ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور ان کا اپنے والد کے لیے دعائے مغفرت کرنا پیش کیا جاتا ہے۔

اس بات کے اثبات میں تو کوئی شک نہیں کہ قرآن کا نزول حالات و واقعات کے پیشِ نظر بتدریج ہوا ہے۔سورۃ یوسف (آیت ۱۱۱)، ھود (۱۲۰)، الفرقان (۳۲،۳۳)، النحل (۱۰۲) وغیرہ کے حوالے سے اس کی حکمت یہ ہے کہ اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے عبرت کا ساماں ہو، حقیقی واقعات سے آگہی ہو، رسول اللہ ﷺ کے لیے ثباتِ قلب ہو، مومنین کے لیے ہدایت، رحمت، موعظت و تذکیر ہو۔لیکن یہ ترتیب و تدریج احکامات میں ہے نہ کہ ایمان کی دعوت میں جیسا کہ درج ذیل حدیث سے ثابت ہوتا ہے:

اِنَّمَا نَزَلَ اَوَّلَ مَا نَزَلَ مِنْهُ سُوْرَةٌ مِّنَ الْمُفَصَّلِ فِيْهَا ذِكْرُ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ حَتّٰى اِذَا ثَابَ النَّاسُ اِلَى الْاِسْلَامِ نَزَلَ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ وَلَوْ نَزَلَ اَوَّلَ شَيْءٍ لَا تَشْرَبُوا الْخَمْرَ لَقَالُوْا لَا نَدَعُ الْخَمْرَ اَبَدًا وَلَوْ نَزَلَ لَا تَزْنُوْا لَقَالُوْا لَا نَدَعُ الزِّنَا اَبَدًا

(صحیح بخاری: کتاب فضائل القرآن، باب تالیف القرآن)

''قرآن میں سب سے پہلے جو چیز نازل کی گئی وہ مفصل کی ایک سورۃ ہے جس میں جنت و دوزخ کا ذکر ہے، یہاں تک کہ جب لوگ اسلام پر ثابت قدم ہوگئے تب حلال و حرام کے احکام اترے۔اور اگر ابتداء ہی میں یہ حکم آجاتا کہ شراب نہ پیو تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز شراب نہ چھوڑیں گے، اور اگر یہ حکم دیا جاتا کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز زنا نہ چھوڑیں گے''

جبکہ دعوت میں تو ایک ہی انداز ملتا ہے۔احکامات کے نزول کے سلسلے میں قرآن میں جو ترتیب و تدریج مدنظر رکھی گئی ہے وہ بلاشبہ حکمتِ ربانی کی بیّن دلیل ہے۔سورۃ المائدۃ (آیت: ۹۰) میں نشے کو مطلقاً ممنوع قرار دینے سے قبل سورۃ البقرۃ (آیت ۲۱۹) میں اس کے نقصانات پر زور دیا گیا، پھر سورۃ النسآء (آیت ۴۳) میں نشے کی حالت میں ادائیگی صلوٰۃ سے روکا گیا۔اسی طرح ''قطع ید'' اور ''حدِ زنا'' و ''قذف'' وغیرہ کے بارے میں احکامات کے نزول کے سلسلے میں تدریج کے اصول کو فطرتِ انسانی کے عین مطابق ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تزکیہ و تطہیر انہی لوگوں کی مطلوب ہے جو ایمان کی دعوت قبول کرکے ''مسلم'' بننے کے لیے تیار ہوں، نہ کہ اُن لوگوں کی جو مُردوں کے پجاری ہوں اور توہمات کے مجموعے کو ایمان اور مروجہ رسومات کو اسلام سمجھتے رہنے پر مصر ہوں۔ چنانچہ احکامات کے معاملے میں ترتیب و تدریج کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے ان سچے اور پکے مسلموں کو نشہ، زنا، چوری اور سود وغیرہ کے کبائر سے پاک کرکے ان کو اعلیٰ مومنانہ اوصاف سے آراستہ کرنے کے لیے مدنی سورتوں میں انفرادی اور اجتماعی معاشرتی آداب، اصول و قوانین سکھائے گئے جن کا ذکر خصوصیت کے ساتھ مذکورہ بالا سورتوں کے علاوہ سورۃ الحجرات، سورۃ الاحزاب اور سورۃ النور وغیرہ میں ملتا ہے۔ اور ان احکامات کے نزول میں ترتیب و تدریج کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔

اس کے برعکس ترتیب و تدریج کو ایمان کی دعوت کے ساتھ منسلک کرنا درست نہیں بلکہ امر واقعہ کے بالکل ہی خلاف ہے۔قرآن کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ دعوت کا انداز شروع ہی سے کھرا اور دو ٹوک رہا ہے۔ابتداء ہی میں نبی ﷺ کو کسی کی پرواہ کیے بغیر کھل کر دعوت دینے کا حکم دیا گیا۔دعوت کا آغاز اپنے خاندان کے افراد سے کیا گیا لیکن برأت سے پُر انداز میں۔فرمایا:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ○ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ○

(الشعرآء مکیۃ: ۲۱۴ تا ۲۱۶)

"اور اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈر سناؤ۔ اور جو مومن تمہارے پیرو ہو گئے ہیں اُن سے بتواضع پیش آؤ۔ پھر اگر لوگ تمہاری نافرمانی کریں تو کہہ دو کہ میں تمہارے اعمال سے بری ہوں"

پھر جب دعوت کو خاندان سے باہر عام کیا گیا تو بھی انداز یہی تھا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۝ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ۝ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝

(الحجر مکیۃ: ۹۴ تا ۹۶)

"(اے نبی ﷺ!) جس چیز کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے اسے کھول کر بیان کر دو اور مشرکوں سے اعراض کرو۔ ہم آپ کی طرف سے ان مذاق اڑاتے والوں کی خبر لینے کے لیے کافی ہیں۔ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود بنانے والوں کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا"

چنانچہ اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مکی دور میں شروع ہی سے ان کے کفر و شرک کی نشاندہی کی گئی اور کہیں کہیں ان کو کافر و جاہل کہہ کر بھی ان کے باطل نظریات پر چوٹ لگائی گئی۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ سورۃ الکٰفرون میں براہ راست ان کو کافر کہہ کر مخاطب کیا گیا:

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ (الکٰفرون مکیۃ: ۱،۲)

"اے کافرو! (کان کھول کر سن لو) میں ان ہستیوں کی بندگی نہیں کرتا جن کو تم پوجتے ہو......"

سورۃ الزمر میں ان کو جاہل کہہ کر خطاب کیا گیا ہے:

قُلْ أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَأْمُرُونِّي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ ۝ (الزمر مکیۃ: ۶۴)

"کہو اے جاہلو! کیا تم اللہ کے علاوہ دوسری ہستیوں کی بندگی کرنے کے لیے مجھ پر زور ڈال رہے ہو......"

سورۃ الواقعہ میں انہیں بھٹکا ہوا اور جھوٹا کہا گیا:

ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيُّهَا الضَّالُّونَ الْمُكَذِّبُونَ ۝ لَآكِلُونَ مِنْ شَجَرٍ مِنْ زَقُّومٍ ۝

(الواقعۃ مکیۃ: ۵۱،۵۲)

"پھر تم جھٹلانے والے گمراہ لوگ زقوم کے درخت میں سے ضرور کھاؤ گے......"

اسی طرح سورۃ یونس کے آخری رکوع میں فیصلہ کن انداز میں بتا دیا کہ میرے دین کے بارے میں شکوک و شبہات کو ذہن و خیال سے نکال دو:

فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ (یونس مکیۃ: ۱۰۴)

"میں ان ہستیوں کی بندگی نہ کروں گا جن کو تم اللہ کے علاوہ پوجتے ہو"

سورۃ الانبیآء میں کفار و مشرکین کو شدت کے ساتھ بدانجامی سے ڈرایا گیا:

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ۝

(الانبیآء مکیۃ: ۹۸)

"بے شک تم اور وہ ہستیاں جنہیں تم اللہ کے علاوہ پوجتے ہو جہنم کا ایندھن بنیں گے، اور تم وہاں جانے والے ہو"

دیکھیے، مکی دور کی بے شمار آیات میں کھلی اور عریاں دعوت کا یہ انداز ملتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مختلف ادوار میں دعوت کا انداز یکساں ہی ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ دعوت کے اندر بھی ترتیب و تدریج کو ملحوظ رکھا گیا ہے، صحیح نہیں۔ سورۃ النحل (آیت ۳۶) میں اس بات کو نبی علیہ السلام کی ذمہ داری قرار دیا ہے کہ وہ لوگوں کو الٰہ واحد کی بندگی کی دعوت دیں اور طاغوت (کی بندگی) سے اجتناب کی تلقین کریں۔ لہٰذا شروع ہی سے الٰہ واحد کی بندگی اور طاغوت سے اجتناب نبی علیہ السلام کی دعوت کا مرکزی مضمون ہوتا ہے اور وہ اسی محور کے گرد آخر تک گھومتی ہے۔ سورۃ الزمر میں جہاں ایمان خالص پر زور دیتے ہوئے کھلی دعوت دی گئی ہے وہاں طاغوت سے اجتناب کرنے پر پورا زور دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ (الزمر: ۱۷)

"وہ لوگ جنہوں نے طاغوت کی بندگی سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف منیب ہو گئے تو میرے ایسے بندوں کو خوشخبری سنا دو"

یہاں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ طاغوت سے اجتناب کے بغیر انابت الی اللہ ممکن نہیں اور بغیر اس کے ایمان قابلِ اعتبار نہیں۔

ان معروضات کی روشنی میں ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور اپنے والد کے لیے استغفار چاہنے کے حوالے سے دعوت کو بھی ایک بتدریج عمل قرار دینا لائق استدلال نہیں۔ اگر ابراہیم علیہ السلام کے واقعات کے دعوتی پہلو کا جائزہ لیا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے۔ ہجرت حبشہ سے قبل نازل ہونے والی سورۃ مریم کی آیات ۴۱ تا ۵۰ میں ابراہیم علیہ السلام کے والد اور ان کی قوم کے سامنے اُن کی دعوت کا ذکر ہے۔ ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ اور قوم کو دعوت دیتے ہوئے تنبیہ فرماتے ہیں:

يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا ۝ يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ۝

(مریم: ۴۴،۴۵)

"اے میرے ابا! آپ شیطان کی بندگی نہ کریں، شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے۔
اے ابا! مجھے خوف ہے کہ آپ پر اللہ کا عذاب نہ آ جائے اور آپ شیطان کے ساتھی ہی نہ بن کر رہ جائیں"

اس واقعے کو بیان کر کے مکے کے مشرکوں کو سمجھایا گیا کہ غیر اللہ کی بندگی دراصل شیطان کی بندگی ہے۔ اور اس کے مرتکب اللہ کے عذاب میں مبتلا ہونے والے ہیں۔ (البتہ توبہ کرنے والے رحمٰن کی معافی کے حقدار ہو سکتے ہیں) غور فرمایے! تنبیہ و انذار کا کیسا سخت انداز ہے اور نتیجہ یہ کہ ردِ عمل بھی سخت ہے۔ باپ دھمکی دیتا ہے:

قَالَ أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ ۖ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ ۖ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ۝

(مریم: ۴۶)

"کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے، اے ابراہیم؟ اگر تو (اس طرزِ عمل سے) باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر ڈالوں گا، تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے دور ہو جا"

یہ واقعہ بیان کر کے نبی ﷺ اور اُن کے ساتھیوں کو ذہنی طور سے تیار کیا گیا، کیونکہ یہ دعوت معاشرے میں دھماکہ خیز ہوتی ہے اور باطل پر جمے رہنے والے شدید سے شدید ردِ عمل پر اتر آتے ہیں چنانچہ ایسی صورتحال میں داعیِ حق اور ان کا ساتھ دینے والوں کو صبر کے ساتھ مخالفت کو انگیز کرنا ہوتا ہے۔

سورۃ الشعرآء میں قوم کے معبودوں کو ابراہیم علیہ السلام اپنا دشمن ٹھہراتے ہیں:

فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ (الشعرآء: ۷۷)

"یہ سب تو میرے دشمن ہیں، سوائے رب العالمین کے"

دیکھا جا سکتا ہے کہ یہ اپنی قوم سے انقطاع کا صاف صاف اعلان ہے۔

سورۃ الانعام میں برأت کا صاف اعلان کر کے الٰہ واحد کی بندگی کے لیے یکسوئی

کا اظہار کیا گیا ہے:

يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

(الانعام:۷۸،۷۹)

"(ابراہیمؑ نے) کہا اے میری قوم! میں برأت کا اظہار کرتا ہوں تمہارے اس شرک سے جو تم کرتے ہو۔ میں نے تو یکسو ہوکر اپنا رخ اس ہستی کی طرف کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں قطعاً شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں"

ان آیات میں بھی ابراہیمؑ کی دوٹوک دعوت کو مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ایک داعیٔ حق کے اپنی مشرک قوم کے سامنے کھل کر اعلانِ برأت کو بیان کیا گیا ہے۔ اس اظہارِ برأت کے بعد انقطاع ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اسی سورہ میں توحید و شرک کا فرق واضح کر کے نبی ﷺ سے کہلوایا گیا:

قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ (الانعام:۱۹)

"کہہ دو کہ (اے میری قوم!) معبود تو صرف وہی ایک (اللہ) ہے اور میں برأت کا اظہار کرتا ہوں تمہارے اس شرک سے جو تم کرتے ہو۔"

اگر سورۃ الانبیآء کی آیات پر غور فرمایئے تو یہاں تو معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ کی دعوت اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی جو نبی ﷺ کو دعوت کے ابتدائی مرحلے میں دیا گیا تھا، یعنی فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ کی نہایت ہی مکمل اور واضح تعمیل ہے۔ ابراہیمؑ اپنی قوم کو ہاتھ سے بنائی ہوئی مورتیوں کو پوجنے پر ملامت کرتے ہیں اور وہ اپنے آباواجداد کی تقلید کا سہارا لیتے ہیں تو آپ کتنے سخت انداز میں ان کو پھٹکارتے ہیں:

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (الانبیآء:۵۴)

"(ابراہیمؑ نے) کہا کہ بے شک تم اور تمہارے باپ دادا صریح گمراہی میں مبتلا رہے ہیں"

اس طرح کھلے اور صاف الفاظ میں قوم اور ان کے باپ دادا کو گمراہ قرار دے کر سخت دھمکی دے ڈالی۔ ملاحظہ ہو:

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ (الانبیآء:۵۷)

"اللہ کی قسم! میں تمہارے بتوں کے ساتھ چال چلوں گا (ان کی خبر لوں گا) جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے"

یہ اس مشرک معاشرے کے مشرکانہ دین کے خلاف اعلانِ جنگ والا انداز ہے۔ اور آپ نے دیکھا کہ یہ صرف دھمکی تک محدود نہ رہا بلکہ اس کو عملی جامہ بھی پہنا دیا گیا۔ اس واقعے کو پوری تفصیل سے بیان کر کے نبی ﷺ کی مشرک قوم کو بتایا گیا کہ دیکھو ہم نے تمہارے جدِّ امجد اور اپنے خلیل ابراہیمؑ کے ہاتھوں اس مشرک قوم کے قلب و ذہن پر چھائی ہوئی عقیدت و محبت کی زنگ کو کھرچ ڈالنے کے لیے کیسا اتمامِ حجت فرما دیا۔ یہاں یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ دعوت کے دور میں تذکیر، انذار اور تنبیہ کے لیے مختلف انداز اختیار کیے گئے ہیں۔ کہیں آفاق و انفس کے دلائل کے ساتھ افہام و تفہیم ہے تو کہیں نفسیاتی رعب ڈالنے کا تحکمانہ انداز۔ اسی سورۃ میں مخالفین حق کے باطل موقف پر بڑے ہی پر عزم اور فیصلہ کن انداز میں سخت چوٹ لگائی گئی:

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ۝ (الانبیآء:۱۸)

"مگر ہم باطل پر حق کی چوٹ لگاتے ہیں اور وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے اور یکایک وہ نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ اور تباہی ہے تمہارے لیے اِن باتوں کی وجہ سے جو تم بناتے ہو"

اب ذرا اگلی آیات پر غور فرمایئے۔ اتنے جرأت مندانہ اقدام (بت شکنی) کے بعد بھی ابراہیمؑ کسی قسم کی مداہنت کا انداز اختیار نہیں کرتے بلکہ اس کے مؤثر نتائج سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اُن کو خفت و ندامت کے سمندروں میں غرق کرنے کے لیے بھرپور نفسیاتی وار کرتے ہیں:

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝

(الانبیآء:۶۶)

"کیا تم اللہ کے علاوہ ایسوں کی بندگی کرتے ہو جو نہ تمہیں کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان؟"

اور پھر اُن پر آخری وار کرتے ہیں:

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (الانبیآء:۶۷)

"تف ہے تم پر اور ان پر جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟"

سورۃ الزخرف میں بھی قوم کے دین سے برأت کا اظہار ہے۔ ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور قوم سے کہا:

اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ (الزخرف مکیۃ:۲۶)

"میں ان سے برأت کا اظہار کرتا ہوں جن کو تم پوجتے ہو"

ایسی کھری دعوت اٹھنے کے بعد داعیٔ حق اور اس کے مومن ساتھیوں کا قوم استقبال کرے گی یا شدید ردِ عمل؟ انہیں گلے سے لگایا جائے گا یا بالآخر اُن سے انقطاع ہوگا؟

وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ (الزخرف:۲۸)

"اور یہی بات وہ اپنے بعد والوں کے لیے بھی چھوڑ گیا تاکہ وہ (اللہ کی طرف) رجوع رہیں"

یہاں اشارہ کیا گیا ہے کہ اس اسوۂ ابراہیمی کو باقی رکھا گیا ہے تاکہ بعد والوں کو اس کی طرف رجوع کرنے اور اس سے سبق حاصل کرنے کی دعوت دی جائے۔

ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ ابراہیمؑ کے واقعے کے حوالے سے مکی سورتوں کی مذکورہ بالا آیات جن سے دعوت میں تدریج و ترتیب کا استدلال کیا جاتا ہے، ان میں دعوت کو بالکل صاف اور کھلے انداز میں پیش کیا گیا ہے اور قوم کے باطل عقائد کو آفاق و انفس کے دلائل سے رد کرنے کے بعد اُن کی بے دینی اور کفر و شرک کی روش سے پرزور انداز میں برأت کا اعلان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مکی سورتوں میں بھی شروع سے آخر تک یہی مرکزی مضمون ہے۔ اس میں ترتیب و تدریج کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اور نہ کہیں کوئی گنجائش نکلتی ہے۔ البتہ آخری دور کی نازل شدہ سورتوں میں کچھ فیصلہ کن انداز بھی ہے جیسے سورۃ یونس کا آخری رکوع یا سورۃ الانبیآء کی وہ آیات جن کا سطورِ بالا میں حوالہ دیا گیا ہے۔ لیکن لب و لہجے کے اس معمولی فرق کو ترتیب و تدریج کا فرق نہیں کہا جاسکتا۔

مدنی سورتوں میں سے سورۃ الممتحنہ میں برأت کا پہلو نمایاں ہے لیکن اس کا تعلق براہِ راست حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے ہے جن کی لغزش پر اُن کو سخت تنبیہ کی گئی کہ ایمان کا تقاضہ تو یہ ہے کہ عزیز و اقارب بھی اگر اس تحریک و مشن کا ساتھ نہ دینا چاہیں تو اُن کے لیے دل میں کوئی نرم گوشہ بھی نہ ہو، کجا یہ کہ اُن کی محبت میں اس مقدس مشن کے

مفادات کو بھی داؤ پر لگا دیا جائے! اس سلسلے میں اُن کی اصلاح اور تزکیہ نفس کے لیے قوم سے برأت کے سلسلے میں اسوۂ ابراہیمی کا ذکر کیا گیا ہے اور بلاشبہ انداز بہت ہی پرزور اور اثر انگیز ہے۔ لیکن اگر جائزہ لیا جائے تو مکی سورتوں میں مجموعی طور سے دعوت ایمانی کے اس اہم پہلو کو جس شدت سے بیان کیا گیا ہے جیسا کہ گزشتہ سطور میں واضح ہے، یہ انداز عموماً مدنی سورتوں میں نہیں ملتا۔ چنانچہ ان آیات کے حوالے سے یہ استدلال کرنا کہ ”نہ صرف دعوت کے انداز اور اس کے اٹھان میں ایک تدریج ہے بلکہ مکی و مدنی زندگی کی آیات کے لب و لہجے میں مخاطبین کی تبدیلی کے باعث فرق بھی پایا جاتا ہے، اور مزید یہ کہ دعوت، ہجرت اور برأت کے مرحلے علیحدہ علیحدہ ہیں، ان میں اختلاط نہیں ہے۔ جب دعوت مکمل ہو چکتی ہے اور اتمام حجت ہو جاتا ہے تب ہجرت و برأت کے مرحلے آتے ہیں“ درست نہیں۔ مذکورہ بالا آیت اس موقف کا ساتھ نہیں دیتیں۔

برأت کا مرحلہ ہجرت و قتال کے بعد؟

گزشتہ صفحات میں جو بحث کی گئی ہے، اس کی روشنی میں اس موقف کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ:

(۱) دعوتی دور میں اعلانیہ دعوت کے ساتھ ہی برأت کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔ مکی دور کے خطاب میں ”اے کافرو!“، ”اے جاہلو!“ اور ”اے گمراہو!“ کے کھلے الفاظ کے ساتھ اُن کے کفر و شرک پر تبصرہ بھی کھلی برأت کا اظہار ہیں۔

(۲) ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ کے ساتھ ہی اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ ...... کے ذریعے یکسوئی کا اعلان اور کھلے الفاظ میں قوم سے برأت کا اظہار ہے۔ اور یہ بھی مدنظر رہے کہ یہ صورتحال خود ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت سے قبل ہے، بعد میں نہیں۔ پھر سورۃ الزخرف میں بھی یہ الفاظ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ اسی برأت کا اظہار ہیں، اور یہ بھی ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت سے قبل۔ اس کے بعد اسی سورۃ میں کَلِمَةً بَاقِیَةً کو بعد والوں کے لیے باقی رکھ کر دراصل اسوۂ ابراہیمی کو مکے کے لوگوں کے لیے پیش کیا گیا ہے۔ غور فرمایے کہ جو اسوہ مدنی سورۃ الممتحنہ میں حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے واقعے کے ساتھ پیش کیا گیا وہی اسوہ یہاں مکی سورۃ الزخرف میں ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کی شکل میں پیش کیا گیا۔

(۳) سورۃ الانبیآء میں ابراہیم علیہ السلام کی دعوت، قوم پر اور ان کے آباؤ اجداد پر گمراہی کا فتویٰ شدید برأت کا اظہار ہے، پھر دھمکی کے بعد بت شکنی کے عملی اقدام کو مکے والوں کے سامنے کھول کر بیان کرنا اس کی تقریباً وہی حیثیت ہے جو سورۃ التوبہ میں مشرکین سے برأت کے بعد اُن کو دیے گئے چار مہینے کے نوٹس کی ہے۔

برأت کا مفہوم

اب مناسب ہوگا کہ لفظ ”برأت“ کے مفہوم پر کچھ گفتگو ہو جائے تاکہ مسئلے کو سمجھنے میں مزید آسانی ہو۔ لفظ ”بَرَآءَةٌ“ بَرِیَ (س) کا مصدر ہے اور اس کے معنی ہیں آزادی، خلاصی، بیزاری، علیحدگی (کسی معاہدے یا الزام وغیرہ سے)۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں برأت کی مختلف شکلیں سامنے آتی ہیں۔

(۱) ایمان کی دعوت اٹھنے کے بعد داعی حق اور اس کا ساتھ دینے والے اپنے آبائی دین سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ قوم کے عقائد و نظریات سے برأت اور اُن کی دینی رسومات اور تقریبات سے علیحدگی کے بعد ایک طرح معاشرتی انقطاع کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اعلانیہ دعوت اور انفرادی طرزِ عمل کے نتیجے میں معاندانہ و مخالفانہ ردعمل ایک طرح کی معرکہ آرائی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

(۲) پھر بتدریج اس میں شدت آتی ہے۔ حتیٰ کہ نبی علیہ السلام اور ان کے ساتھی ہجرت پر مجبور کر دیے جاتے ہیں۔ اس طرح نبی علیہ السلام کا اپنی قوم کو دعوت کے اختتام اور ان پر اتمام حجت کا مرحلہ آ جاتا ہے۔

(۳) ہجرت کے بعد مخالفین حق سے قتال ہوتا ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ دینِ اسلام کو غلبہ عطا فرماتا ہے تو غلبے کے بعد مشرکین سے مجموعی طور پر برأت کا اعلان کیا جاتا ہے جو حتمی اور آخری ہوتا ہے۔ اُن کو فیصلہ کرنے کا نوٹس دیا جاتا ہے یعنی کچھ مہلت و مدت دی جاتی ہے کہ وہ ایمان لائیں اور مسلم بن جائیں، یا ذمی (باجگزار) بن کر رہیں یا پھر میدانِ قتال میں آخری فیصلے کے لیے نکل آئیں۔ یہ برأت دراصل غلبۂ اسلام کے بعد اس امر کا اعلان ہوتا ہے کہ مخالفینِ حق اب اپنی حیثیت کے بارے میں فیصلہ کر لیں۔ یہ ایک طرح کا واضح اعلان ہے کہ غیر مسلم اب صرف ذمی (پست قوم) کی حیثیت ہی سے رہ سکتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کے واقعات میں برأت کی پہلی دو شکلیں ملتی ہیں جبکہ نبی ﷺ کے دور میں تینوں شکلیں موجود ہیں۔

اس وضاحت کے بعد یہ غلط فہمی دور ہو جانی چاہیے کہ برأت کا مرحلہ ہجرت و قتال کے بعد آتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو مکی دور میں مخالفت میں شدت نہ ہوتی نہ ہجرت کا مرحلہ آتا۔

دعوت کے عمل کو بتدریج قرار دینے کے سلسلے میں اس شبہے کا اظہار بھی کیا جاتا ہے کہ ”وحی کی ابتداء کے ۱۹ سال بعد سورۃ الممتحنہ (آیت ۴) میں یہ بات آتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی اپنی قوم سے برأت میں مسلمانوں کے لیے اسوہ حسنہ ہے سوائے ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد کے لیے استغفار کی دعا کے۔“ مسطورہ بالا وضاحت کی روشنی میں اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کہنا بھی غلط فہمی ہی پر مبنی ہے۔

دعائے ابراہیمی علیہ السلام

جیسا کہ سورۃ الممتحنہ کی محولہ بالا آیت میں اشارہ کیا گیا، ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لیے مغفرت کی دعا کرنے کے حوالے سے بھی ابتدائے دعوت میں مشرکین سے برأت کو ممنوع ٹھہراتے ہوئے شوشہ چھوڑا جاتا ہے کہ ”مکی سورتوں میں اس دعا کا صرف تذکرہ ہے، جبکہ ابراہیم علیہ السلام کو استغفار سے منع کرنے کا ذکر مدنی سورہ (سورۃ التوبہ) میں ملتا ہے۔“ یہ استدلال بھی درست نہیں کیونکہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سورۃ التوبہ کی اس آیت کے نزول سے پہلے یا ہجرت سے قبل نبی ﷺ اور مومنوں کو مردہ مشرکوں کے لیے دعائے مغفرت کی اجازت تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو نبی ﷺ ابو طالب کے لیے مغفرت کی دعا کرتے اور ان کی موت کے وقت یہ نہ کہتے کہ:

اَیْ عَمِّ قُلْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اُحَاجُّ لَکَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ

(صحیح بخاری: کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ التوبۃ، باب قولہ مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ)

”اے میرے چچا! لا الٰہ الا اللہ کہہ دیجیے تاکہ میں اس پر آپ کے لیے اللہ سے حجت کر سکوں“

کسی بھی قرآن کی آیت یا حدیث میں یہ نہیں ملتا کہ ہجرت سے قبل نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے مشرکوں کی میت میں شرکت کی ہو یا ان کے لیے استغفار کیا ہو۔ دراصل یہ طرزِ استدلال ہی درست نہیں کہ قرآن کی ایک یا دو آیات کو لے کر سیاق و سباق سے صرفِ نظر کر کے اس پر کوئی فیصلہ کن رائے قائم کی جائے یا اس کو استدلال کی بنیاد بنایا جائے۔ سورۃ التوبہ میں جو یہ حکم دیا گیا ہے کہ:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ

(التوبة:۱۱۳)

''نبی اور مومنوں کو اس کی اجازت نہیں کہ جب ان پر یہ واضح ہو گیا کہ مشرکین جہنمی ہیں تو پھر ان کے لیے دعائے مغفرت کریں، اگر چہ وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں''

اس کا تعلق دراصل اس واقعہ سے ہے جو سنن نسائی (کتاب الجنائز) میں اس آیت کے زیرِ عنوان بیان کیا گیا ہے...... اگر چہ یہاں اس کو ایک عام اور قطعی حکم کے طور پر بیان کیا گیا ہے..... نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اپنی والدہ کے لیے دعائے مغفرت کی اجازت چاہی، وہ ان کو نہ دی گئی، اور یہ عام فرمان نازل کر دیا گیا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست نہیں کہ اس آیت کے نزول سے قبل نبی ﷺ اور صحابہ ؓ مشرک مُردوں کے لیے دعائے مغفرت کیا کرتے تھے۔ اس قسم کی قرآن سے اور بھی مثالیں دی جا سکتی ہیں، اور ابو طالب کا مذکورہ واقعہ بھی اس کا ثبوت ہے۔

(۳) مؤمنین پر مخالفین کے جہنمی ہونے کی وضاحت

سورۃ التوبہ کی اسی مذکورہ بالا آیت کے حوالے سے مشرکین سے قطع تعلق نہ کرنے کے ذیل میں یہ تعجب خیز شوشہ بھی چھوڑا جاتا ہے کہ ''دیکھیے یہاں مومنین پر کفار کا جہنمی ہونا تقریباً ۲۲ سال کی دعوت و کشمکش کے بعد واضح ہوتا ہے۔'' معترضین گویا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنی وفات سے صرف ایک سال قبل ہی کفار پر واضح کیا کہ ان لوگوں کا انجام جہنم کی آگ ہے! کیا اس سے پہلے کبھی بھی یہ بات اُن کے سامنے نہیں لائی گئی؟ فیا للعجب! اس طرح کا خیال نبی ﷺ کی ۲۲ سالہ دعوت جس پر پورے قرآن کی دعوت مشتمل ہے، سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کہا جاتا ہے۔ اگر قرآن کا مطالعہ کر لیا جائے تو ایسا ہرگز نہ کہا جائے کیونکہ مکی سورتوں میں واضح طور سے کفار کو عذابِ جہنم یا عذاب النار کی وعید سنائی گئی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

۱- سورۃ یونس (۴) ۲-النحل (۸۸)
۳- الکہف (۱۰۲، ۱۰۶) ۴-الانبیاء (۳۹، ۹۷، ۹۸)
۵- الحج (۱۹، ۲۵، ۵۵، ۵۷) ۶-الروم (۱۶)
۷- السجدۃ (۲۰، ۲۱) ۸-فاطر (۳۶)
۹- الزمر (۷۱) ۱۰-حٰم السجدۃ (۲۷)
۱۱- الجاثیۃ (۱۱) ۱۲-الملک (۶)

طوالت سے اجتناب کرتے ہوئے قوسین میں آیات کے نمبر لکھ دیے گئے ہیں۔ سورۃ الملک کی محولہ آیت یہ ہے:

وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ

(الملک:۶)

''اور جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے، اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے''

اس سورہ کی اگلی آیات میں عذاب کی کچھ تفصیل بھی دی گئی ہے۔ سورۃ الملک مکے کے ابتدائی دور کی سورتوں میں سے ہے۔ سورۃ الزمر کے آخری رکوع (وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ....) میں کافروں کے گروہ کا جہنم کی طرف جانے کا تذکرہ ہے۔ بہتر ہے کہ ایک دفعہ پورے قرآن کا باترجمہ مطالعہ کر لیا جائے تا کہ قرآن کی دعوت پوری طرح واضح ہو جائے، اور اس طرح کے شکوک و شبہات پیدا کر کے ارتیاب نہ کیا جائے۔ نبی ﷺ کا اپنی والدہ کے لیے دعائے مغفرت کی اجازت طلب کرنا خود ظاہر کرتا ہے کہ مردہ مشرکوں کے لیے استغفار نہ کی جاتی تھی، ورنہ اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔

سورۃ التوبہ ہی کی ایک دوسری آیت

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ

(التوبة:۸۴)

''اور (اے نبی!) ان (منافقوں) میں سے کوئی مر جائے تو کبھی اُس (کے جنازے) پر نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر (جا کر نماز کے لیے) کھڑے ہونا۔ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور نافرمان ہی مرے''

کے ذیل میں رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے لیے نبی ﷺ کے نماز جنازہ پڑھنے کے حوالے سے بھی یہ شوشہ چھوڑا جاتا ہے کہ ''دیکھو مردہ کفار کے لیے دعائے مغفرت کی ممانعت نہ تھی ورنہ اگر اس آیت کا حکم پہلے نازل ہو چکا ہوتا تو نبی ﷺ کبھی اُس کی صلوٰۃ المیت نہ پڑھتے۔'' بات یہ ہے کہ منافقین چونکہ اپنی زبان سے مسلم ہونے کا دعویٰ کیا کرتے تھے، اس لیے اُن کے ساتھ کفار جیسا سلوک نہ کیا جاتا تھا اور اس کے بارے میں اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح ہدایت نہ ملی تھی جیسا کہ خود نبی ﷺ کے فرمان سے ثابت ہوتا ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؓ أَنَّهُ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ أُبَيٍّ جَاءَ ابْنُهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ إِلَىٰ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَأَعْطَاهُ قَمِيصَهُ وَأَمَرَهُ أَنْ يُكَفِّنَهُ فِيهِ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي عَلَيْهِ فَأَخَذَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ بِثَوْبِهِ فَقَالَ تُصَلِّي عَلَيْهِ وَهُوَ مُنَافِقٌ وَقَدْ نَهَاكَ اللَّهُ أَنْ تَسْتَغْفِرَ لَهُمْ قَالَ إِنَّمَا خَيَّرَنِي اللَّهُ أَوْ أَخْبَرَنِي فَقَالَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ فَقَالَ سَأَزِيدُهُ عَلَى السَّبْعِينَ قَالَ فَصَلَّىٰ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَصَلَّيْنَا مَعَهُ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ

(صحیح بخاری: کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ التوبۃ، باب قوله وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ)

''عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ جب عبداللہ بن ابی مرا تو اس کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ نبی ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے اپنا کرتا انہیں دے دیا اور انہیں حکم دیا کہ اُسے اسی میں کفنانا۔ پھر آپ اس پر صلوٰۃ پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو عمر بن خطاب نے آپ کا دامن پکڑ لیا اور عرض کیا کہ آپ اس کی صلوٰۃ پڑھا رہے ہیں اور وہ تو منافق تھا، اور اللہ نے تو آپ کو ان لوگوں کے لیے استغفار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اختیار دیا گیا ہے، یا اس طرح فرمایا کہ مجھے ایک بات کی خبر دی گئی ہے۔ اللہ نے صرف یوں فرمایا ہے کہ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ (اگر آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں، اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان کے لیے استغفار کریں گے تو اللہ ہرگز انہیں معاف نہ فرمائے گا)، میں ستر مرتبہ سے زیادہ اس کے لیے استغفار کروں گا۔ پھر آپ نے اس پر صلوٰۃ پڑھی اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ صلوٰۃ

ادا کی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی: وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ (اور ان میں سے کوئی مرجائے تو آپ اس کے جنازے پر کبھی صلوٰۃ ادا نہ کرنا، اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا، یہ اللہ اور اس کے رسول کا کفر کرتے رہے اور مرے بھی تو نافرمان)۔"

چونکہ منافقین کے حق میں یہ حکم اس وقت تک واضح نہ تھا اس لیے نبی ﷺ نے اُس منافق کے مومن بیٹے (عبداللہ بن عبداللہ بن ابی) کی تالیفِ قلب کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی صلوٰۃ المیت ادا فرمائی۔ کفار و مشرکین کو ابتدائے دعوت میں جہنمی نہ سمجھنا صریحاً امرِ واقعہ کے برعکس ہے اور مذکورہ بالا دونوں واقعات سے اس موقف کی تائید کے بجائے تردید ہوتی ہے۔

(۴) مخالفین دین کو تسلیمات

دعوتِ حق کی مخالفت کرنے والوں کو سلام کرنے کے سلسلے میں شکوک و شبہات پیدا کیے جاتے ہیں اور جو لوگ برادری و معاشرے کی مخالفت سے ڈرتے ہیں اور اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتے وہ لوگ اس معاملے میں مداہنت اختیار کرنے پر زور دیتے ہیں۔ اس مسئلے پر غور کرنے کے لیے سورۃ النسآء کی درج ذیل آیت سے رہنمائی حاصل کی جائے۔ مالک نے فرمایا:

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا (النساء:۸۶)

"جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر جواب دو یا پھر انہی الفاظ کو لوٹا دو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے"

یہ آیت مسلمانوں میں باہمی سلام و جواب کا طریقہ بتاتی ہے اور سلام کا جواب دینے کی تاکید کرتی ہے۔ نبی ﷺ نے ایک مسلم کے دوسرے مسلم پر جو چھے حقوق بیان فرمائے ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ

اِذَا لَقِيْتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ "جب تو اس سے ملے تو اسے سلام کر"

(صحیح مسلم: کتاب السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام)

قرآن کی آیت اور مسلم کی حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ آپس میں سلام کرنا تو مسنون ہے اور جواب دینا واجب ہے (جواب نہ دینے پر گناہ ہوگا)۔ لیکن اس آیت اور روایت سے یہی اصول ملتا ہے کہ یہ حکم بین المسلمین سلام و جواب کے لیے ہے۔ اس سے یہ استنباط نہیں ہو سکتا کہ غیر مسلموں کو سلام کیا جائے، یا ان کے سلام کا جواب دیا جائے۔ اس موقف کی واضح تائید ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں انہوں نے فرمانِ رسول ﷺ نقل کیا کہ:

لَا تَبْدَؤُا الْيَهُوْدَ وَلَا النَّصَارٰى بِالسَّلَامِ وَاِذَا لَقِيْتُمْ اَحَدَهُمْ فِيْ طَرِيْقٍ فَاضْطَرُّوْهُ اِلٰى اَضْيَقِهٖ

(صحیح مسلم: کتاب السلام، باب النھی عن ابتدآء اھل الکتب بالسلام و کیف یرد علیھم)

"تم یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو اور راستے میں اگر تمھیں ان میں سے کوئی ملے تو اس کے لیے راستہ تنگ کرو (کشادگی نہ کرو) تاآنکہ وہ ایک طرف ہو کر گزرنے پر مجبور ہو جائے"

اسی طرح انس بن مالک اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی متفق علیہ روایتوں میں نبی ﷺ کا یہ حکم ہے کہ

اِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ اَهْلُ الْكِتَابِ فَقُوْلُوْا وَعَلَيْكُمْ

"جب یہود و نصاریٰ تمھیں سلام کریں تو جواب میں وَعَلَيْكُمْ کہو"

(مسلم ایضاً و بخاری، کتاب الاستئذان، باب کیف یرد علی اھل الذمۃ السلام)

مذکورہ احادیث میں کفار و مشرکین کے لیے سلام (اللہ کی رحمت و سلامتی و برکت کی دعا) کرنے کی نبی ﷺ کی واضح ممانعت ہے لیکن معترضین کفار و مشرکین کو سلام کرنے پر مصر ہیں اور اپنے غلط موقف کی تائید میں مکی سورتوں کی کچھ آیتوں سے استدلال کرتے ہیں، حالانکہ اگر ان آیات پر غور کیا جائے تو ان پر اپنی غلطی خود واضح ہو جائے۔ سورۃ الفرقان میں اللہ تعالیٰ رحمٰن کے بندوں کا انداز بیان فرماتا ہے کہ:

وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (الفرقان:۶۳)

"اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) گفتگو کرنے لگیں تو وہ کہتے ہیں "سلام" (اور پھر ان سے علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں)"

سورۃ القصص میں دعوتِ حق کو قبول کرنے والے حلیم الطبع لوگوں کے حسنِ اخلاق کی منظر کشی فرمائی ہے کہ جب مخالفین ان کو دعوتِ حق سے برگشتہ کرنے کی کوشش میں بیکار بحث میں الجھاتے ہیں تو وہ اچھے انداز میں ان سے جان چھڑاتے ہیں۔ فرمایا:

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ (القصص:۵۵)

"جب وہ لغو یا بیہودہ بات سنتے ہیں تو رخ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے، تم پر سلام ہو، ہم جاہلوں کے منہ نہیں لگتے"

یہ آیت الجھنے کی بجائے احسن طریقے سے علیحدگی اختیار کرنے کی روش بیان کرتی ہے۔

سورۃ مریم میں ابراہیم علیہ السلام اپنے والد سے رخصت ہوتے ہوئے یہ کلمات ادا کرتے ہیں:

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا (مریم:۴۷)

"تم پر سلام، میں اپنے رب سے تمہارے لیے استغفار کروں گا، بیشک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے"

اب ذرا غور فرمایئے کہ ان آیات میں کیا صورتحال سامنے لائی گئی ہے۔ داعیٔ حق کو یہ انداز سکھایا گیا ہے کہ دینی گفتگو یا مباحثے میں یا دورانِ دعوت اگر مخاطب جاہلانہ روش پر اتر آئے تو پھر افہام و تفہیم کا موقعہ نہیں رہتا، چنانچہ اس وقت احسن طریقے سے علیحدگی اختیار کر لینا مناسب ہے، تاکہ مخاطب کو سوچنے کا موقعہ ملے اور آئندہ دعوت دینے کا موقعہ باقی رہے۔ اس کے لیے طریقہ یہ بتایا گیا کہ "سَلٰمٌ عَلَيْكَ" کہہ کر خوشگوار انداز میں اس بات کو ختم کیا جائے۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ ہر قوم میں رخصت ہوتے ہوئے اُن کی اپنی زبان میں کچھ الوداعی کلمات ادا کیے جاتے ہیں جن میں ایک دوسرے کے لیے دعائیہ جذبے یا نیک خواہشات کا اظہار ہوتا ہے۔ عربی زبان میں "سَلٰمٌ عَلَيْكَ" یا "فِيْ اَمَانِ اللّٰهِ" کہنے کا رواج ہے۔ آج کل بھی عرب ممالک مصر و شام وغیرہ میں یہ کلمات مستعمل ہیں جن کو عیسائی، یہودی وغیرہ بھی استعمال کرتے ہیں۔ درج بالا آیات میں تینوں موقعوں پر یہی انداز ملتا ہے۔ بالکل اسی طرح سورۃ الزخرف میں داعیٔ حق کو اس ضابطہ اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے کہ باوجود ان کی ہٹ دھرمی کے تمہارا انداز عفو و درگزر والا ہی ہونا چاہیے:

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۭ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (الزخرف:۸۹)

"پس (اے نبی!) تم ان سے درگزر کرو اور کہدو کہ "سلام"۔ عنقریب انہیں (انجام) معلوم ہو جائے گا"

ظاہر ہے کہ یہ بھی ہٹ دھرم مدعو یا مخاطب سے "سلام" کہہ کر احسن طریقے سے علیحدگی کا ہی انداز ہے۔ اس کے علاوہ سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ:

وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی ؟ (طٰہٰ:۴۷)

''اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے''

یہ سلامتی کی دعا ہے جو پیغامِ ہدایت قبول کرنے والے کے لیے مشروط کر دی گئی ہے، چنانچہ ہجرت کے تقریباً چھ سال بعد نبی ﷺ نے جب اپنے قاصدوں کے ذریعے دعوت الی اللہ کے تحریری دعوت نامے ارسال فرمائے تو ان میں بھی وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی سے پیغامِ ہدایت کی ابتداء فرمائی۔ (صحیح بخاری: کتاب الجهاد والسیر، باب دعاء النبی ﷺ الی الاسلام) یہ ایک ضابطۂ اخلاق ہے جو اچھی طرح دعوت دینے اور اختتام کے لیے داعیِ حق کو تعلیم فرمایا گیا ہے۔

محترین سورۃ النسآء کی درج ذیل آیت پیش کر کے دعوتِ حق کے مخالفین کو سلام کرنے پر اصرار کرتے ہیں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ (النسآء:۹۴)

''اے مومنو! جب تم اللہ کی راہ میں نکلو تو (مومن و کافر کی) تحقیق کر لیا کرو، اور جو تمہیں سلام کرے اسے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں''

غور کیا جائے تو یہ استدلال الٹا انہی پر پڑتا ہے۔ اس آیت میں سلام کرنے کو مومن ہونے کی علامت قرار دیا گیا ہے یعنی وقتِ ملاقات مومن ہی مومن کو سلام کرے گا، اور گویا اس شناختی علامت (identification code) سے اس کی پہچان ہوگی۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ مومنوں کو جو وقتِ ملاقات ایک دوسرے کو سلام اور مصافحہ کرنے کا طریقہ سکھایا گیا ہے اور اس پر زور دیا گیا ہے کہ مصافحہ نہ کر سکیں تو اَلسَّلٰمُ عَلَيْكُمْ کہہ لیں، مکی دور میں بھی اس پر عمل کیا گیا اور سلام و دعا کے یہ الفاظ احادیث میں متعدد مقامات پر ملتے ہیں، لیکن مکی دور میں کفار و مشرکین سے ملاقات کے وقت سلام و مصافحہ کرنے یا صرف ''سلام'' ہی کرنے کا قرآن و حدیث میں ذکر نہیں ملتا لیکن محترین ہیں کہ مصر ہیں: ''اس سلسلے میں قرآنی ہدایات واضح ہیں۔'' اگر وہ مذکورہ بالا مکی سورتوں کی آیات کو ہی ''واضح ہدایت'' سے تعبیر کر کے اپنے موقف کی بنیاد بناتے ہیں تو ان کا صحیح مفہوم بالتفصیل مندرجہ بالا سطور میں بیان کر دیا گیا ہے، اور مومنوں کے لیے باہم سلام و دعا کے تعلقات کے بارے میں جو کچھ قرآن و حدیث میں ملتا ہے وہ بھی اجمالاً پیش کر دیا گیا ہے۔ ہمارے اس دعوتی دور میں (جو دعوت کے لحاظ سے مکی دور کی طرح ہے) ایک محتاط اور متوازن رویہ یہ ہوگا کہ جن لوگوں کو دعوت دی جائے اُن کو سلام بھی کیا جائے اور ان کے سلام کا جواب بھی دیا جائے، اور اس میں یہ دعائیہ جذبہ کارفرما ہو کہ اللہ تعالیٰ اُن کو قبولِ حق کی توفیق عطا فرما دے۔ اس کے برعکس جن لوگوں پر حجت پوری ہو جائے (اور ہر طرح سے سمجھانے کے بعد دعوت کا دروازہ بند ہو چکا ہو) تو ان کو سلام نہ کیا جائے اور اگر وہ سلام کریں تو اُن کو اہلِ کتاب والا جواب ''وَعَلَيْكُمْ'' ہی دیا جائے۔ ہمارا یہی موقف ہے۔

یہاں بطور جملہ معترضہ اس بات کی نشاندہی مناسب ہوگی کہ بعض منکرین حدیث تحیہ کے لیے اَلسَّلٰمُ عَلَيْكُمْ کہنے کو شرک قرار دیتے ہیں اور اس کے بجائے سَلٰمٌ عَلَيْكَ یا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ کے الفاظ پر اصرار کرتے ہیں، اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ اس طرح مخاطب کو بے عیب بتایا جاتا ہے جبکہ اَلسَّلٰمُ (بے عیب ہونا) صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے .... یہ ان کی جہالت اور عربی قواعد سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ اَلسَّلٰمُ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ہے اور اس کے معنی ہیں کہ وہ ہر عیب سے پاک ہے لیکن اس کے معنی امن و امان یا سلامتی کے بھی ہیں اور انہی معنوں میں اَلسَّلٰمُ عَلَيْكُمْ کے الفاظ بطور دعا مومن بھائیوں کے لیے مستعمل ہیں اور ان کے معنی ہوتے ہیں: ''تم پر سلامتی ہو''۔ یہ شرک تو اُس صورت میں ہوتا جبکہ مخاطب کو '' اَنْتَ السَّلٰمُ '' کہا جاتا یا ہر عیب و نقص سے پاک سمجھا جاتا۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ سلام کے یہ مروجہ الفاظ نہ صرف احادیث میں تواتر سے آئے ہیں (جن پر آج تک برابر اسی طرح عمل کیا جا رہا ہے) بلکہ قرآن میں بھی انہیں بطور تحیہ استعمال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں بتایا گیا، قرآن کی آیت ہے:

وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (طٰہٰ:۴۷) جس کے معنی ہیں: ''اور سلام (سلامتی) ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے''۔ اور یہی الفاظ نبی ﷺ نے کافر بادشاہوں کو دعوتی خطوط میں آغازِ تحریر میں لکھوائے۔ ان منکرین نے ظلم یہ کیا ہے کہ قرآن کا بھی کھلے دل سے بغور مطالعہ نہیں کیا۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ مومنوں میں سلام و دعا اور تحیات (Greetings) کے کلمات کا تبادلہ محض رسمی نہیں بلکہ باہمی محبت اور ایک دوسرے کے لیے اکرام و احترام کے جذبات کو فروغ دینے کے لیے ہوتا ہے۔ کیا شیعوں، قادیانیوں اور دیگر غیر مسلموں کے لیے ایسے جذبات پیدا ہو سکتے ہیں؟ اس بات کو پوری طرح سمجھنے کے لیے سورۃ المجادلہ پر غور کیا جائے جس کی آخری آیت یہاں نقل کی جا رہی ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۗ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۗ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۗ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۗ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(المجادلة:۲۲)

''جو لوگ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں تم اُن کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان راسخ کر دیا ہے اور اپنے فضل سے ان کی مدد کی ہے، اور وہ انہیں جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے۔ یہی لوگ اللہ کے گروہ ہیں، (اور) سن رکھو کہ اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے''

البتہ دعوت کے مرحلے میں جس حسنِ اخلاق، اعلیٰ ظرفی اور صبر و تحمل کی ضرورت ہے، اس کے لیے ہمارا اختیار کردہ موقف ان شاء اللہ قرآن و حدیث کے معیار کے مطابق ہی ہوگا۔

محترین اصرار کرتے ہیں کہ مخالفینِ حق کو بھی سلام کرنا چاہیے کیونکہ نبی ﷺ نے ہر جانے انجانے کو سلام کرنے کی تلقین کی ہے:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ النَّبِيَّ ﷺ اَيُّ الْاِسْلَامِ خَيْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَءُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَعَلٰى مَنْ لَّمْ تَعْرِفْ

(صحیح بخاری: کتاب الاستئذان، باب السلام للمعرفة و غیر المعرفة)

''عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ کون سا اسلام بہتر ہے۔ فرمایا کہ تو کھانا کھلائے اور ہر ایک کو سلام کرے چاہے اسے جانتا ہو یا نہ جانتا ہو''

اور یہاں تک اصرار کیا جاتا ہے کہ "مدنی زندگی میں تو وہ واقعہ بھی ملتا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اس یہودی تک کو جواب دیا تھا جو آپ کے لیے بددعا کر رہا تھا":

عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتِ اسْتَأْذَنَ رَهْطٌ مِنَ الْيَهُودِ عَلَىٰ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالُوا السَّامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ ؓ بَلْ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَا عَائِشَةُ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ قَالَتْ أَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا قَالَ قَدْ قُلْتُ وَعَلَيْكُمْ (صحیح مسلم: کتاب السلام، باب النھی عن ابتداء اھل الکتاب بالسلام و کیف یرد علیھم)

"عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے کی اجازت چاہی تو کہا السَّامُ عَلَيْكُمْ (یعنی تم پر موت ہو)۔ عائشہ ؓ نے کہا کہ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ (بلکہ تم پر موت اور لعنت ہو)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! اللہ عزوجل ہر کام میں نرمی کو پسند فرماتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ نے نہیں سنا انہوں نے کیا کہا۔ آپ نے جواب دیا کہ میں نے تو اس کا جواب وَعَلَيْكُمْ (اور تم پر بھی) کہہ دیا تھا۔"

اس حدیث سے اس غلط موقف کا استدلال کرنا غلط فہمی ہے کیونکہ مسلم کی اس حدیث کے ساتھ مروی دوسری حدیث اس کو رد کر دیتی ہے جس میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

إِنَّا نُجَابُ عَلَيْهِمْ وَلَا يُجَابُونَ عَلَيْنَا

"ہم جو ان کے لیے کہتے ہیں وہ قبول ہوتا ہے اور وہ جو ہم پر کہتے ہیں قبول نہیں کیا جاتا"

بخاری نے یہ الفاظ اس طرح روایت کیے ہیں:

......فَيُسْتَجَابُ لِي فِيهِمْ وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِيَّ

(کتاب الادب، باب لم یکن النبی ﷺ فاحشا ولا متفحشا)

"میری (بددعا کی) ان کے حق میں استجابت ہوگی اور ان کی (بددعا کی) میرے حق میں استجابت نہیں ہوگی"

ثابت ہوا کہ نبی ﷺ نے اخلاق فاضلہ کے ساتھ "بددعا" کا جواب "بددعا" سے ہی دیا تھا۔ وَعَلَيْكُمْ ایک جامع لفظ ہے جو قائل پر اس کا مقولہ لوٹا دیتا ہے، اگر اس نے دعا دی تو اس لفظ سے اس پر بھی دعا ہوگی اور اگر بددعا دی تو اس پر بھی بددعا ہوگی۔ اسی لیے مومنوں کو غیر مسلموں کے سلام کے جواب میں وَعَلَيْكُمْ کا جواب سکھایا گیا جس میں اخلاق کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹتا اور کہنے والے کو اس کے کلمات کا پورا جواب بھی مل جاتا ہے۔ اس روایت سے یہ حکمت بھی واضح ہوگئی۔

(۵) شرکیہ کلمات والی جگہوں پر صلوٰۃ کی ادائیگی

دعوت حق کے میدان میں وہ وقت بڑی آزمائش کا ہوتا ہے جب صلوٰۃ کے پابند ایک متقی مومن کو فریضۂ صلوٰۃ ادا کرنا ہوتا ہے جس کے سامنے صلوٰۃ باجماعت کی فضیلتیں اور اس کے ترک پر زبانِ نبوت سے سنائی جانے والی وعیدیں مستحضر ہوتی ہیں، مساجد میں جانے اور ان کو آباد کرنے کے فضائل اس کے سامنے ہوتے ہیں، صلوٰۃ کا وقت تنگ ہوتا جاتا ہے مگر وہ ایسی جگہ نہیں پاتا جسے قرآن وحدیث کی تعلیمات کی روشنی میں "مسجد" کہا جاسکے۔ اس کے چہار جانب وہ معبد اور عبادت گاہیں بکھری ہوتی ہیں جنہیں ان کے آباد کرنے والے اگرچہ "مسجد" کہتے ہیں مگر وہ "مسجد" کی تعریف کے ذیل میں نہیں آتیں۔ ان کی پہچان ان کے بنانے والوں کا مخصوص مسلک ہوتا ہے جو بطور شناختی علامت اس عبادت گاہ کے نام کے ساتھ قوسین میں لکھا ہوا ہوتا ہے۔ ان عبادت گاہوں میں جابجا ایسے کتبے و طغرے آویزاں ہوتے ہیں جن پر کفریہ شرکیہ کلمات لکھے ہوتے ہیں۔ دیواروں پر ایسے اسٹکر چسپاں ہوتے ہیں جن پر قرآن و حدیث کی تعلیمات کے خلاف اس مخصوص مسلک کی عبارات لکھی ہوتی ہیں۔ اب وہ کیا کرے؟ کیا مسجد و جماعت کی فضیلت کو حاصل کرنے کے لیے کفر و شرک سے آلودہ عقائد کے حامل، دین کو دکانداری بنا کر پیٹ میں نارِ جہنم بھرنے والے اُس مسلکی امام کے پیچھے نماز پڑھ کر اللہ کے وقار کو للکارے یا کم از کم اپنے ایمان کے تقاضوں کا گلا گھونٹتے ہوئے وہاں اپنی اکیلی نماز پڑھ کر چلا آئے؟ معاشرے میں دعوتِ حق کے حوالے سے اجنبی بننے اور سوشل بائیکاٹ کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہ رکھنے والے معترین کہتے ہیں کہ ایک مومن کو ایسی جگہوں پر صلوٰۃ ادا کر لینا چاہیے خواہ وہاں شرک و کفر کی علامتیں موجود ہوں۔ اپنے اس باطل موقف کا استدلال بخاری و مسلم کی ان احادیث سے کیا جاتا ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ

۱۔ نبی ﷺ کعبے کی دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے تھے جب خباب بن الارت ؓ نے ان سے دعا کے لیے درخواست کی؛

۲۔ ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے نبی ﷺ پر اونٹ کی اوجھڑی ڈال دی جب آپ ﷺ کعبے میں صلوٰۃ ادا فرما رہے تھے؛

۳۔ عقبہ بن ابی معیط نے آپ ﷺ کو کعبے میں صلوٰۃ ادا فرماتے دیکھ کر آپ ﷺ کی گردن میں چادر ڈال کر بل دیے۔

اس مسئلے پر گفتگو کرنے سے پہلے اس بنیادی اور اہم بات کی یاددہانی ہو جائے کہ شرک، یعنی اللہ کے بندوں کو اللہ کا "ند" یا "ہمسر" بنانا، ایسا شنیع و قبیح فعل ہے کہ الفاظ پوری طرح اس کی شناعت و قباحت بیان نہیں کر سکتے۔ قرآن کی سورہ لقمان میں اس کو ظلم عظیم قرار دیا ہے۔ نیز اللہ کی ذات میں شرک تو اللہ کو گالی دینے کے مترادف ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں مذکور ہے، اور بڑے سے بڑا گناہ کبیرہ بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ جس طرح سے مورتیوں سے عقیدت و محبت شرک کی جڑ ہے اور یہ مورتیاں شرک کی علامت، اسی طرح شرکیہ کتبات و کلمات بھی شرک کی علامت ہیں اور ان سے عقیدت و جذباتی تعلق بت پرستی کی ایک شکل ہے۔ ایک مخلص اور سچے مومن کے لیے تو نبی ﷺ کا صریح حکم ہے کہ:

مَنْ رَأَىٰ مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ

(صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب کون النھی عن المنکر من الایمان)

"تم میں سے جو کوئی برا کام دیکھے تو اسے ہاتھ سے روک دے، اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کرے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں برا جانے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے"

اب ذرا غور کرنے کا مقام ہے کہ وہ سچے مومن جن کی خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ:

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ (البقرۃ:۱۶۵)

"اور جو ایمان والے ہیں وہ اللہ کی محبت میں بہت شدید ہیں"

وہ تو ایسے کلمات اور کتبات دیکھ کر حدیث کے مطابق حکم نبوی کی بجا آوری کا اپنے آپ کو مکلف سمجھیں گے۔ اب اگر وہ ان کلمات کو مٹا یا ہٹا نہ سکیں یا ان کے خلاف زبان نہ کھول سکیں تو ایسی جگہ ٹھہرنا تو ان کے لیے ممکن نہ ہوگا کجا یہ کہ وہاں اطمینان و سکون کے ساتھ صلوٰۃ ادا کریں! اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مکی دور میں خود نبی ﷺ کبھی بھی مسجد

حرام میں صلوٰۃ ادا فرمالیا کرتے تھے، یا وہاں ٹھہرتے بھی تھے، تو اس کی کیا توجیہ کی جائے گی؟ اس کے لیے پہلے اس بات کی وضاحت کرنا مناسب ہوگا کہ مسجد حرام ایک وسیع وعریض جگہ ہے جو کعبۃ اللہ کے اردگرد بیرونی دیواروں تک پھیلی ہوئی ہے، اور اس میں وقتاً فوقتاً توسیع وتعمیر ہوتی رہی ہے۔ مسجد حرام کے وسط میں کعبۃ اللہ کی عمارت ہے جس میں حطیم بھی شامل ہے (جس پر پہلے چھت تھی لیکن منہدم ہونے کے بعد تعمیر میں حطیم کو بغیر چھت چھوڑ دیا گیا)۔ اس وقت تقریباً تمام مورتیاں کعبے کے اندر تھیں سوائے چند ایک کے جو صفا کی پہاڑی اور دوسرے مقامات پر رکھی ہوئی تھیں۔ نبی ﷺ کعبے کے اندر صلوٰۃ نہیں ادا فرماتے تھے بلکہ اس کے باہر مسجد حرام میں ادا فرماتے تھے، اور ذکر و اذکار کے لیے بھی وہیں بیٹھا کرتے تھے۔ معترضین کے اپنے موقف کے ثبوت میں پیش کردہ احادیث کے واقعات یعنی حالتِ صلوٰۃ میں عقبہ بن ابی معیط کا نبی ﷺ کی گردن میں چادر ڈال کر مروڑنا، ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کا آپ ﷺ کے شانوں پر اونٹ کی اوجھڑی ڈالنا یا خباب بن الارت ؓ کی شکایت کے موقعے پر نبی ﷺ کا کعبے کی دیوار سے ٹیک لگائے ہونا، تو ان تمام واقعات کے دوران نبی ﷺ مسجد حرام میں ہی تشریف فرما تھے نہ کہ کعبے کے اندر۔ ایسی کوئی ایک روایت بھی نہیں ملتی کہ فتح مکہ کے دن بتوں سے کعبے کو پاک کردینے سے قبل آپ ﷺ نے کعبے میں کبھی کوئی صلوٰۃ ادا فرمائی ہو۔ اب اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے معترضین کو اپنے اس قول پر نظر ثانی فرمانی چاہیے جو صریح غلط فہمی پر مبنی ہے کہ ''۳۶۰ بتوں کے موجود ہوتے ہوئے بھی آپ ﷺ نے کعبہ جانا نہیں چھوڑا۔''

معترضین اپنے موقف کی تائید میں ترمذی کی یہ روایت بھی پیش کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہجرت سے قبل دو مرتبہ حج ادا کیا۔ خواہ یہ روایت ہو یا مذکورہ بالا روایات، ان سب سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ مسجد حرام تشریف لے جاتے تھے (کعبے کے اندر نہیں جاتے تھے جہاں بت رکھے ہوئے تھے) اور وہاں پر موجود لوگوں کو الٰہ واحد کی بندگی کا پیغام سناتے تھے اور بت پرستی کی شناعت بیان کرکے اس سے روکتے تھے، کعبے کے متولیوں کے عقائد و اعمال کی خرابی کی کھل کر نشاندہی فرماتے تھے، اور اس طرح درج بالا حدیثِ مسلم میں مذکور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تقاضا بوجہ اولیٰ پورا فرماتے تھے۔ فتح مکہ پر کعبۃ اللہ کو بتوں کی نجاست سے پاک کردیا گیا تو پھر آپ ﷺ نے اس کے اندر صلوٰۃ ادا فرمائی۔

معترضین کی طرف سے پیش کیے جانے والے موقف میں یہ بات امرِ واقعہ کے سراسر خلاف ہے کہ نبی ﷺ کعبے میں صلوٰۃ ادا فرما رہے تھے جب آپ کے کاندھے پر اوجھڑی یا گلے میں چادر ڈالی گئی۔ اوجھڑی اور چادر سے متعلق احادیث صحیح بخاری میں مختلف مقامات پر مختلف الفاظ سے آئی ہیں، مثلاً:

......اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّيْ عِنْدَ الْبَيْتِ......

(کتاب الوضوء، باب اذا القی علی ظهر المصلی قذر او جيفة)

''نبی ﷺ خانہ کعبہ کے پاس صلوٰۃ ادا کر رہے تھے''

......بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللهِ قَائِمٌ يُصَلِّيْ عِنْدَ الْكَعْبَةِ......

(کتاب الصلوٰۃ: باب المراة تطرح عن المصلی شيئا من الاذی)

''ہمارے درمیان نبی ﷺ کعبے کے پاس کھڑے ہوئے صلوٰۃ ادا کر رہے تھے''

...... كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيْ فِيْ ظِلِّ الْكَعْبَةِ

(کتاب الجهاد والسير، باب الدعاء على المشركين بالهزيمة والزلزلة)

''نبی ﷺ کعبے کے سائے میں صلوٰۃ ادا کر رہے تھے''

......قَالَ بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيْ بِفِنَاءِ الْكَعْبَةِ......

(کتاب التفسیر: تفسیر سورة المؤمن)

''ہمارے درمیان رسول اللہ ﷺ کعبے کے کنارے صلوٰۃ ادا کر رہے تھے''

...... كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُصَلِّيْ فِيْ حِجْرِ الْكَعْبَةِ

(کتاب مناقب الانصار، باب ما لقی النبی ﷺ و اصحابه من المشركين بمكة)

''رسول اللہ ﷺ کعبے کی حطیم میں صلوٰۃ ادا کر رہے تھے''

بخاری کی آخر الذکر حدیث کے باب میں ہی خباب بن الارت ؓ کے نبی ﷺ کے پاس آکر دعا کی درخواست کرنے والی روایت بھی نقل کی گئی ہے اور اس میں بھی اسی طرح کا مضمون ہے کہ:

...... وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً وَ هُوَ فِيْ ظِلِّ الْكَعْبَةِ ......

''اور وہ کعبے کے سائے میں ایک چادر پر تکیہ لگائے بیٹھے تھے''

اس سب کے باوجود یہ کہنا کہ ''اگر رسول اللہ ﷺ کی صلوٰۃ ۳۶۰ بتوں والی مسجد حرام میں ہوسکتی ہے تو اسی طرح کے حالات میں آج کے مومنین کی صلوٰۃ کیوں نہیں ہوسکتی؟'' ایک صریح مغالطہ ہے۔ جیسا کہ اوپر بتایا گیا، وہ ۳۶۰ مورتیاں کعبے کی چار دیواری میں مقید تھیں (سوائے چند ایک کے)، تمام مسجد حرام میں پھیلی ہوئی نہ تھیں، اور مکی دور میں اور ہجرت کے بعد بھی کچھ عرصے تک بیت المقدس قبلہ تھا اور اُس طرف رخ کرکے صلوٰۃ ادا کی جاتی تھی۔ لہٰذا اُس صورتحال کا اطلاق آج کل کی صورتحال پر نہیں ہوتا۔ گزشتہ سطور میں اس کی تفصیلی بحث آچکی ہے۔ اسی لیے عمر ؓ نے بیت المقدس کے کلیسا میں صلوٰۃ ادا کرنے کے بجائے باہر ادا کرنے کو ترجیح دی جب انہیں بیت المقدس کی فتح کے بعد عیسائیوں نے Church of Holy Sepulchre میں نماز ادا کرنے کی دعوت دی۔ بعد والوں کے لیے یہی حجت ہے، جبکہ کوئی اور عذر مانع نہ ہو۔ سورۃ الجن کی آیت کا بھی یہی تقاضا ہے:

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿ (الجن:۱۸)

''اور یہ مسجدیں اللہ ہی کے لیے ہیں، پس ان میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو''

اس آیت اور اس کے ساتھ والی آیات

وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿ (الجن:۱۹ تا ۲۱)

''اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ (نبی ﷺ) اس کی عبادت کے لیے کھڑا ہوا تو لوگ اس پر ٹوٹ پڑنے کو تھے۔ تو کہہ دو کہ میں تو اپنے رب کو ہی پکارتا ہوں اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں کرتا۔ یہ بھی کہہ دو کہ میں تمہارے حق میں نفع اور نقصان کا کچھ اختیار نہیں رکھتا''

پر ذرا پھر غور فرمایئے: ان میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ مساجد تو صرف اللہ ہی کی عبادت کے لیے ہیں، ان میں کسی اور ہستی کی پکار یا پوجا پاٹ کی گنجائش قطعاً نہیں۔ اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ مساجد میں شرک کی کوئی بھی علامت نہ ہو، نہ تو مورتیوں کی شکل میں اور نہ ہی مشرکانہ کلمات و کتبات کی شکل میں۔ بہرحال مساجد کو ہر قسم کی علامات شرک سے پاک وصاف ہونا چاہیے۔ ذرا غور فرمایئے کہ آج غیر اللہ کی پکار پر مشتمل کتبات نے اصنام کی جگہ لے لی ہے۔ مساجد میں ان علامات کا ہونا اللہ کی عبادت میں

شرک کی آمیزش ہے۔ نبی ﷺ نے اِنَّمَآ اَدۡعُوۡا رَبِّیۡ وَلَاۤ اُشۡرِکُ بِہٖۤ اَحَدًا کہہ کر نہ صرف شرک بلکہ علاماتِ شرک سے بھی برأت کا اظہار فرمادیا۔ اسی لیے وہ لوگ توحید کی اس دعوت اور شرک سے برأت پر نبی ﷺ پر ٹوٹ پڑنے پر تیار ہو گئے۔ ایمانِ خالص کی عریاں دعوت کا یہی توردِ عمل ہوتا ہے۔

ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے۔ مسجدِ حرام میں کسی کو عبادت سے روکنا، یہ اُس قوم کے ضابطۂ اخلاق میں نہ تھا۔ پھر بھی نبی ﷺ اور ان کے ساتھیوں کی راہ میں مزاحمت ہوئی تو وہ صرف اس لیے کہ نبی ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے ان کے شرک اور بے دینی پر کھل کر تنقید کی، اور صلوٰۃ بھی ان کے مروجہ سیٹیوں تالیوں والے طریقے سے ہٹ کر رکوع وسجود کے طریقے سے ادا کی۔ اس طرح اُن کے دین سے مکمل علیحدگی اور برأت کا خاموش اعلان شروع ہی کے مرحلے میں ہوگیا۔ یہ اُن کے قومی وقار اور دینی حمیت پر ایک چوٹ تھی، جس کا ردِ عمل تو ہونا ہی تھا۔

محترین کی یہ بات لطیفے سے کم نہیں کہ سورۃ الجن کی مذکورہ بالا آیت میں "مَسَاجِدَ" سے مراد "مسجدِ حرام" ہے۔ یہ بے تکا استدلال تشدد پر مبنی ہے۔ جس کا کوئی جواز نہیں۔ بلا دلیل اور بلا جواز عام کو خاص کرنا انتہائی نامناسب فعل ہے۔ مذکورہ آیت میں عام اصولِ شریعت بیان کیا گیا ہے، جس کو زماں ومکاں کی قید میں مقید کرنا بے جواز ہے۔

(۶) اہلِ کتاب اور اس امتِ مسلمہ کے شرک میں فرق

اعداءِ حق کی مخالفت کا جرأت ومردانگی کے ساتھ سامنا کرنے کا اپنے اندر حوصلہ نہ پانے والے ضعفاء ان سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ پھر جب وہ مداہنت کا رویہ اختیار کرکے ان سے تعلقات استوار کرنے کی سوچنے لگتے ہیں تو کتاب اللہ کی روشنی میں برأت وبیزاری کے مستحق لوگ انہیں اپنی "وسیع النظری" میں کچھ دوسرے لوگ محسوس ہوتے ہیں۔ پھر ایسے لوگوں کے متعلق نازل شدہ وعیدیں وہ کسی اور ہی قسم کے لوگوں کے کھاتے میں ڈالنے لگتے ہیں۔ جس فعل کے ارتکاب کی وجہ سے اہلِ کتاب "کافر ومشرک" قرار پاتے ہیں، وہی فعل اگر ان کے ہم عصر کرتے ہیں تو وہ "اپنے" ہونے کی وجہ سے اس زمرے سے خارج ٹھہرتے ہیں، گویا:

اِذَا اكۡتَالُوۡا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُوۡنَ وَاِذَا كَالُوۡهُمۡ اَوْ وَّزَنُوۡهُمۡ يُخۡسِرُوۡنَ

(المطففین: ۲-۳)

"جب یہ لوگوں سے لیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں"

نصاریٰ اگر عیسیٰ علیہ السلام کو تخلیق کے واسطے سے اللہ کا بیٹا قرار دے کر "نائیسین عقیدہ" (Nicean Creed) اختیار کرتے ہیں تو وہ شرک بالذات کے مرتکب ٹھہرائے جاتے ہیں اور سورۃ مریم کی آیات ۸۸ تا ۹۳ کے حوالے سے ان پر اللہ تعالیٰ کی غضبناکی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ وہ یقیناً اسی کے سزاوار ہیں۔ ان کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے کہ یہ شرک بالذات تو، جیسا کہ پہلے بتایا گیا، بدترین اور غلیظ ترین قسم کا شرک ہے جو ازروئے حدیثِ قدسی اللہ تعالیٰ کو گالی دینے کے مترادف ہے۔ لیکن جب موجودہ امت نبی ﷺ کو بغیر کسی واسطے کے براہِ راست اللہ کی ذات کا ایک حصہ قرار دے کر نصاریٰ سے کہیں بڑا شرک کرتی ہے تو یہ انہیں "افراط وتفریط" اور "خلافِ واقعہ" نظر آتا ہے، اور وہ ٹاپ تول کرنے لگتے ہیں کہ "شرک میں یہ زیادہ بڑھے ہوئے ہیں یا وہ"۔ "افراط وتفریط" حدود سے تجاوز (یا کمی اور حد بندی) وغیرہ کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ ہمارا یہ کہنا کہ اس امت کے لوگ صلب کے واسطے کے بغیر ہی نبی ﷺ کو اللہ کی ذات میں شریک کرتے ہیں، نہ "خلافِ واقعہ" ہے اور نہ "افراط وتفریط" کیونکہ اس امت کے اکابرین کی تحریریں اس کا بین ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ احمد سرہندی صاحب المعروف بہ مجدد الف ثانی نے بھی چار سو سال پہلے یہی کہا تھا جس پر ان کے معتقدین کا آج بھی عقیدہ ہے:

> "جاننا چاہیے کہ پیدائشِ محمدی تمام افرادِ انسان کی پیدائش کی طرح نہیں بلکہ افرادِ عالم میں سے کسی فرد کی پیدائش کے ساتھ نسبت نہیں رکھتی کیونکہ آنحضرت ﷺ باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں، جیسے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ (میں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوا ہوں)۔ اور دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں......"

(مکتوب نمبر ۱۰۰، دفتر سوم، مکتوباتِ ربانی مجدد الف ثانی)

قرآن وحدیث سے بے نیاز ہو کر جابر رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک موضوع روایت کو بنیاد بنا کر قوم کو ایک عقیدہ پیش کر دیا گیا اور اس نام نہاد امتِ مسلمہ کی اکثریت نے برضا ورغبت اس کو اپنے ایمان کا جزو لاینفک قرار دے لیا! اب ذرا غور فرمایے کہ کیا "نُوۡرٌ مِّنۡ نُوۡرِ اللّٰہِ" کا یہ عقیدہ نبی ﷺ کو بلا کسی واسطے کے براہِ راست ذاتِ باری تعالیٰ میں شریک قرار نہیں دیتا؟ اس میں کیا بات "خلافِ واقعہ" ہے اور کیا "افراط وتفریط"، محترین خود ہی فیصلہ فرمالیں۔

موجودہ امت کے اس شرک بالذات کا نصاریٰ کے شرک بالذات سے موازنہ کرتے ہوئے انہیں "ایک جیسا" اور "برابر" بھی نہیں کہا جاسکتا۔ ایسا کہنا شدید غلط فہمی پر مبنی ہوگا۔ ذرا اس بات پر غور فرمائیں کہ مشرکینِ عرب، جو اہلِ کتاب (یہود ونصاریٰ) سے شرک میں کہیں زیادہ تھے اور جن کے پاس ایمان وعقیدے کی اصلاح ورہنمائی کے لیے کوئی چیز بھی باقی نہ رہی تھی، قرآن بتاتا ہے کہ وہ بھی غیر معمولی حالات ومصائب (طوفان وغیرہ) میں اللہ ہی کو خالص پکارنے لگتے تھے اور بناوٹی معبودوں سے وقتی طور سے ہی، کنارہ کش ہو جاتے تھے، لیکن ساحل پر پہنچ کر پھر ان سے رشتہ جوڑ لیتے تھے۔ لیکن اس امت کو اپنے ان معبودوں پر اتنا اعتماد اور بھروسہ ہے کہ بیماری اور سیلاب کی شدت میں بھی انہی سے لو لگائے رہتے ہیں اور نجات کے بعد بھی انہی کی دل وجان سے شکر گزاری نذر ونیاز کی شکل میں بجالاتے ہیں۔ یہ باتیں مختلف اوقات میں اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ تو "جہال" اور "عوام" کا حال ہے تو "علماء" اور "خواص" کے حالات مختلف فرقوں کے اکابرین کی کتب سے معلوم کیے جاسکتے ہیں جن کے اقتباسات اس رسالے میں چھپتے رہتے ہیں۔

تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے اس امت کے عقائد کی صرف چند مثالیں دی جاتی ہیں، جو کہ کئی قسم ہیں، جن سے اس بات کا کافی ثبوت ملتا ہے کہ اس امت کا شرک یہود ونصاریٰ کے شرک سے بہت زیادہ ہے، مثلاً

(۱) نبی ﷺ کی ذات کے حوالے سے اس امت کی اکثریت کا مذکورہ بالا عقیدہ "نورٌ من نور اللہ" جو اوپر نقل کیا گیا ہے۔

(۲) نبی ﷺ کا عالم الغیب (یعنی ہر چھپی بات جان لینے) اور حاضر وناظر ہونے (یعنی ہر جگہ موجود ہونے اور ہر چیز کے دیکھ لینے) کا عقیدہ: بریلویوں کی محفلِ میلاد میں ہر جگہ، ہر وقت نبی ﷺ کا موجود ہونا، "یا نبی" اور "یا رسول اللہ" وغیرہ کے الفاظ پکار کر مخاطبت کو ہر جگہ حاضر سمجھنا وغیرہ۔ یوسف بنوری صاحب (دیوبندی عالم، جامعہ العلوم [illegible] کے بانی، تحریکِ ختمِ نبوت کے سرگرم رکن) کے والد صاحب سے خصوصی تعلق کی وجہ سے [illegible]

نبی ﷺ کا ہر دم رابطے میں رہنا، اُن کے حالات سے ہر وقت باخبر رہنا، بار بار خوابوں میں آ کر اُن کو تلقین کرنا، پھر ان کے مرض الموت میں نہ صرف ان کی عیادت بلکہ خدمت کے لیے ان کے پاس آنا اور ان کے خادمِ خاص سے گفتگو کرنا۔ تبلیغی جماعت کے ذکریا کاندھلوی صاحب کے بقول ایک سود خور کی بیماری سے باخبر ہونا اور خود آ کر اس کے چہرے پر ہاتھ پھیر کر بیماری دور کر دینا۔

(۳) یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ حصہ زمین جو نبی ﷺ کے جسمِ اطہر سے مس ہو رہا ہے (یعنی قبر نبوی)، علی الاطلاق کعبۃ اللہ بلکہ عرش و کرسی (جس پر ذات باری تعالیٰ مستوی ہے) سے بھی افضل ہے۔ (عقائد علمائے دیوبند)

اب ان گزارشات کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا جائے کہ کیا اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) ہی نہیں بلکہ مشرکین عرب بھی نظریاتی شرک میں ان نام نہاد مومنین و موحدین، حاملین قرآن و حدیث، اور عشاقِ رب و رسول سے پیچھے ہیں؟ بنظر انصاف انہوں نے اپنے سے پہلی امتوں کو بھی مات دے دی ہے اور ایسے ایسے عقائد و نظریات اپنائے ہیں جن کا پچھلی قومیں تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ اس کا اندازہ صرف ایک مثال سے ہو سکتا ہے:

''ملفوظات اعلیٰ حضرت'' میں رضا خاں بریلوی کی ایک طویل ''نعت'' میں یہ دو شعر بھی شامل ہیں:

ان کی نبوت ان کی ابوت ہے سب کو عام
ام البشر عروس انہیں کے پسر کی ہے
ظاہر میں میرے پھول حقیقت میں میرے نخل
اس گل کی یاد میں یہ صدا ابو البشر کی ہے

اور حاشیے میں ان کی وضاحت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ

''علماء فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے پدر معنوی ہیں کہ سب کچھ انہیں کے نور سے پیدا ہوا۔ اسی لیے حضور پاک کا نام ابوالارواح ہے۔ تو آدم علیہ السلام اگرچہ صورت میں حضور کے باپ ہیں مگر حقیقت میں وہ بھی حضور کے بیٹے ہیں۔ تو ام البشر یعنی حضرت حوا حضور کے پسر آدم علیہ السلام کی عروس ہیں۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب حضور کو یاد کرتے تو یوں فرماتے: یا ابنی صورۃ و اباءی معنی ''اے ظاہر میں میرے بیٹے اور حقیقت میں میرے باپ''۔

بتائیے پچھلی امتوں میں سے کسی نے ایسی جرأت کا مظاہرہ کیا تھا کہ حوا و آدم علیہما السلام کو نبی ﷺ کے ماں باپ کے بجائے بہو بیٹا بنا دیا ہو!

عملی شرک میں بھی یہ اُن سے آگے ہی ہیں۔ اس کا تجربہ لاہور، سیہون، راولپنڈی اور کلفٹن وغیرہ میں بنے مزارات سے ہو سکتا ہے۔ ان کے قوالوں اور گویوں کے الفاظ پر اگر نظر ڈالیں تو رونگٹے کھڑے ہو جائیں:

ع جو کچھ بھی مانگنا ہے درِ مصطفیٰ سے مانگ
ع سارے نبی تیرے در کے سوالی شاہ مدینہ
ع بھر دو جھولی میری یا محمد لوٹ کر میں نہ جاؤں گا خالی
ع اللہ پکڑے محمد چھڑائے، محمد کا پکڑا کون چھڑائے
وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر، اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

یہ کلمات قوالوں اور گویوں کی محض اپنے ذہن کی اختراع نہیں بلکہ ان کے پیچھے غیر اللہ کو ''ند'' یا ''ہمسر'' ٹھہرانے کا وہ عقیدہ و نظریہ کارفرما ہے جو ان کے اکابر ''احبار و رہبان'' نے ان کو عطا فرمایا ہے۔ اس کا اعتراف مسدس حالی میں بھی کیا گیا ہے:

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ جا جا کے نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے، نہ ایمان جائے

اگر طبع خاطر پہ یہ گزارشات گراں ہوں تو ایک ''ہلکی پھلکی سی بات'' پر بھی غور فرما لیا جائے۔ یوسف بنوری صاحب اپنے مضمون ''بصائر و عبر'' میں اپنے والد ذکریا صاحب کی شادی کا قصہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''...... یہاں تک کہ یہ حقیقت واضح کر دی گئی کہ علی مرتضیٰ عرش پر فلاں بی بی سے فلاں خاندان میں عقدِ نکاح باندھ رہے ہیں۔ اس رویائے صالحہ کے بعد انکار ختم ہو گیا......'' (جامعہ بنوری ٹاؤن کا ماہانہ رسالہ ''بینات''، اگست ۱۹۷۵ء)

غور فرمایا کہ ''رویائے صالحہ'' میں کیا ''حقیقت'' منکشف ہوئی؟ عرش پر کون مستوی ہے؟ کیا تحریک ختم نبوت چلانے والے بنوری صاحب شیعہ فرقے سے نظریاتی لحاظ سے پیچھے ہیں؟ کیا یہود و نصاریٰ یا مشرکین مکہ میں سے کسی نے یہاں تک پہنچنے کی جرأت رندانہ کی؟ اب ذرا یہ بھی غور کر لیا جائے کہ مندرجہ بالا گزارشات ''خلاف واقعہ'' یا ''افراط و تفریط'' تو نہیں؟ یا ان کے بیان کرنے والے کوئی ''جہال'' اور ''عوام'' قسم کے لوگ ہیں؟

محترمین کی دلچسپی کے لیے ایک اور چیز بھی قابلِ ذکر ہے۔ یہاں بنوری صاحب نصیری فرقے کے مزعومہ خدا (علی رضی اللہ عنہ) کو عرش پر بٹھانے پر مصر ہیں۔ جس کی تائید میں ایک شیعہ شاعر (خواجہ حیدر علی آتش) علانیہ کہتا ہے کہ

ع دل مرا بندہ نصیری کے خدا کا ہو گیا

(یاد رہے کہ شام کے لوگ نصیری شیعہ ہیں، بالخصوص حکمران طبقہ) اسی لیے شیعوں میں ''بندہ علی''، ''عبدالحسین'' جیسے شرکیہ نام عام ملتے ہیں (اور خود کو سنی کہلانے والوں میں بھی شیعوں ہی کی طرح غیر اللہ کی بندگی ظاہر کرنے والے اس طرح کے نام رکھے جاتے ہیں جیسے عبدالنبی، عبدالرسول، عبدالمصطفیٰ، وغیرہ)۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ ''ایمان خالص'' میں بیان کردہ رونگٹے کھڑے کر دینے والے متعدد واقعات میں سے صرف چند یہاں بطور نمونہ پیش کیے گئے ہیں، اور ''ایمان خالص'' میں بھی کچھ ہی واقعات ان کی کتابوں سے نقل کیے گئے ہیں ورنہ ان اصل کتابوں کو پڑھا جائے جو اس قسم کے ہوشربا واقعات سے بھری ہوئی ہیں تو اندازہ ہو کہ ہمارا موقف بالکل درست ہے اور قطعاً ''خلاف واقعہ'' یا ''افراط و تفریط'' نہیں بلکہ حقیقتاً ان لوگوں نے کفر و شرک میں یہود و نصاریٰ کو بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

(۷) بدعقیدہ لوگوں کے اعمال کی حقیقت

معترضین کی طرف سے عموماً ایک شوشہ یہ بھی چھوڑا جاتا ہے کہ مذکورہ بالا عقائد کے حامل لوگوں کے اعمال کو بے کار و برباد نہ کہا جائے؛ اور اس طرح کے دعوے کیے جاتے ہیں کہ چاہے انجامِ کار کے اعتبار سے اور آخرت میں قبول یا رد ہونے کے اعتبار سے ان اعمال کی کوئی حیثیت ہو یا نہ ہو، اس دنیا میں یہ فیصلہ کرنا ہماری ذمہ داری نہیں ہے .... بلکہ یہ ایسی بات ہے کہ جس سے اللہ نے اپنے نبی تک کو روکا ہے۔ فرمایا:

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ ...... ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُم (الغاشیۃ:۲۱ تا ۲۶)

"تم نصیحت کرتے رہو۔ تم تو بس نصیحت کرنے والے ہی ہو۔ تم ان پر داروغہ نہیں ہو۔ ہاں جس نے منہ پھیرا اور نہ مانا تو اللہ اس کو بڑا عذاب دے گا۔ بے شک ان کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے۔ پھر ہم ہی کو ان سے حساب لینا ہے۔"

مزید گفتگو سے پہلے، اس پیدا کردہ غلط فہمی کا یہ حصہ دیکھا جائے کہ

"انجام یا آخرت کے اعتبار سے ان اعمال کی کوئی حیثیت ہو یا نہ ہو......"

انجامِ کار کے لحاظ سے کافروں اور مشرکوں کے اعمال کی کوئی حیثیت نہ ہونا تو قرآن و حدیث سے ثابت ہے، اور اس میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ کچھ حیثیت ہونے کے امکان کا معترضین کی جانب سے دیا جانے والا اشارہ صریحاً قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔ کیا قرآن وحدیث سے ایسا کوئی اشارہ ملتا ہے یا قرآن وحدیث میں اس مسئلے پر ابہام ہے کہ ان کے اعمال کے "قبول یا رد" میں سے کوئی بھی صورت ہو سکتی ہے؟ قرآن وحدیث پر نظر رکھنے والا ایک عام شخص بھی اس "غیر یقینی صورتحال" پر یقین نہیں رکھ سکتا۔ ہمارا تو یقینِ واثق ہے کہ شرک آلودہ ایمان کے ساتھ اعمال کی قبولیت کی قرآن وحدیث میں کوئی گنجائش نہیں ملتی۔ سطورِ آئندہ میں اس پر مزید گفتگو ہوگی۔

یہاں یہ واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ سورۃ الغاشیہ کی آیات سے غلط استدلال کیا گیا ہے۔ یہ آیات تو نبی ﷺ کی توجہ اس طرف مبذول کرا رہی ہیں کہ آپ کی ذمہ داری صرف دعوت دینا ہے، اس کو قبول کرانے اور ایمان لانے پر مخاطبین کو مجبور کرنا آپ کی ذمہ داری نہیں۔ نیز یہ کہ "آپ ان پر داروغہ نہیں۔" اس فقرے سے بھی مراد ہے کہ زبردستی دعوت منوانا آپ کی ذمہ داری نہیں۔ اسی بات کو سورۃ قٓ کی آخری آیت میں فرمایا:

وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِجَبَّارٍ (سورۃ ق:۴۵)

"اور آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں"

سورۃ البقرۃ میں آیت الکرسی کے بعد والی آیت میں بتلایا گیا کہ

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ (البقرۃ:۲۵۶)

"دین میں جبر و کراہ نہیں"

اللہ تعالیٰ نے امتحان کے نقطۂ نظر سے قبولِ حق کے لیے ہوش وشعور، عقل و دانش کے ساتھ اختیار و آزادی دے کر مہلت دی ہے۔ یہی ان آیات کا مفہوم ہے۔

یہ کہنا درست نہیں کہ نبی ﷺ کو بھی ان آیات میں کفار کے اعمال کے بارے میں فیصلہ کرنے سے روکا گیا ہے۔ اعمال کے قبول ورد یا جنت اور جہنم کا فیصلہ کرنا نہ نبی کی ذمہ داری ہے اور نہ ہی غیر نبی کی۔ البتہ قرآن میں مذکور فیصلۂ ربانی کو سنانا، اس کے ذریعے انذار کرنا یا ایمان لانے والوں کو بشارتیں دینا تو دعوت اور وعظ ونصیحت کا لازمی حصہ ہے۔ سورۃ قٓ کے ان الفاظ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے:

فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ (سورۃ ق:۴۵)

"اللہ کی وعید سے ڈرنے والوں کو قرآن کے ذریعے نصیحت کرتے رہو"

اس سے روکنے کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔

اب آیئے اصل مسئلے کی طرف۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ بدعقیدہ یا شرک آمیز ایمان کے حامل لوگوں کے اعمال کے "قبول ہونے کے امکان" کی قرآن وحدیث سے کوئی دلیل نہیں ملتی۔ اس کے برعکس اعمال کی قبولیت کے لیے ہر جگہ ایمان کو لازمی شرط قرار دیا گیا ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

اعمال کی قبولیت

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (النحل:۹۷)

"جس کسی نے نیک عمل کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، لیکن ہو وہ مومن، تو دنیا میں ہم اسے حیاتِ طیبہ عطا کریں گے اور (آخرت میں) ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق اجر دیں گے"

وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ (المؤمن:۴۰)

"اور جو کوئی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، لیکن ہو وہ مومن، تو ایسے سب لوگ جنت میں داخل ہوں گے جہاں ان کو بے حساب رزق دیا جائے گا"

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا (النساء:۱۲۲)

"اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں تو ہم انہیں ان باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اور اللہ سے زیادہ بات کا سچا کون ہو سکتا ہے"

یہ بات قابلِ غور ہے کہ ہر جگہ ایمان کا ذکر خصوصیت سے پہلے کیا گیا ہے اور اس طرح اس کو قبولِ اعمال کی شرطِ اول قرار دیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے وَهُوَ مُؤْمِنٌ کہہ کر ایمان کو عملِ صالح کی قبولیت کے لیے لازمی قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کے بغیر (یا شرک آمیز ایمان کے ساتھ جو فی الحقیقت ایمان کا نہ ہونا ہی ہے) اعمال کی قبولیت کا امکان نہیں۔ یہ آیات تو دلیلِ قاطعہ کی حیثیت رکھتی ہیں (اس کی مزید تفصیل آئندہ سطور میں آئے گی)۔ اس عنوان پر قرآن میں بے شمار آیات ہیں۔ طوالت سے بچنے کے لیے صرف چند کا حوالہ پیش کیا جاتا ہے: البقرۃ:۲۵، ۸۲/ المائدۃ:۹/ سورۃ یونس:۹/ ہود:۲۳/ الکہف: ۱۰۷، ۱۰۸/ طٰہٰ: ۷۵، ۷۶/ القصص:۸۰/ السجدۃ:۱۹۔

حبطِ عمل

ان آیات پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جہاں بھی عملِ صالح اور اس کی جزا کا ذکر ہے وہاں سب سے پہلے ایمان کا ذکر کیا گیا ہے۔ اب قرآن کی وہ آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں ایمان کے بغیر کفر وشرک سے آلودہ ایمان کے ساتھ اعمال کے حبط یعنی ضائع کردینے کا ذکر ہے۔ سورۃ الکہف کے آخری رکوع میں ہے:

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا (الکہف:۱۰۲)

"کیا یہ کافر خیال کرتے ہیں کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز بنائیں گے (تو میری پکڑ میں نہ آئیں گے)؟ ہم نے کافروں کی ضیافت کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے"

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ۝ (الکھف:۱۰۵)

"یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیات اور آخرت میں اس کے سامنے پیشی کا کفر کیا، اس لیے ان کے سارے ہی اعمال غارت کر دیے گئے اور قیامت کے روز ان اعمال کا کوئی وزن نہ ہوگا"

حبطِ اعمال کی یہ کتنی شدید اور صریح آیات ہیں۔ اس کے بعد کسی اور ثبوت و دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسی طرح سورۃ ابراہیم میں فرمایا:

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ۝

(ابراھیم:۱۸)

"اپنے رب سے کفر کرنے والوں کے اعمال کی مثال راکھ کی سی ہے جسے ایک طوفانی دن کی تند و تیز ہوا نے اڑا دیا ہو۔ وہ اپنے کیے ہوئے کا کچھ بھی پھل نہ پا سکیں گے۔ یہ تو پرلے درجے کی گمراہی ہے"

اللہ کی آیات کو جھٹلانے والے کافروں اور مشرکوں کے اعمال راکھ کے ڈھیر کی طرح ہیں جس کو تند و تیز ہوا کا طوفانی جھکڑ منتشر کر دے اور اس کا وجود ہی باقی نہ رہے۔

کیا ان آیات نے کافروں اور مشرکوں کے اعمال کی قبولیت کو قطعاً خارج از امکان قرار نہیں دیدیا؟

اس حبطِ اعمال کے مسئلے کو واضح کرنے والی آیات تو بڑی تعداد میں ہیں لیکن یہاں مختصراً چند کے حوالے دیے جاتے ہیں: سورۃ الانعام: ۸۸/ الاعراف: ۱۴۷/ التوبہ: ۶۹،۱۷/ الاحزاب: ۶۵/ محمد: ۹،۳۳/ الغاشیہ: ۳،۴ وغیرہ۔

سورۃ التوبہ اور الاحزاب کی مذکورہ آیتوں میں منافقوں کے اعمال حبط کرنے کا ذکر ہے اور سورۃ الانعام میں اٹھارہ انبیاء کرام کا ذکر کر کے فرمایا کہ:

وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الانعام:۸۸)

"اگر (ہمارے) ان (برگزیدہ انبیاء) سے بھی کہیں شرک کا ارتکاب ہو جاتا تو ان کے سارے اعمال حبط ہو جاتے"

سورۃ الزمر میں نبی ﷺ سے خطاب کر کے فرمایا:

لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ

(الزمر:۶۵)

"(اے نبی!) اگر تم نے بھی (بالفرض محال) شرک کا ارتکاب کیا تو تمہارے اعمال حبط ہو جائیں گے اور تم نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو جاؤ گے"

کون نہیں جانتا کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی شرک کی بیخ کنی ہوتا ہے۔ اُن سے تو شرک کے ارتکاب کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تو محض دوسروں کی آنکھیں کھولنے کے لیے بتایا گیا ہے کہ شرک جیسے شنیع فعل کے مرتکب ہوتے ہوئے بھی تم خوش فہمی میں مبتلا ہو کہ تمہارے اعمال کی قدر کی جائے گی، جبکہ شرک کرنے کے بعد تو انبیاء علیہم السلام کے اعمال کی بھی کوئی حیثیت نہیں رہے گی۔

اب ان واضح دلائل کے بعد تو اس مسئلے میں تذبذب اور غیر یقینی کی کیفیت ختم ہو جانی چاہیے۔ عقائد کی خرابی کے ساتھ اعمال کی کوئی حیثیت نہیں اور یہ بات نصِ صریح و قطعی کی حیثیت رکھتی ہے کہ کافر و مشرک جو باطل عقائد پر جان دیں، ان کے اعمال قبول نہ ہوں گے بلکہ رد کر دیے جائیں گے۔ نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق تو "احداث فی الدین" یعنی بدعتی کے اعمال بھی مردود ہیں (مقبول نہیں) پھر مشرک کے اعمال کی قبولیت کا کیا سوال؟ اس سلسلے میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول روایت اس طرح ہے:

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ

(متفق علیہ: مشکوۃ ابواب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

"جس نے ہمارے دین میں نئی چیز پیدا کی تو وہ رد ہے"

فیصلے کا مسئلہ

اب تو اس مسئلے میں شک کی گنجائش نہیں رہنی چاہیے۔ جہاں تک فیصلہ کرنے کا تعلق ہے تو اس کی وضاحت گزشتہ سطور میں کر دی گئی ہے کہ داعی اپنی طرف سے نہ کوئی بات کرتا ہے اور نہ ہی کوئی فیصلہ بلکہ وہ انذار و تبشیر کے انداز میں لوگوں کو خوش انجامی اور بد انجامی کے بارے میں اللہ اور رسول کے فیصلے قرآن و حدیث کے حوالے سے سناتا ہے اور اُن کی روشنی میں لوگوں کو راہِ حق کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہے، وہ دعوت کے دور میں اپنی طرف سے کوئی فیصلہ نہیں کرتا، البتہ معاملات کے فیصلوں کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ بات مدنظر رہے کہ اسلامی سوسائٹی کے وجود میں آنے اور غلبے کے بعد ریاست قائم ہونے پر یہ فیصلے ریاستی سطح پر ریاست کے قاضی کے ذریعے ہوتے ہیں۔ جبکہ غلبے اور ریاست کے قیام سے قبل مسلم جماعت میں "اولوالامر" کے ذریعے ہوتے ہیں، ان دونوں مراحل کو خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔

اخلاصِ نیت

اب تک جو کچھ بیان کیا گیا وہ ایک اصولی بحث تھی جس سے کسی کو انکار نہ ہونا چاہیے۔ تاہم معترضین اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے "خلوصِ نیت" کو بنیاد بنا کر کفار و مشرکین کے اعمال کو قابلِ حبط نہ کہنے پر اصرار کرتے ہیں۔ جہاں سورۃ الغاشیہ کی مذکورہ ماقبل آیات سے غلط استدلال کرتے ہیں، وہیں منطقی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ

(۱) ایک صحیح العقیدہ شخص جس کی ساری کمائی حرام کی ہے، اللہ کے لیے زکوٰۃ و صدقات اس مال سے دیتا ہے۔ انجام کار کے اعتبار سے چاہے وہ اس کے منہ پر ماردی جائے تاہم یہی کہا جائے گا کہ اللہ ہی کے لیے نکالی گئی ہے۔

(۲) ایک دوسرا شخص جو غیر اللہ کی نذر و نیاز بھی کرتا ہو، لیکن سال کے سال زکوٰۃ بھی نکالتا ہو تو اس کی یہ زکوٰۃ اللہ ہی کے لیے ہے چاہے، قیامت کے دن اس کی حیثیت راکھ کی ہو۔

(۳) ایک صحیح العقیدہ آدمی اگر نماز کی اجرت لیتا ہو تو وہ حرام خور کہلائے گا۔ دوسرے الفاظ میں اسے فاسق بھی کہا جائے گا۔ نماز بہر حال ادا ہو جائے گی۔ دوہرانے کی ضرورت نہیں۔

(۴) اسی طرح ایک شخص نماز سے فارغ ہو کر غیر اللہ کی پکار کا شرک کرنے لگے تو اس کی ادا کی ہوئی نماز کو غیر اللہ کے لیے نہیں کہا جا سکتا، اور وہ اللہ ہی کے لیے ہوگی چاہے اجر سے بالکل خالی ہو۔

ان منطقی موشگافیوں کے نتیجے کے طور پر سورۃ المائدۃ کی دوسری اور سورۃ التوبہ کی انیسویں آیت اور سورۃ الماعون سے غلط استدلال کرتے ہوئے مشرکین مکہ کے بیت اللہ کی تولیت کرنے، حاجیوں کو پانی پلانے، حج و عمرہ کرنے کے متعلق یہ عقدہ کشائی کی جاتی ہے کہ اللہ نے ان کے اعمال کو کسی درجے میں Recognize کیا ہے۔ گزشتہ سطور میں دی گئی تفصیل کسی حد تک ان شکوک و شبہات کا احاطہ کرتی ہے، تاہم غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے مختصراً کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

(۱) اگر کسی کی ساری کمائی حرام کی ہے اور ہمارے علم میں بھی ہے تو ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس نے زکوٰۃ اللہ کے لیے نکالی ہے؟ اللہ تعالیٰ کو طیب مال مطلوب ہے نہ کہ حرام مال! چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا:

............إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا ....

(صحیح مسلم: کتاب الزکوٰۃ، باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب و تربیتھا)

''اللہ پاک ہے اور صرف پاک چیزوں ہی کو قبول کرتا ہے''

اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی اسی کا حکم دیا ہے، جس کا حکم اپنے رسولوں کو دیا ہے، چنانچہ فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۝ (البقرۃ:۱۷۲)

''اے ایمان والو! طیب چیزوں میں سے کھاؤ، جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں، اور اللہ کا شکر کرو اگر تم واقعی اسی کی بندگی کرتے ہو''

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ (المؤمنون:۵۱)

''اے رسولو! طیب چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ جو عمل تم کرتے ہو، میں بے شک اس سے واقف ہوں''

بلکہ ساری انسانیت کو حلال اور طیب رزق کھانے کا حکم ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ (البقرۃ:۱۶۸)

''لوگو! جو چیزیں زمین میں حلال طیب ہیں وہ کھاؤ، اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے''

نبی ﷺ نے ایک آدمی کا ذکر فرمایا کہ:

يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَ مَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَّ مَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَّ مَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَّ غُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ

(مسلم: کتاب الزکوٰۃ، باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب و تربیتھا)

''طویل سفر کر کے آتا ہے (بیت اللہ وغیرہ کے لیے)، اس کے بال پراگندہ اور غبار آلود ہیں، اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتا ہے اور کہتا ہے: اے رب! اے رب! (میری دعا قبول فرما!) جبکہ اس کا کھانا حرام، اس کا لباس حرام اور حرام غذا پر پلا بڑھا، پھر اس کی دعا کیونکر قبول ہو''

ایسے شخص کے بارے میں جو حرام مال پر مطمئن ہے اور بظاہر ارکانِ اسلام بھی پورے کر رہا ہے، یہی کہا جائے گا کہ یہ شیطان کا (یا اپنے نفس کا) مطیع و فرمانبردار ہے، نہ کہ اللہ کا مسلم اور اطاعت شعار۔ یہ رسمی اور روائتی دین کا پیروکار رہتے ہوئے دنیا کے تقاضے پورے کر رہا ہے، اس کی زندگی کا مقصد محض اپنے نفس کو اور معاشرے کو خوش رکھنا ہے، اللہ کی رضا سے اس کو کیا تعلق؟ اس کے اخلاصِ نیت کا کیا سوال؟ قرآن اس صورتحال کا جائزہ پیش کرتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ۝ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝

(یونس:۷،۸)

''بلاشبہ جو لوگ ہم سے ملاقات کی توقع نہیں رکھتے اور دنیا ہی کی زندگی پر راضی اور مطمئن ہو بیٹھے ہیں اور جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں، انجام کار اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ یہ ان کے کرتوت کا صلہ ہے''

اللہ کا مسلم (متقی و مومن بندہ) ہر کام اللہ کے لیے کرتا ہے۔ جبکہ اللہ کی بندگی کی راہ سے منحرف شخص جو کچھ بھی کرتا ہے وہ محض دنیا کو دکھانے اور اپنے نفس کو خوش رکھنے کے لیے کرتا ہے، اللہ کے لیے ہرگز نہیں۔ بلاشبہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، اور نیت کا اظہار طرزِ عمل سے ہوتا ہے۔ لہٰذا اس معاملے میں ذہن صاف ہونا چاہیے۔

(۲) دوسری بات یہ کہ غیر اللہ کی نذر و نیاز کرنے والا اللہ کی کتاب کے مطابق شرک فی العبادت کا مرتکب اور اللہ کا باغی ہے۔ بلاشبہ اس کا کوئی بھی عمل اللہ کے لیے نہیں بلکہ اُس کے لیے ہے جس کی وہ بندگی کرتا ہے، یعنی اس کا نفس یا شیطان۔ صلوٰۃ و زکوٰۃ وغیرہ اللہ نے اس پر فرض ہی نہیں کیے تو وہ اللہ کے لیے کیسے سمجھے جائیں گے؟ یاد رکھیے! یہ کہنا کہ مشرک کا کوئی عمل اللہ کے لیے ہے، دراصل نصوصِ قطعی کو ٹھکرانے کے مترادف ہے۔ یہ اصول اور کلیہ نصِ صریح سے ثابت ہے کہ نہ تو مومن کا حرام کمائی کا مال اللہ کے یہاں قبول ہے اور نہ مشرک کی حلال کمائی کا مال قبول!

(۳) اجرت لینے والے کو ہم صحیح العقیدہ کیسے کہہ سکتے ہیں، وہ تو بالجبر فسق کرنے والا، کتاب اللہ کی آیات کو جھٹلانے والا، اللہ کا نافرمان ہے...... اور اس قسم کے فاسق و فاجر کو تو سورۃ السجدہ میں اللہ تعالیٰ مومن کی ضد کے طور پر بیان کرتا ہے:

أَفَمَن كَانَ مُؤْمِنًا كَمَن كَانَ فَاسِقًا لَّا يَسْتَوُونَ ۝ ...... لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝

(السجدۃ:۱۸ تا ۲۱)

''بھلا جو مومن ہو وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو فاسق ہو؟ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اُن کے (رہنے کے) لیے باغ ہیں۔ یہ مہمانی اُن کاموں کی جزا ہے جو وہ کرتے تھے۔ اور جنہوں نے نافرمانی کی اُن کے (رہنے کے) لیے دوزخ ہے۔ وہ جب بھی اس میں سے نکلنا چاہیں گے تو اس میں لوٹا دیے جائیں گے۔ اور ان سے کہا جائے گا کہ جس دوزخ کے عذاب کو تم جھوٹ سمجھتے تھے اس کے مزے چکھو۔ اور ہم ان کو (قیامت کے) بڑے عذاب کے سوا عذاب دنیا کا مزہ بھی چکھائیں گے''

اگر وہ اس طرزِ عمل پر مُصر ہے تو پھر وہ صاحبِ ایمان کہاں رہا؟ حرام معاش کے ساتھ تو اس کی اپنی عبادت ہی نامقبول ہوگی۔ اللہ کے احکامات کو جھٹلانے والے حرام خور کے پیچھے ہم اپنی صلوٰۃ کو ہرگز ضائع نہ کریں گے۔ مومنوں کے امام تو مومن، متقی، صالح اور محسن ہوتے ہیں نہ کہ ایسے نام نہاد ''صحیح العقیدہ حرام خور''۔ مومن تو اپنی صلوٰۃ کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں نہ کہ ضائع کرنے والے۔ ہاں اگر کبھی غلطی، نادانی اور لاعلمی میں ایسوں کے پیچھے کوئی صلوٰۃ ادا کر لی ہو تو فوراً اس کا اعادہ کیا جائے گا۔

(۴) غیر اللہ کی پکار کے شرک میں آلودہ یا غیر اللہ کی نذر و نیاز میں ملوث انسان تو شیطان کی بندگی میں لگا ہوا ہے۔ اس کی صلوٰۃ اور ہر عمل شیطان ہی کے لیے سمجھا جائے گا۔ لہٰذا نہ تو وہ عمل اللہ کے لیے ہوگا اور نہ وہ اللہ سے اس پر اجر کا مستحق ٹھہرے گا۔ ان ''چاہے'' اور ''خواہ'' کے الفاظ سے کتاب اللہ پر غیر یقینی کی عکاسی ہوتی ہے۔ شکوک و شبہات میں پڑ کر دعوتِ حق کو خیر باد کہنے والے پہلے اپنے اس تذبذب کو یقین میں بدلیں، تب ہی وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ ''صحیح معنوں میں جو عمل اللہ کے لیے ہو وہ اجر سے خالی کیسے ہو سکتا ہے؟'' حدیثِ نبوی کے مطابق ارکانِ اسلام کی بنیاد تو ایمان پر ہے (ایمان بھی وہ جو خالص ہو یعنی شرک کی آمیزش سے پاک)۔ بغیر ایمان کے تو بنیاد ہی کالعدم ہو گئی پھر اعمال اللہ کے لیے کہاں رہے؟

اس بحث میں یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ کافر و مشرک یا حرام معاش میں ملوث وہ

افراد جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، ان کے اعمال تو کسی درجے میں بھی تسلیم (Recognize) نہیں کیے جاتے۔

سورۃ الماعون سے کفار و مشرکین کے اعمال کی Recognition ثابت کرنے والے اگر اس سورۃ پر غور کرتے تو انہیں اپنے پائے چوبیں کی بے تمکینی کا اندازہ ہو جاتا اور وہ اس کو دلیل نہ بناتے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

أَرَءَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ﴿١﴾ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ﴿٢﴾
وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿٣﴾ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ﴿٤﴾
الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ﴿٥﴾ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ﴿٦﴾
وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ﴿٧﴾ (سورۃ الماعون)

''بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جو (روزِ) جزا کو جھٹلاتا ہے۔ یہ وہی (بدبخت) ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے، اور فقیر کو کھانا کھلانے کے لیے (لوگوں کو) ترغیب نہیں دیتا۔ تو ایسے مصلین کی خرابی ہے جو صلوٰۃ کی طرف سے غافل رہتے ہیں، جو ریاکاری کرتے ہیں اور برتنے کی چیزیں عاریتاً نہیں دیتے''

اس ارشاد سے یہ لوگ یہ اخذ کرتے ہیں کہ دیکھو اللہ نے ان کے لیے ''مُصَلِّين'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ حالانکہ یہاں ''مُصَلِّين'' کو '' يُكَذِّبُ بِالدِّينِ '' بھی تو کہا گیا ہے، یعنی یہ ''مُصَلِّين'' تو دراصل ''مُكَذِّبِين'' ہیں اور ان کے اعمال کو تو محض ''فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ'' کے سرٹیفکیٹ کے لیے Recognize کیا گیا ہے۔

سورۃ المائدۃ کی درج ذیل آیت کے حوالے سے کفار و مشرکین کے اعمال کے لیے تسلیم و قبولیت (Recognition) کے موقف کی جو تائید حاصل کی جاتی ہے تو اس آیت کا شانِ نزول اور مفہوم پوری طرح سمجھنے کے لیے اس پس منظر کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے جس کے تحت وہ نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ
وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا

.... (المائدۃ:۲)

''اے ایمان والو! شعائر اللہ کی بے حرمتی نہ کرنا اور نہ محترم مہینوں کی اور نہ قربانی کے جانوروں کی اور نہ اُن جانوروں کی (جو اللہ کی نذر کر دیے گئے ہوں اور) جن کے گلوں میں پٹے بندھے ہوں اور نہ اُن لوگوں کی جو عزت کے گھر (بیت اللہ) کو جا رہے ہوں (اور) اپنے رب کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار ہوں۔ اور جب احرام اتار دو تو (پھر اختیار ہے کہ) شکار کرو اور لوگوں کی دشمنی اس وجہ سے کہ انہوں نے تم کو مسجد حرام سے روکا تھا، تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان پر زیادتی کرنے لگو۔ اور (دیکھو) نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو، اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ کا عذاب سخت ہے''

یہ سورۃ صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ صلح حدیبیہ کے بعد از سر نو جو دعوت کا راستہ کھلا اور میدان وسیع ہوا تو لازم تھا کہ اس سے پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ ایک طرف تو حسنِ اخلاق اور اعلیٰ ظرفی کا اعلیٰ نمونہ پیش کر کے اللہ کے بندوں کو زیادہ سے زیادہ دینِ اسلام کی طرف مائل کیا جا سکے تاکہ جن لوگوں تک دعوت نہیں پہنچی تھی وہ بھی اس موقعے سے فائدہ اٹھائیں۔ دوسرے یہ کہ مکے کے اطراف سے عمرہ و حج کے لیے آنے والوں کا راستہ مدینے اور اس کے آس پاس مسلمانوں کے زیرِ تسلط علاقے سے ہی گزرتا تھا چنانچہ مسلمانوں کو نظم و ضبط اور تحمل اور فراخدلی کی تلقین کی گئی کہ وہ انتقامی ردِعمل سے گریز کریں اور بیت اللہ جانے والوں کا راستہ نہ روکیں تاکہ ایک طرف تو ان شعائر اللہ کا تقدس پامال نہ ہو اور دوسری طرف مداخلت فی شعائر اللہ کو انتقامی رنگ دے کر مخالفینِ حق اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کے ذریعے اس دعوت کو نقصان نہ پہنچا سکیں اور دعوتِ حق کی طرف مائل ہونے والوں میں ان کے ممکنہ پر تشدد طرزِ عمل کی وجہ سے خود دعوتِ حق سے اکتاہٹ اور تنفر پیدا نہ ہونے پائے۔

اس پس منظر کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس آیت کے مفہوم پر غور کریں۔ جہاں تک ''شعائر اللہ'' کا تعلق ہے تو یہ وہ دینی شعائر ہیں جو خالص اللہ کی بندگی کے (ہر قسم کے شرک کی آلودگی سے یکسر پاک) تصور پر مبنی ہیں، اور یہ یقیناً قابلِ احترام ہیں، جیسے حج و عمرے کے لیے زیارتِ بیت اللہ یا اللہ کے نام پر جانوروں کی قربانی۔ ان شعائر کی بے حرمتی کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ حج و عمرے کے لیے اس وقت جانے والوں میں کچھ ایسے حق کے متلاشی بھی یقیناً شامل ہوں گے جن تک دعوت نہ پہنچی ہو اور جو واقعی اللہ کی رضا و خوشنودی اور اس کے فضل و کرم کے حصول ہی کے لیے بیت اللہ جا رہے ہوں۔ اس آیت میں انہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ رہے عام مشرکینِ عرب جو کہ کفر و شرک میں بری طرح غرق ہیں، آباء و اجداد کے روایتی دین پر مطمئن ہیں اور اس میں ذرا سی تبدیلی کا تصور بھی نہیں کرتے، وہ تو دین کے تمام کام رسم و رواج کے طور پر ہی کرنے کے عادی ہیں۔ وہ تو دراصل الٰہ واحد کی بندگی کے بجائے شیطان کی بندگی میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کے یہاں ''اخلاصِ نیت'' کا کیا سوال؟ شعائر اللہ کے تقدس و احترام کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کافر و مشرک بت پرستوں اور شیطان کی بندگی کرنے والوں کی نیت (Intention) کو تسلیم اور قبولیت (Recognition) کا سرٹیفکیٹ دے دیا جائے۔

سطورِ بالا میں دی گئی ہدایت کا سب سے اہم پہلو حکمتِ دعوت اور دینی مصلحت ہے، جس سے صرفِ نظر نہ کیا جائے۔ دیکھیے، اگر دعوت کے اس مرحلے میں مدعوئین کے دینی کاموں میں مداخلت کی جاتی، قربانی کے جانوروں پر دست درازی ہوتی یا کسی بھی طریقے سے بیت اللہ کا راستہ روکا جاتا تو دعوتِ حق پر اعتماد کو ٹھیس پہنچتی اور دعوت کا کام بالکل غیر مؤثر ہو کر رہ جاتا اور اس قلیل عرصے میں جو حیرت انگیز نتائج حاصل ہوئے وہ نہ ہو پاتے۔ پھر یہ بھی واضح رہے کہ اگر کافر و مشرکین کی نیت اور ''بر و تقویٰ'' کی اللہ کی نظر میں کوئی بھی حیثیت ہوتی تو فتح کے بعد ان کے لیے بیت اللہ کی زیارت کیوں ممنوع ہوتی؟ یہ تو سمجھ سے بالاتر ہے کہ فتح سے پہلے مشرکین کی زیارتِ بیت اللہ صرف اللہ کے لیے ہو اور فتح کے بعد شیطان کے لیے۔ ایسا اصول مدِ نظر رہے کہ سیاق و سباق اور قرآنی اصول اور نصوص سے علیحدہ کر کے قرآن کی آیات کا صحیح مفہوم نہیں مل سکتا۔

اس طویل بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ نہ تو بدعقیدہ لوگوں کے اعمال کی انجام کار کے لحاظ سے کوئی حیثیت ہے اور نہ ہی ان کی نیت اور بر و تقویٰ قابلِ تسلیم ہیں۔ جو کام ایمانِ خالص کے ساتھ ہو، صرف اسی کے لیے اخلاصِ نیت اور بر و تقویٰ کا تصور ہے۔ بدھ و جین، ہنود و یہود، نصاریٰ و قادیانی اور دیگر فرقہ پرست، خلوصِ نیت کا کیسا ہی دعویٰ کیوں نہ کریں، لیکن دینِ اسلام کا صحیح فہم و شعور رکھنے والا حقیقتِ نفس الامر کا فیصلہ قرآن و حدیث کے مطابق ہی کرے گا۔

(۸) تکفیر کا مسئلہ

یہ بات کسی لطیفے سے کم نہیں کہ اللہ کی ذات میں شرک کرنے پر یہود و نصاریٰ تو

کافر و مشرک قرار پاتے ہیں لیکن جب اس فعلِ شنیع کا ارتکاب ایک ایسے شخص کی طرف سے کیا جائے جو خود کو اپنے منہ سے "مسلمان" کہتا ہو تو اس کے لیے فیصلہ مختلف ہو جاتا ہے! دینِ ابراہیمی کے متبع ہونے کے دعویدار عرب باشندے اگر غیر اللہ کے نام نذرانے چڑھائیں تو "مشرک" قرار دیے جائیں لیکن نذرِ غیر اللہ کا یہی فعل جب کسی دینِ اسلام کی اتباع کے دعویدار کی طرف سے ہو تو فیصلہ مختلف ہو جائے! اوّل الذکر اگر اللہ کی صفات، حقوق و اختیارات، قدرت و تصرفات، شریعت و احکامات میں دوسری ہستیوں کو حصے دار بنائیں تو کافر و مشرک، ملعون و بے دین، جہنمی و ناری ٹھہریں، لیکن جب یہ سارے کام کہیں زیادہ شدت کے ساتھ ان لوگوں سے صادر ہوں جو کلمہ گو ہوں تو فیصلہ مختلف ہو جائے!

اس "وسعتِ قلبی و فیاضی" کا مظاہرہ کرنے والے معترضین دراصل ابنِ حزم (ظاہری)، امین اصلاحی (فراہی)، جاوید غامدی، تمنا عمادی، جعفر پھلواری، عبدالرحمٰن کاندھلوی، وغیرہ کی تحریروں سے متاثر ہو کر کرتے ہیں۔ بہتر ہوتا اگر یہ لوگ مذکورہ گمراہ کن تحریروں کے بجائے براہِ راست قرآن کی دعوت کا گہرا مطالعہ کر لیتے تو مفسرین و مفکرین کی انفرادی و اختلافی فکر ان کی تحقیق پر اثر انداز نہ ہوتی۔ مذکورہ صاحبان کے نظریات و عقائد سے صرفِ نظر کرتے ہوئے فی الحال صرف اتنا عرض کریں گے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہماری ہدایت و رہنمائی کے لیے قرآن و صحیح احادیث چھوڑی ہیں جو حرفِ آخر ہیں اور ہمارے نظریے اور موقف کی بنیاد و اساس کے لیے یہی دو کافی ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے ہم قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں جو اصل منبع اور سرچشمۂ ہدایت ہے۔ اس مسئلے کے دو پہلو قابلِ غور ہیں: یعنی کفر بالطاغوت اور کافر و مشرک عوام کی تکفیر۔ پہلے کفر بالطاغوت پر غور کرتے ہیں۔

کفر بالطاغوت اور قرآن

سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ایک اصول اور کلیے کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (النحل:٣٦)

"اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (جس کے ذریعے خبردار کیا) کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو"

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ بعثتِ رسول کا بنیادی مقصد ہی اللہ واحد کی بندگی اور طاغوت سے اجتناب قرار دیا گیا ہے۔ اس سے ایمان کے معاملے میں "کفر بالطاغوت" کے مسئلے کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مذکورہ ماقبل سورۃ الزمر (آیت ١٧) میں طاغوت کی بندگی سے مجتنب ہو کر انابت الی اللہ کرنے والوں کو انعاماتِ ربانی کی خوشخبری سنائی جا رہی ہے، ضمناً وہاں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ طاغوت سے مجتنب ہونے والے سمجھدار (ایسے سنجیدہ اور ذمہ دار) لوگ ہوتے ہیں جو حق بات کو غور سے سنتے ہیں اور نصیحت کو قبول کر کے اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر انابت الی اللہ کے لیے اجتناب من الطاغوت ضروری ہے اور یہ کہ طاغوت سے محبت کرنے والے حق کو سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔

سورۃ البقرۃ (آیت ٢٥٦) میں كُفْرٌ بِالطَّاغُوتِ کو اِيْمَانٌ بِاللّٰهِ کی شرطِ اوّل قرار دیا گیا ہے، اور اگلی آیت میں یہ نشاندہی کی گئی کہ کفر کی روش اپنانے والوں کے ولی (کارساز، رہبر و رہنما) طاغوت ہوتے ہیں، جو انہیں راہِ ہدایت سے برگشتہ کر کے کفر و شرک کی ظلمتوں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں اور انجام کار یہ ہمیشہ کے لیے اصحاب النار قرار دیے جاتے ہیں۔

سورۃ النسآء (آیت ٦٠) میں منافقوں کی یہ صفت بیان کی گئی کہ وہ طاغوت کے لیے دل میں نرم گوشہ رکھتے ہیں اور ذاتی مفاد کے پیشِ نظر طاغوت کی عدالت میں فیصلہ کرانے کو ترجیح دیتے ہیں جبکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ طاغوت کا کفر کریں۔ یہ رویہ ایمانِ خالص کے قطعاً منافی ہے۔

سورۃ النسآء (آیت ٧٦) میں بتایا گیا کہ دعوتِ حق اٹھنے کے بعد حق و باطل کی رزم آرائی میں کافر لوگ (طاغوت سے محبت کرنے والے) طاغوتی مشن کا ساتھ دیتے ہیں اور طاغوت کی راہ میں مومنوں سے قتال کرتے ہیں۔

قرآن کے مطالعے کے بعد چند اور اہم پہلو بھی نمایاں ہوتے ہیں:

طواغیت (طاغوت کی جمع) وہ باغی اور سرکش کردار ہیں جنہوں نے بنی نوعِ انسان کی گمراہی کو اپنا مشن بنایا ہوا ہے۔ ان میں شیطان (ابلیس) اور شیاطین الجن والانس شامل ہیں اور یہ بھی امرِ واقعہ ہے کہ شیاطین الانس میں مؤثر کردار احبار و رہبان کا ہے جیسا کہ سورۃ التوبہ میں بتایا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ (التوبۃ:٣٤)

"اے ایمان والو! (ہوشیار رہنا کہ) ان احبار و رہبان میں اکثر ایسے ہیں جو لوگوں کا مال باطل طریقے سے (ناحق) کھاتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ سے بھی روکتے ہیں"

اب جو لوگ ان کے دامِ فریب میں گرفتار ہوں، وہ ان شخصیات کے علم اور ظاہری رکھ رکھاؤ سے مرعوب ہو کر ان سے ایسی محبت اور عقیدت رکھنے لگتے ہیں جیسی اللہ سے ہونی چاہیے:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ (البقرۃ:١٦٥)

"کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسری ہستیوں کو اللہ کا ہمسر بنا لیتے ہیں، ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کرنی چاہیے۔ اور جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ ہی کی محبت میں شدید ہوتے ہیں"

ان میں زندہ پیر اور مولوی بھی شامل ہیں، اور وہ شخصیات بھی جن کے مرنے کے بعد ان سے منسوب جھوٹے اور گھڑے ہوئے واقعات کو "کرامات" کہہ کر ان کو داتا، دستگیر و مشکل کشا وغیرہ بنا لیا جاتا ہے اور حکایات و قصص کے ذریعے ان تاریخی شخصیات کو ان "مراتب" تک پہنچانے والے بھی یہ طواغیت ہوتے ہیں تاکہ بندوں کا رشتہ اللہ سے توڑیں اور ان سے جوڑیں۔

مسئلہ تکفیر پر مزید گفتگو سے پہلے یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ دعوتِ ایمانی کو مؤثر اور مفید بنانے کے لیے کفر بالطاغوت کو کیوں لازم قرار دیا گیا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے دعوت کے مزاج اور اس کے ردِعمل کا مختصر جائزہ لینا ضروری ہے۔

قرآن و حدیث کے بغور مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت کے نبی یا رسول کی وفات کے کچھ ہی عرصے بعد امت میں بگاڑ شروع ہو جاتا ہے۔ دنیا کی لذت اور دلفریبیوں میں انہماک لوگوں کو آخرت سے بے پرواہ کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین کی طرف سے بے توجہی ان میں ایمان کی کمزوری اور تقوے کے فقدان کا سبب بنتی ہے۔ یہ عمل بتدریج ہوتا ہے اور اصطلاحاً اس کو "وھن" کہا گیا ہے، جس کی تشریح نبی

ﷺ نے حُبُّ الدُّنْيَا وَ كَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ (دنیا سے محبت اور موت سے کراہیت) کے الفاظ میں فرمائی ہے۔ شیطان کے آلۂ کار یعنی شیاطین الانس (پیشہ ور مولوی اور پیر) اس صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ کتاب اللہ کی لفظی (یا معنوی) تحریف کے ذریعے امت کے عقائد میں شرک کی آمیزش کی جاتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ انسانوں کے یہ دشمن لوگوں کو فرقوں میں بانٹ کر کفر و شرک، بت پرستی، قبر پرستی، توہم پرستی اور رسومات و خرافات میں غرق کر دیتے ہیں۔ قرونِ اولیٰ جس میں نبی ﷺ اور صحابہ، تابعین و تبع تابعین کے ادوار شامل ہیں، مزاحمانہ کوششوں کی وجہ سے بڑی حد تک اِن نجاستوں سے پاک رہے۔ صحابہ کرام ؓ کے بعد ان کے تابعین اور محدثین نے لسان و قلم سے بڑی شدت کے ساتھ اس شیطانی یلغار کی مزاحمت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کیں، لیکن تابہ کے، وہ ہلاکت خیز دور آ ہی گیا کہ جب کتاب اللہ سے دور ہو کر عوام الناس آہستہ آہستہ ان شیاطین الانس کے ہاتھوں رفتہ رفتہ فرقوں میں منقسم ہونے لگے۔ پھر اپنے اپنے اکابرین (نام نہاد مفکرین، مفسرین اور علماء) کی محبت و عقیدت میں ایسے سرشار ہوئے کہ ان کی ہر بات کو، خواہ وہ کتاب اللہ کے صریحاً خلاف ہی کیوں نہ ہو، کلامِ ربانی (Word of Lord) سمجھ کر اس کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے لگے۔ اور ان شخصیات پر تنقید کو گناہِ کبیرہ سمجھنے لگے۔ لوگوں کی ایسی ہی روش کو قرآن پاک میں احبار و رہبان کی بندگی کہا گیا ہے، چنانچہ فرمایا:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبۃ:۳۱)

"انہوں نے اپنے علماء اور پیروں کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا ہے"

پھر ان حالات میں شیاطین الانس کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی۔ جب کبھی یہ بگاڑ انتہا کو پہنچتا ہے تو رحمتِ ربانی جوش میں آتی ہے اور دعوتِ حق کے ذریعے شمعِ ہدایت روشن ہوتی ہے اور دنیا والوں کے لیے ہدایت کا راستہ کھلتا ہے۔ الغرض اس انقلابی دعوت کے برپا ہونے کے بعد حق، حق ہو کر اور باطل، باطل ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ اور بگاڑ کے ذمہ دار مختلف گروہ اور فرقوں کے اکابرین کے چہرے بے نقاب ہو کر سامنے آنے لگتے ہیں۔ یہ صورتحال فرقہ پرستوں کے لیے ناقابلِ برداشت ہوتی ہے، چنانچہ آبائی دین پر مرمٹنے والے عوام کو دعوتِ حق کے خلاف اکسایا جاتا ہے، اکابر پرستی کے جذبات کو بزرگانِ دین سے محبت کے نام پر بھڑکایا جاتا ہے۔ پھر دعوت کا ردِ عمل شدید مخالفت کی صورت میں رونما ہوتا ہے۔ لیکن کچھ ہوش مند و جواں ہمت پورے شعور کے ساتھ دعوت کو قبول کر کے آگے بڑھتے ہیں، باطل سے مجتنب ہو کر یکسوئی کے ساتھ حق کا ساتھ دیتے ہیں۔ جبکہ دوسروں کی مصلحت پسندی، اکابرین سے محبت، فرقے سے وابستگی اور تعلقِ خاطر کے جذبات فیصلہ کن اقدام سے روکتے ہیں۔ حق کو تسلیم کرنے کے باوجود ان کے قدم آگے بڑھنے سے ٹھٹکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اس مشن کا ساتھ دینے والوں میں ایسے مخلص اور یکسو مطلوب ہیں جو اللہ کی محبت میں شدید ہوں:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرۃ:۱۶۵)

"اور جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ ہی کی محبت میں شدید ہوتے ہیں"

جو لوگ اس صفت کے حامل ہوں اور اللہ کے دین کے لیے اس قدر یکسو اور منیب ہوں کہ باطل پرستوں اور شیطانی مشن کے آلۂ کار طواغیت کے بے نقاب چہرے دیکھ لینے کے بعد ان کے دلوں میں ان کے لیے محبت اور احترام کی جگہ نفرت اور بیزاری کے جذبات پیدا ہو جائیں۔ پھر اللہ سے سچی محبت رکھنے والے...... ایسے مخلص بندوں کے دلوں میں تو اللہ، اس کے رسول اور مومنین سے ہی محبت ہونی چاہیے۔ دشمنانِ حق سے محبت کا کیا سوال؟ یہ سراسر انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ

(ابوداؤد: کتاب السنۃ، باب الدليل على زيادة الايمان و نقصانه)

"جس نے کسی سے اللہ کے لیے محبت کی، اور اللہ کے لیے دشمنی کی، اور اللہ کے لیے دیا، اور اللہ ہی کے لیے منع کیا، اس نے ایمان کا تقاضا پورا کر لیا"

لہٰذا اس دعوت کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ کفر بالطاغوت کے ذریعے مومنوں میں اخلاص کی یہ صفت ابھاری جائے تاکہ ان کے دلوں میں اللہ کے دین اور اس کے مشن کے دشمنوں سے نہ صرف لاتعلقی بلکہ نفرت اور بیزاری ہو۔ اسی لیے ایمان باللہ کی دعوت کے ساتھ اجتناب من الطاغوت (الزمر:۱۷) یا کفر بالطاغوت (البقرۃ:۲۵۶) کو لازمی قرار دیا گیا اور اس پہلو کو پوری طرح اجاگر کرنا ہر نبی کی ذمہ داری قرار دیا گیا (النحل:۳۶)۔

کافر و مشرک کون؟

گزشتہ سطور میں یہ بات تو صراحت کے ساتھ واضح کر دی گئی کہ دعوت کے دور میں شروع ہی سے طاغوت کا کفر کیا جاتا ہے اور یہ دعوت کا اہم حصہ ہوتا ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو دعوت دی جا رہی ہے، ان کی تو غالب اکثریت کافر و مشرک اور طاغوت پرست ہوتی ہے (التوبہ:۳۱) تو کیا طاغوت کا "کفر" کرتے ہوئے ہم طاغوت پرست عوام کو مومن سمجھیں گے؟ اور ان کی تکفیر نہ کریں گے؟ (تکفیر کے لغوی معنی پر آئندہ سطور میں گفتگو ہوگی) یہ تو حقیقت کو جھٹلانا ہی ہوگا کہ کفر کے مرتکب کو کافر نہ سمجھا جائے۔ طاغوت کا کفر ہو اور طاغوت سے محبت و عقیدت رکھنے والے مومن سمجھے جائیں؟ بہرحال گزشتہ سطور میں یہ بات واضح کر دی گئی کہ قرآن کا اپنے ایمان لانے والوں سے یہی مطالبہ ہے کہ کفر کرنے والوں کو کافر سمجھیں، اور شرک کرنے والوں کو مشرک۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اُن کو بالمشافہ دعوت میں کافر و مشرک کے الفاظ سے خطاب کیا جائے اور طعن و تشنیع کے تیروں سے ان کے جذبات و احساسات کو مجروح کر کے دعوت سے ہی متنفر کر دیا جائے۔ یہ دعوت کے ضابطۂ اخلاق کے خلاف ہوگا۔ داعیِ حق کے لیے تو لازم ہے کہ وہ کتاب اللہ کی ہدایت کے مطابق دعوت دیتے ہوئے احسن سے احسن طریقہ اور لب و لہجہ اختیار کرے اور قرآن و حدیث کے دلائل کی روشنی میں دردمندانہ انداز سے مدعو کے عقیدے کی خرابی کی نشاندہی کرے۔ شرکیہ عقیدے پر موت آجانے کی صورت میں پیش آنے والے جہنم کے عذاب سے ڈرائے اور مخاطب کی ہٹ دھرمی اور جہالت کے باوجود کبھی صبر و اخلاق کا دامن نہ چھوڑے۔ یہاں یہ چیز قابلِ وضاحت ہے کہ قرآن میں یہود و نصاریٰ کے لیے "اہلِ کتاب" کی اصطلاح سے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے کہ مکے کے لوگوں کو تو مشرک کہا گیا ہے لیکن یہود و نصاریٰ کو (ان کے مشرکانہ عقائد کے باوجود) مشرک نہیں کہا گیا تو پھر ہمیں بھی مشرک کو مشرک نہیں کہنا چاہیے۔ ذرا غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ دراصل قرآن میں یہ انداز اہلِ کتاب اور غیر اہلِ کتاب (یعنی اس وقت کے مشرکین عرب) میں فرق و امتیاز رکھنے کے لیے اختیار کیا گیا ہے، ورنہ قرآن میں متعدد مقامات پر ان کے کفر و شرک کا ذکر کیا گیا ہے۔ سورۃ المائدہ میں ہے کہ

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ (المائدۃ:۱۷، ۷۲)

"بے شک کفر کیا اُن لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے"

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ (المائدہ:۷۳)

"بے شک کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین (الٰہوں) میں سے ایک ہے"

اب اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا جہالت و نادانی ہوگی کہ کفر کے مرتکب کو کافر نہ قرار دیا جائے اور شرک کرنے والے کو مشرک نہ گردانا جائے۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ کوئی اس بات پر مصر ہو کہ "چور" کو "چور" نہ کہو اور "قاتل" کو "قاتل" نہ ٹھہراؤ!!

(۹) ابن حزم اندلسی وغیرہ کی تحقیق پر اعتماد / تکفیر کے معنی

مندرجہ بالا اصولی بحث سے جہاں کفر بالطاغوت کی اہمیت واضح کی گئی ہے، وہاں یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ کفر و شرک کے مرتکب لوگ کافر و مشرک ہیں۔ ایمان و عقیدے کے معاملے میں قرآن و حدیث میں مداہنت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس موقف کی اساس قرآن و حدیث پر ہے نہ کہ لوگوں کے اقوال پر۔ مگر ابن حزم کی کتاب "الملل والنحل" اور امین احسن اصلاحی وغیرہ کی تحریروں پر اعتماد کرتے ہوئے کفریہ شرکیہ عقائد کے حاملین کی تکفیر کے متعلق معترضین شک و شبہے میں مبتلا ہیں اور قرآن و سنت کی کسوٹی سے ثابت اس واضح مسئلے پر قیل و قال کے شکار ہیں۔ اب اس سے متعلق پھیلائے جانے والے شکوک و شبہات پر مختصراً گفتگو کی جائے گی۔ لیکن پہلے تکفیر کے لغوی معنی پر نظر ڈال لی جائے:

كَفَرَ (ن) (مصدر كُفْرٌ) = کسی چیز کے ماننے سے انکار کرنا، چھپانا

كَفَرَ (ن) (مصدر كُفُوْر، كُفْرَانٌ) = منکر بنانا، ناشکرا ہونا، لعنت کرنا

كَفَرَ (بکذا) = کسی چیز سے بیزاری ظاہر کرنا

كَفَرَ الرَّجُلَ = کسی کو کفر پر آمادہ کرنا، یا کسی پر کفر کا الزام لگانا

كَفَّرَ (يُكَفِّرُ تَكْفِيْرٌ) = (الشیء) چھپانا

(الرجل) کافر قرار دینا، کافر بنانا

(لہ) سر جھکا کر تعظیم کرنا

(عن ذنبہ) گناہ کا کفارہ ادا کرنا، گناہ معاف کرنا

عربی لغت المنجد وغیرہ میں درج بالا معانی اور ان کے استعمال بتائے گئے ہیں۔ ان کو ذہن میں رکھتے ہوئے ان اصطلاحات پر غور کیا جائے تو مفہوم صاف طور سے سمجھ آ جائے گا، ان شاءاللہ۔

"کفر بالطاغوت" میں لفظ "کفر" دراصل "ایمان باللہ" میں لفظ "ایمان" کی ضد ہے۔ ایمان باللہ (اللہ پر ایمان لانا) سے مراد اللہ کو رب تسلیم کر کے اس کی بندگی یعنی مطلق و مکمل اطاعت کا اپنے آپ کو پابند بنانا، اور اطاعت سے بال برابر انحراف کو گناہ سمجھنا ہے۔ اس کے برعکس کفر بالطاغوت سے درج بالا تمام ہی معنوں میں کفر مراد ہے، یعنی

(۱) طاغوت کے ساتھ جو بندگی کا تعلق تھا اس سے مکمل انکار،

(۲) طاغوت کی سرکشی و بغاوت کی روش کے لیے اس پر لعنت، اور اس سے محبت و احترام کی جگہ اس سے نفرت و بیزاری،

(۳) نیز اس کو کافر قرار دینا۔

گزشتہ صفحات میں ان تمام شکلوں میں تفصیلی بحث کی جا چکی ہے، اس لیے اعادے کی ضرورت نہیں۔ ایمان باللہ کا تقاضا ہے کہ کفر و شرک کا عقیدہ رکھنے والی قوم کے کفر و شرک کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے بارے میں صحیح رائے رکھیں۔ بالالفاظ دیگر اُن کو کافر و مشرک سمجھیں (ان کو کافر سمجھنا ہی تکفیر ہے)۔ یاد رکھیے، کفر کو کفر اور شرک کو شرک نہ کہنا ایمان کے منافی ہے۔ چنانچہ اُن کے بارے میں تکفیر کا موقف رکھتے ہوئے اُن کے کفر و شرک کی احسن طریقے سے نشاندہی کرنا، پھر صحیح معنوں میں ایمان باللہ کی دعوت دینا ہی داعیِ حق کی ذمہ داری ہے۔ اور اس ذمہ داری کو کما حقہ پورا کرنے کے لیے تکفیر کا موقف لازمی ہے۔ اس تفصیلی بحث سے مسئلے کی وضاحت ہو جانی چاہیے۔ سورۃ البقرۃ (۲۵۶) میں "کفر بالطاغوت" پر زور دیا گیا ہے، اور اس کے لیے ہمیشہ لفظ "کفر" اپنے وسیع مفہوم کے ساتھ ہی استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ اس کے لیے لفظ "تکفیر" استعمال نہیں کیا گیا جیسا کہ گزشتہ سطور سے واضح ہے۔ یہ لفظ "تکفیر" اصطلاحاً ان لوگوں کو کافر قرار دینے کے لیے مستعمل ہے، جن کے کافرانہ و مشرکانہ عقائد کے سبب اس کا بیّن جواز موجود ہو۔ یہ ضرور ہے کہ قرآن میں كَفَّرَ يُكَفِّرُ عموماً معافی کے لیے ہی استعمال ہوا ہے۔ بہرحال لغوی لحاظ سے اس اصطلاحی معنی میں کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلے میں اب اس اشکال کو دور ہو جانا چاہیے کہ "فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ سے تکفیر کا جواز نکالا جاتا ہے جبکہ یہاں صرف كَفَرَ بمعنی انکار طاغوت ہے نہ کہ اس کو کافر سمجھنا۔" یہ بات درست نہیں۔ اس سے محض کفر بالطاغوت کا جواز نکالا گیا ہے اور تکفیر اسی کا فطری تقاضا ہے جیسا کہ گزشتہ سطور میں واضح کیا گیا۔

اساس کے تعین میں مغالطہ

تکفیر کی اساس کا تعین کرنے میں بھی معترضین غلطی کرتے ہیں۔ گزشتہ سطور میں بتایا گیا کہ تکفیر دعوتِ ایمان کا لازمی حصہ ہے اور اس کی اساس قرآن کی مجموعی دعوت ہے، جس کے مختلف پہلوؤں کا خلاصہ پہلے پیش کر دیا گیا ہے۔ معترضین جن چیزوں کو اپنے غلط موقف کی اساس بناتے ہیں وہ محض تائیدی حیثیت کی حامل ہیں، وہ بنیاد نہیں۔ اس سلسلے میں ان کے دلائل کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ مختلف پہلوؤں پر پوری طرح غور کر کے نظر ثانی کر سکیں۔

اس آیت پر ذرا غور فرمائیں:

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُم مُّشْرِكِينَ ○ (الروم:۴۲)

"ان سے کہو کہ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ اگلے لوگوں کا کیا انجام ہوا۔ ان میں سے اکثر مشرک تھے"

معترضین سورۃ الروم کی اس آیت کی رو سے گزشتہ قوموں کی بدانجامی اور ہلاکت کا سبب ان کا مشرک ہو جانا تسلیم کرتے ہیں تاہم اس امت کے حق میں "کسر نفسی" سے کام لیتے ہوئے اس کے صرف تھوڑے ہی لوگوں کو اسی طرح کے عقائد و اعمال میں مبتلا سمجھتے ہیں! ان صفحات میں بارہا اس امت کے عقائد کا جائزہ پیش کیا جا چکا ہے کہ اس کی غالب اکثریت کا ایمان شرک سے آلودہ ہے اور یہ سورۃ یوسف کی اس آیت کے پوری طرح مصداق بنے ہوئے ہیں:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ ○ (یوسف:۱۰۶)

"ان میں اکثر اللہ کو نہیں مانتے مگر اس طرح کہ دوسروں کو اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں"

اسی طرح سورۃ آل عمران کی آیت میں ہے:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○ (آل عمران:۱۳۹)

"اور ہمت نہ ہارو، نہ ہی غم کرو، غالب تم ہی رہو گے بشرطیکہ تم مومن رہے"

معترضین اس آیت کی تائید میں ابوداؤد کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے آیت میں آئے ہوئے لفظ ''تَهِنُوْا'' کو حدیث کے لفظ ''وَهْنٌ'' کا امر قرار دیتے ہوئے امتِ مسلمہ کی تباہ حالی کی وجہ ان کا شرک میں نہیں بلکہ 'وھن' میں مبتلا ہونا ٹھہراتے ہیں۔ حدیث اس طرح ہے کہ

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُوْشِكُ الْاُمَمُ اَنْ تَدَاعیٰ عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْاَكِلَةُ اِلٰى قَصْعَتِهَا فَقَالَ قَائِلٌ وَ مِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ قَالَ بَلْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَ لٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَ لَيَنْزِعَنَّ اللهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَ لَيَقْذِفَنَّ فِيْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ قَالَ قَائِلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَ مَا الْوَهْنُ قَالَ حُبُّ الدُّنْيَا وَ كَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ

(سنن ابی داؤد: کتاب الملاحم، باب فی تداعی الامم علی السلام)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب امتیں تمہارے لیے ایک دوسرے کو اس طرح بلائیں گی جیسے کھانے والے ایک دوسرے کو دسترخوان پر بلاتے ہیں۔ کسی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہم اس وقت تعداد میں تھوڑے ہوں گے۔ فرمایا کہ تم تو اس وقت سیلاب کے جھاگ کی طرح کثیر ہو گے، مگر اللہ تمہاری ہیبت تمہارے دشمنوں کے دل سے نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں 'وھن' پیوست کر دے گا۔ کسی نے کہا کہ وھن کیا ہے؟ فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔''

یہ استدلال درست نہیں کیونکہ آیتِ مذکورہ میں تو فتح و کامرانی کو ایمان کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے، جس طرح سورۃ النور میں وعدۂ استخلاف والی آیت میں وعدۂ اقتدار کو شرک سے پاک ایمان کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (النور:٥٥)

''اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے اور عملِ صالح کرنے والوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ ضرور ان کو زمین پر اقتدار عطا فرمائے گا، ان کے دین کو تمکن عطا کرے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری ہی بندگی کرتے رہیں گے اور میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کریں گے، اور جو اس کے بعد بھی کفر کرے گا تو یہی لوگ فاسق ہیں۔''

دونوں جگہ بنیادی بات تو ''ایمان'' ہی ہے۔ سورۃ آل عمران کی آیت میں وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا کے الفاظ محض اُن کے حوصلے کو بڑھانے کے لیے کہے گئے تھے جو معرکہ آرائی اور جہاد و قتال کے دوران ضروری تھے لیکن وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ میں عام کلیہ بیان کیا گیا ہے، جس کا اطلاق اس وقت کی صورتحال پر تو ہوتا ہی ہے تاہم اس میں عموم ہے اور یہ قرآن کا اعجاز ہے۔ معترضین عام کو خاص نہ کریں۔ ہم دعوت الی اللہ میں سورۃ آل عمران کی اس آیت اور سورۃ النور کی وعدۂ استخلاف والی آیت کو ایک کلیے کے طور پر پیش کیا کرتے ہیں، اور یہی ان آیات کا منشاء و مفہوم بھی ہے۔

اب جہاں تک اوپر مذکور ابوداؤد کی روایت کا تعلق ہے جس میں نبی ﷺ نے ''وھن'' کو امت کے زوال و ہلاکت کا سبب بتایا ہے، اور وہن کی تشریح ''حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ'' یعنی دنیا سے رغبت اور موت سے فرار فرمائی ہے۔ اس عنوان پر کافی تفصیل سے گزشتہ صفحات میں بحث کی جا چکی ہے جہاں یہ بتایا گیا کہ قوموں کا لذاتِ دنیا میں بہت زیادہ انہماک یومِ حساب سے غفلت کا سبب بنتا ہے، پھر دین کا معاملہ شیاطین الانس کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ کتاب اللہ اور تعلیماتِ نبوی سے دور ہونے کے بعد مولوی اور پیر امت کو فرقوں میں بانٹ کر کفر و شرک اور اللہ کی نافرمانی کے راستے پر ڈال دیتے ہیں، اور انجامِ کار قہرِ الٰہی کو دعوت دے کر قوم ہلاکت سے دوچار ہو جاتی ہے۔ بالفاظِ دیگر دنیا پرستی اور آخرت سے غفلت کفر و شرک کے شجرِ خبیثہ کی جڑ ہے جو انجامِ کار قوموں کی ہلاکت و بربادی کا سبب بنتی ہے۔ اس طرح یہ روایت محولہ بالا آیات (الروم:۳۲، آل عمران:۱۳۹) سے قطعاً متصادم نہیں۔ یہ آیات اور سورۃ النور کی آیت ﷺ جو کلیہ بیان کرتی ہیں، یہ روایت اس کی مزید تشریح کر دیتی ہے۔ تفسیر و تاویل کا اصول یہ ہے کہ آیات اور صحیح روایت کی صحیح تاویل نصوصِ قطعی سے متصادم نہ ہو۔ ان آیات و روایت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایمانِ خالص کے بغیر غلبہ ممکن نہیں۔ اسطرح قوموں کے عروج و زوال کا جو نقشہ قرآن نے پیش کیا ہے، ہمارے لیے وہی مستند اور قابلِ اعتماد ہے۔ معترضین کو اس پر پوری طرح غور کر کے اپنے غلط موقف پر نظرِ ثانی کرنی چاہیے۔

معترضین ایک دوسری حدیث کے ذریعے بھی شکوک و شبہات پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک متفق علیہ حدیث ہے:

قَالَ الرَّسُوْلُ اللهِ ﷺ خَيْرُ اُمَّتِىْ قَرْنِىْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ (صحیح بخاری: کتاب المناقب، باب فضائل اصحاب النبی ﷺ)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں بہترین زمانہ میرا ہے، پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد ہیں، پھر ان کا جو ان کے بعد ہیں''

اس حدیث پر خامہ فرسائی فرماتے ہیں کہ ''یہ صحیح ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان تین زمانوں کے بعد اکثریت کافر و مشرک ہو جائے گی کیونکہ اس کے برعکس صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک گروہ نہ صرف یہ کہ حق پر رہے گا، بلکہ غالب بھی رہے گا۔'' ان سے پوچھا جائے کہ اس متفق علیہ حدیث کے یہ معنی انہیں کس نے بتائے کہ ان تین زمانوں کے بعد اکثریت کافر و مشرک ہو گی۔ یہ عمل بتدریج ہوا۔ معترضین نے اس حدیث کو سمجھنے میں بھی غلطی کی اور اس کا صحیح مفہوم نہ پا سکے۔ یہاں تو انحطاط اور بگاڑ کی طرف صرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ نبی ﷺ کی یہ پیش گوئی بالکل درست ثابت ہوئی جب دوسری صدی کے چوتھے عشرے سے تصوف کا تسلط ہوا اور وحدت الوجود پر مبنی قبوری دین کی بناء پڑی۔ پھر رفتہ رفتہ یہ شجرِ خبیثہ پروان چڑھتا رہا، احبار و رہبان اس کی آبیاری کرتے رہے، یہاں تک کہ قرآن و حدیث پر قبوری دین کے علمبرداروں کا قبضہ ہو گیا۔ ایک مرتبہ اگر ڈاکٹر عثمانی ؒ کی مؤلفہ ''ایمانِ خالص'' قسطِ اوّل کا مطالعہ کر لیا جائے تو اندازہ ہو جائے گا کہ یہ عمل بتدریج یعنی رفتہ رفتہ ہی ہوا ہے۔

اظہارِ دینِ حق

معترضین نے اپنے مذکورہ بالا موقف میں محولہ حدیث:

عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِاللهِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِىْ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَيَنْزِلُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ......

(صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب نزول عیسیٰ علیہ السلام)

''جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر قتال کرتا رہے گا اور قیامت تک غالب رہے گا، پھر عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) نازل ہوں گے............''

کو "خیر القرون" والی روایت کے برعکس قرار دیتے ہوئے شکوک و شبہات پھیلاتے ہیں کہ دین کے بارے میں حق و ناحق کی جنگ ہمیشہ جاری رہے گی اور مومنوں کا ایک گروہ ہمیشہ غالب بھی رہے گا۔ دوسرے الفاظ میں امت کی اکثریت مومن رہے گی اور ان کی جدوجہد حق ہوگی، ورنہ مندرجہ بالا حدیثِ جابر ﷛ کی رو سے بتایا جائے کہ پچھلے ہزار سالوں میں اس "غالب گروہ" میں کون لوگ شامل تھے؟

اس سلسلے میں مسلم ہی کی اس روایت پر نظر ڈالیے:

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي ظَاهِرِيْنَ حَتّٰى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللّٰهِ وَ هُمْ ظَاهِرُوْنَ

(صحیح مسلم: کتاب الامارات، باب قول النبی ﷺ لا تزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق)

"نبی ﷺ سے مروی ہے کہ میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ غالب رہے گا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے گا اور وہ غالب ہوں گے۔"

معترضین یہاں بھی یہ غلطی کرتے ہیں۔ یہ دونوں روایات متصادم نہیں بلکہ ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔ موخر الذکر روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جب اللہ کا امر آئے گا تو یہ گروہ غالب ہوگا۔ خیر القرون میں تو بڑا گروہ حق پر تھا (غلبے کا دور تھا) پھر رفتہ رفتہ باطل سرائیت کرتا گیا، اور دینِ حق پر بتدریج تسلط حاصل کرتا رہا۔ خیر القرون کے بعد بھی (بگاڑ شروع ہو جانے کے بعد) فقہا اور محدثین اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق، جس کی وضاحت صحیح مسلم کی آئندہ پیش کردہ روایت سے ہوتی ہے، لسان و قلم کے ذریعے باطل یلغار کے خلاف جہاد کرتے رہے اور پیشہ ور مولویوں اور صوفیوں کے باطل نظریات اور بگاڑ کی تحریک کے مقابلے میں صحیح دین کو مرتب و مدون کرتے رہے۔ اس طرح یہ جہاد بالقلم اور جہاد باللسان مختلف ادوار میں جاری رہا ہے۔ اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جاری ہے اور ان شاء اللہ جاری رہے گا۔ (اور کبھی مشیتِ الٰہی کے تحت قتال بالسیف کی شکل بھی اختیار کرے گا) یہاں تک کہ قربِ قیامت نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کا دور آجائے۔ حدیثِ جابر ﷛ میں طَآئِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ سے مراد حق کے لیے جہاد کرنے والے یہی لوگ ہیں۔ قرونِ اولیٰ میں قتال بالسیف بھی ہوا لیکن بعد میں باللسان اور بالقلم جاری رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے "اظہارِ دین" یعنی غلبۂ دینِ حق کے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا قرآن میں جو ذکر فرمایا ہے (سورۃ التوبہ: ۳۳، سورۃ الصف: ۹)، اس پر غور فرمائیں؛ یہ نبی ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں دعوت، ہجرت اور جہاد کے بعد مکمل ہوا۔ اور پھر جہاد باللسان اور بالقلم کا یہ مشن قیامت تک جاری رہے گا۔ یاد رکھیے! "اظہارِ دین" تا قیامت سے مراد محض اقتدار ہی نہیں بلکہ وسیع معنی میں دینِ حق کی نظریاتی برتری اور "حفاظتِ دینِ حق" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور صحابہ ﷡ کے ذریعے جس شمعِ ہدایت کو روشن فرمایا، اب یہ مجاہد باللسان اور بالقلم اس شمع کو فروزاں رکھیں گے۔ مخالفینِ حق اس کو اپنی پھونکوں سے بجھا نہ سکیں گے (التوبہ: ۳۲، الصف: ۸)، اس میں ذرا بھی تحریف نہ کر سکیں گے اور ان کی کوششیں ناکام رہیں گی۔ یہ اللہ کا سچا دین روئے زمین پر اپنا اعتماد و اعتبار قائم رکھے گا۔ اس کی زبان زندہ، تعلیمات زندہ اور تا قیامت یہ ذریعہ ہدایت محفوظ و مامون ہے۔ بخاری نے نبی ﷺ کی مندرجہ بالا حدیثِ جابر ﷛ میں منقول قول پر باب باندھا ہے:

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ يُقَاتِلُوْنَ وَ هُمْ أَهْلُ الْعِلْمِ (کتاب الاعتصام بالکتاب و السنة)

"باب: نبی ﷺ کا فرمان کہ میری امت میں کچھ لوگ ہمیشہ حق پر غالب رہیں گے اور وہ جنگ کرتے ہوں گے، اور یہ اہلِ علم ہیں"

اس میں معترضین کو اپنے اس سوال کا جواب مل گیا ہوگا کہ "پچھلے ہزار سالوں میں ایسے گروہ کون تھے؟" اس بات کی مزید تائید ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے:

عن عبدِ اللّٰہِ بنِ مسعودٍ ﷛ ان رسول اللّٰہِ ﷺ قال مامِن نبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِي أُمَّةٍ قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيُّوْنَ وَ أَصْحَابٌ يَأْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهِ وَ يَقْتَدُوْنَ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا لَا يُؤْمَرُوْنَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَّ مَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَّ مَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَّ لَيْسَ وَرَآءَ ذٰلِكَ مِنَ الْإِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ

(صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب کون النهی عن المنکر من الایمان.....)

"عبد اللہ بن مسعود ﷛ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مجھ سے پہلے اللہ نے کسی قوم میں جو بھی نبی بھیجا اس کے کچھ حواری اور صحابہ ہوتے ہیں جو اس کی سنت کو مضبوطی سے تھامتے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے ہیں۔ بعد میں ایسے لوگ آتے ہیں جو کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں، (اس قول و عمل کے تضاد کے علاوہ) وہ کچھ کرتے ہیں جس کا حکم نہ دیا گیا ہوتا۔ تو جو ان کے خلاف طاقت سے جہاد کرے وہ مومن ہے، اور جو ان سے اپنی زبان سے جہاد کرے وہ مومن ہے، اور جو اپنے قلب کے ذریعے ان سے جہاد کرے (دل میں برا جانے) تو وہ بھی مومن ہے۔ اور اس کے بعد تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔"

امت میں شرک و کفر کا دخول

دیکھیے اس روایت میں جہاں احبار و رھبان کے ہاتھوں بگاڑ کی تصویر پیش کی گئی ہے وہاں مجاہد صفت مومنوں کو ان کے خلاف جہاد بالسیف کے علاوہ جہاد باللسان و بالقلم کی پرزور تاکید بھی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بھی نبی ﷺ نے متعدد روایات میں امت کے بگاڑ کی نشاندہی فرمائی ہے۔ یہاں چند پیش کی جاتی ہیں:

عَنْ أَبِي سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَتَتْبَعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَّ ذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰى لَوْ سَلَكُوْا جُحْرَ ضَبٍّ لَسَلَكْتُمُوْهُ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ الْيَهُوْدَ وَ النَّصَارٰى قَالَ فَمَنْ

(صحیح بخاری: کتاب الانبیاء، باب ماذکر عن اسرائیل / کتاب الاعتصام، باب قول النبی ﷺ لتتبعن سنن من کان قبلکم)

"ابو سعید خدری ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ ضرور ان لوگوں کی ایک ایک بالشت اور ایک ایک ہاتھ پیروی کرو گے جو تم سے پہلے گزر گئے، یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ کے بل میں گیا ہوگا تو تم بھی اس میں جاؤ گے۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! آپ کی مراد (ان اگلے لوگوں سے) یہود و نصاریٰ ہے؟ فرمایا تو پھر اور کون۔"

ثوبان ﷛ کی ایک روایت میں نبی ﷺ نے فرمایا:

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِيْنَ وَ حَتّٰى يَعْبُدُوا الْأَوْثَانَ وَ إِنَّهُ سَيَكُوْنُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُوْنَ كَذَّابُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَّ أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي

(جامع ترمذی: ابواب الفتن، باب لا تقوم الساعة حتی یخرج کذابون)

''اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک میری امت کے بعض قبائل مشرکوں میں نہ جا ملیں گے، اور جب تک میری امت کے بعض قبائل بتوں کی پرستش نہ کرنے لگیں گے، اور میری امت میں تیس کذاب ہوں گے جو سب اپنے آپ کو اللہ کا نبی گمان کریں گے، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

اس روایت کو حالاتِ حاضرہ پر منطبق کر کے دیکھیے، معلوم ہوگا کہ اس امت کی گمراہی، یہود و نصاریٰ کی پیروی، قبر پرستی کی شکل میں بت پرستی، وغیرہ کے بارے میں نبی ﷺ کی پیش گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہو رہی ہے۔

ثوبان رضی اللہ عنہ سے ہی ایک اور روایت میں نبی ﷺ کا یہ فرمان آتا ہے:

اِنَّمَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیْ اَئِمَّةً مُضِلِّیْنَ

(جامع ترمذی: ابواب الفتن، باب ماجآء فی الائمة المضلین)

''میں اپنی امت کے بارے میں جن لوگوں سے ڈرتا ہوں وہ گمراہ کرنے والے امام ہیں''

امت کے بگاڑ و زوال کے عنوان پر بے شمار روایات ہیں جن میں سے چند بطور نمونہ پیش کی گئیں۔ یہ روایات اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ اس امت میں (اور پچھلی قوموں میں) دنیا پرستی اور یومِ حساب سے غفلت اور کفر و شرک کی وجہ سے بربادی آئی، اور اس میں مؤثر کردار احبار و رھبان کا ہے، جو بلاشبہ امت کے طواغیت میں سرفہرست ہیں، جو کہ اس وجہ سے قابلِ نفرت و برأت ہیں نہ کہ قابلِ محبت و احترام۔ قابلِ مبارکباد ہیں وہ صالح مومنین جو ''اظہارِ دینِ حق'' کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے اپنی توانائیاں صرف کریں۔ اللہ تعالیٰ کی غیبی تائید و نصرت ان کے ساتھ ہے۔

تکفیر کے مسئلے میں معترین بہت زیادہ شک و شبہے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اگر وہ قرآن کی آیات کو خود قرآن یا احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے تو یہ ان کو کفایت کر جاتا، مگر وہ اس امت میں کفر و شرک کے واضح شواہد دیکھنے کے باوجود ان کی تکفیر کے لیے مختلف اساس کا تعین کرنے لگے اور خوارج و معتزلہ، مرجیہ و شیعہ کے متعلق علمائے سلف کے اقوال میں الجھ کر تکفیر سے متعلق سورۃ المائدہ کی بالکل واضح آیت کہ:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المآئدۃ:۴۴)

''اور جو اللہ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہی لوگ کافر ہیں''

کے لیے یہ تک کہنے لگتے ہیں کہ ''یہ آیت فقہی و تشریعی معاملات (Legal Judgments) سے متعلق ہے، اور یہ کہ یہ ہر کسی کے کرنے کی چیز نہیں بلکہ قاضی و فقیہ و عدلیہ کا کام ہے۔'' مذکورہ آیت کے الفاظ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اگلی دو آیات میں بھی آئے ہیں۔ ان میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ توریت اور انجیل کے ماننے والوں کو کتبِ ربانی کی ہدایات کے مطابق اپنے تمام معاملات کے فیصلے کرنے چاہیے تھے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہ کر کے کفر، ظلم اور فسق کا رویہ اختیار کیا۔ آیت میں دیے گئے حکم کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہمیشہ تمام ہی فیصلے خواہ وہ تشریعی ہوں یا غیر تشریعی، یا ایمان و عقائد سے متعلق ہوں، کتاب اللہ کی ہدایت اور اصول و قوانین کی روشنی میں ہونے چاہئیں۔ گزشتہ سطور میں یہ چیز واضح کی گئی تھی کہ ریاست کے قیام کے بعد تو شعبہ قضاۃ کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے، لیکن دعوت کے دور میں اولوالامر (امیر و شوریٰ) کتاب اللہ کی ہدایت کے مطابق فیصلے کریں گے۔ دعوت کے دور میں تو دیگر معاملات ثانوی حیثیت کے ہیں، دعوتِ حق اور اس کے مختلف پہلو اولین اہمیت کے حامل ہیں۔ اور لوگوں کے عقائد و ایمان کے بارے میں قرآن و حدیث کی روشنی میں فیصلہ کرنا مسئلہ نمبر ایک ہے۔ ابھی مومنوں کی جماعت کی یہ ذمہ داری نہیں کہ وہ حدود کا نفاذ کریں: قطع ید، رجم و سنگساری کی سزائیں دیں اور مرتد کی گردن اڑا دیں۔ یہ امور تو ریاست قائم ہونے کے بعد ہی سرانجام دیے جائیں گے۔ البتہ ایمان و عقائد کو قرآن و حدیث کی کسوٹی پر پرکھ لینے کے بعد ''ایمان باللہ اور کفر بالطاغوت'' کے لیے صحیح موقف اختیار کرنا، مومنوں کے ساتھ مومنانہ تعلق و سلوک اور غیر مومنوں کے ساتھ ان کے عقائد کے لحاظ سے امتیازی سلوک روا رکھنا، یہ مشن کو لے کر چلنے والوں کی ذمہ داری ہے۔

دین کی اساس شخصیات نہیں

اس سلسلے میں معترین کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ کفر بالطاغوت اور تکفیر کا معاملہ ایسا نہیں جس کو ہم اپنے بزرگوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں، جو خود فلسفے اور منطق کے متکلمانہ مباحث میں الجھ کر سواء السبیل سے دور ہو گئے، جنہوں نے اپنی ساری توانائی خوارج اور معتزلہ وغیرہ کے ردّ و قدح میں لگا دی اور اصل مشن سے بے پرواہ ہو کر قرآن کی جوہری دعوت سے صرفِ نظر کر لیا، قرآن نے ایمان باللہ اور کفر بالطاغوت کے جو اصول و ضوابط متعین فرمائے ان سے ہٹ کر لوگوں کے اقوال اور اپنی آراء کو اساس بنا بیٹھے۔ یاد رکھیے! اسی راستے پر چل کر تو یہ امت اختلاف و افتراق کا شکار ہوئی ہے۔ العیاذ باللہ

بہرحال ہم شخصیات کے فلسفیانہ اور متکلمانہ مباحث کا شکار ہوئے بغیر کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کو ہی اپنی رہنمائی کے لیے کافی سمجھتے ہیں (حسبنا کتاب اللہ کما قال عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ)۔ اس کسوٹی پر جب ہم ان شخصیات کو پرکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ابن حزم تو صرف ظواہر کو اپنی فکری اساس بتاتے ہیں اور اصول تاویل سے جو دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اہمیت کا حامل رہا ہے، قطعاً بے نیازی اور بے اعتنائی کا رویہ اپنائے ہوئے ہیں حالانکہ یہ اصولِ تاویل تو دین میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے، اور صحیح تاویل کے بغیر قرآن و حدیث کا صحیح مفہوم پانا ممکن نہیں۔ ''تذکرۃ الحفاظ'' میں شمس الدین ذہبی نے جہاں ابن حزم کے علم کو سراہا ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ ان سے کچھ اقوال واھیہ بھی منقول ہیں جیسے دوسروں سے۔ ان کے بارے میں یہ بھی منقول ہے کہ یہ موسیقی کو جائز سمجھتے تھے۔ دوسرے لوگ ہیں جو احادیث کے معاملے میں فراہی مسلک و انداز فکر کے زیرِ اثر آزادروی کا شکار ہیں اور رجم وغیرہ کی صحیح احادیث کا انکار ہی نہیں کرتے بلکہ ان سے تمسخرانہ و استہزائیہ انداز اختیار کرتے ہیں۔ یہ لوگ قرآن و حدیث سے صحیح معنوں میں رہنمائی حاصل کرنے کے بجائے کسی نہ کسی مکتبہ فکر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ قرآن و حدیث کے مقابلے میں انکی رائے اور فتوے تو کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ان کے اندازِ فکر کو سمجھنے کے لیے معترین خود اپنی پیش کردہ مثال ملاحظہ کر سکتے ہیں جس میں وہ خطابی کے حوالے سے خوارج کے بارے میں ایک اجماع کا ذکر کرتے ہیں:

''خطابی کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ خارجی لوگ باوجود گمراہی کے مسلمانوں میں سے ایک فرقہ ہے۔ ان سے نکاح کرنا، ان کے ذبح کیے ہوئے جانور کا کھانا اور گواہی لینا جائز ہے''

اب یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ کون سے مسلمانوں کا اجماع اس پر ہے کہ خوارج مسلمانوں کا ایک گروہ ہے؟ اس سلسلے میں نبی ﷺ کا فیصلہ بھی ملاحظہ فرمایئے:

عَنْ عَرْفَجَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ اَتَاكُمْ وَاَمْرُكُمْ جَمِيْعٌ عَلٰى رَجُلٍ وَّاحِدٍ يُّرِيْدُ اَنْ يَّشُقَّ عَصَاكُمْ اَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوْهُ

(صحیح مسلم: کتاب الامارات، باب حکم من فرق امر المسلمین و ھو مجتمع)

''عرفجہ ؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جو شخص تمہارے پاس آئے اور امامِ وقت کے خلاف خروج کا دعویٰ کرے اور حالت یہ ہو کہ تم سب ایک امیر اور ایک خلیفہ کی اطاعت پر متحد ہو اور وہ تمہارے اتحاد کو توڑنے کا ارادہ رکھتا ہو، یا تمہاری جماعت کو متفرق کر دینا چاہتا ہو تو تم اس کو قتل کر دو۔''

خوارج کی شناعت سے متعلق کچھ احادیث ملاحظہ فرمایئے:

علی ؓ خوارج سے متعلق نبی ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ:

سَيَخْرُجُ قَوْمٌ فِي اٰخِرِ الزَّمَانِ حُدَّاثُ الْاَسْنَانِ سُفَهَآءُ الْاَحْلَامِ ...... فَاقْتُلُوْهُمْ فَاِنَّ فِيْ قَتْلِهِمْ اَجْرًا......

(صحیح بخاری: کتاب استتابۃ المرتدین، باب قتل الخوارج......)

''عنقریب آخری زمانے میں ایسے لوگ نکلیں گے جو نوعمر بیوقوف ہوں گے، قرآن کے بہت زیادہ پڑھنے والے ہوں گے مگر ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ تم ان لوگوں کو جہاں پاؤ قتل کر دینا کہ ان کو قتل کر دینے کا قیامت کے دن اجر ملے گا۔''

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَقْسِمُ جَآءَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ ذِي الْخُوَيْصِرَةِ التَّمِيْمِيُّ فَقَالَ اِعْدِلْ......

(ایضاً باب من ترک قتل الخوارج......)

''ابوسعید خدری ؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی ﷺ اموال تقسیم کر رہے تھے۔ اتنے میں عبداللہ بن ذی الخویصرہ تمیمی آیا اور کہنے لگا کہ یا رسول اللہ! عدل کیجئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ تیری خرابی! میں عدل نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا۔ عمر بن خطاب ؓ نے کہا کہ مجھے اجازت دیجیے کہ اس کی گردن ماردوں۔ فرمایا کہ نہیں جانے دو، اس کے کچھ ساتھی ہوں گے جن کی نماز کو دیکھ کر تم لوگ اپنی نماز حقیر جانو گے اور جن کا روزہ دیکھ کر تم لوگ اپنا روزہ حقیر جانو گے، لیکن وہ لوگ دین سے اس طرح باہر ہو جائیں گے جیسے تیر جانور میں سے پار ہو جاتا ہے کہ اس کے پر کو دیکھو تو اس پر کچھ بھی نہ لگا ہو، پھر اس کے پیکان کو دیکھو تو اس میں بھی کچھ لگا نظر نہ آئے، اس کی باڑ کو دیکھو تو وہاں بھی کچھ نہیں، اس کی لکڑی کو دیکھا جائے تو وہ بھی ہر نشان سے خالی۔ وہ تو خون گوبر سب کو چھوڑ کر (صاف نکل کر) آگے بڑھ گیا۔ ان لوگوں کی نشانی یہ ہے کہ ان میں سے ایک شخص کے ہاتھ کا گوشت ہلتا ہوا ہوگا۔ یہ لوگ اس وقت پیدا ہوں گے جب لوگوں میں پھوٹ پڑی ہوگی۔ ابوسعید ؓ کہتے ہیں کہ میں اس کی شہادت دیتا ہوں جو میں نے نبی ﷺ سے سنا اور اس بات کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ علی ؓ نے ان لوگوں کو قتل کیا اور میں بھی علی ؓ کے ساتھ تھا کہ ایک آدمی لایا گیا جس کا وہی حلیہ تھا جو نبی ﷺ نے بتایا تھا۔''

يُسَيْرُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ قُلْتُ لِسَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ فِي الْخَوَارِجِ...... (ایضاً)

''یسیر بن عمرو کہتے ہیں کہ میں نے سہل بن حنیف ؓ سے کہا کہ کیا آپ نے نبی ﷺ کو خوارج کے متعلق کچھ کہتے ہوئے سنا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے سنا ہے۔ آپ نے عراق کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں سے ایک قوم اٹھے گی جو قرآن تو پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، یہ لوگ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر جانور کے پار نکل جاتا ہے۔''

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللّٰهِ وَقَالَ اِنَّهُمُ انْطَلَقُوْا اِلٰى اٰيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ فَجَعَلُوْهَا عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

(ایضاً باب قتل الخوارج......)

''عبداللہ بن عمر ؓ انہیں بدترین مخلوق سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ انہوں نے کافروں کے بارے میں نازل ہونے والی آیتوں کو مومنوں پر چسپاں کر دیا۔''

عَنْ اَبِيْ غَالِبٍ قَالَ رَاٰى اَبُوْ اُمَامَةَ رُءُوْسًا مَنْصُوْبَةً عَلٰى دَرَجِ دِمَشْقَ فَقَالَ اَبُوْ اُمَامَةَ كِلَابُ النَّارِ شَرُّ......

(جامع ترمذی: ابواب تفسیر القرآن، تفسیر سورۃ آل عمران: آیت يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ)

''ابوغالب سے روایت ہے کہ ابوامامہ ؓ نے دمشق کے راستے پر (خارجیوں کے) سروں کو لٹکا ہوا دیکھا تو کہا: یہ دوزخ کے کتے ہیں، اور آسمان کے نیچے بدترین مقتول ہیں اور بہترین مقتول وہ ہیں جنہوں نے ان کو قتل کیا ہے۔ پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی: يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ یعنی اس روز بہت سے چہرے سفید ہوں گے اور بہت سے سیاہ...... (آل عمران: ۱۰۶)۔ ابوغالب کہتے ہیں کہ میں نے ابوامامہ سے پوچھا: تم نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوگی؟ انہوں نے کہا کہ اگر میں نے نہ سنا ہوتا تو کبھی تم سے بیان نہ کرتا۔ میں نے ایک بار، دو بار، تین بار، یہاں تک کہ سات بار رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔''

ہمارے لیے سلامتی اور احتیاط کی راہ یہی ہے کہ قرآن و حدیث کی رہنمائی پر اکتفا کریں اور فلسفہ و منطق کے ذوق و طبائع کے حامل افراد کے مباحث میں نہ الجھیں۔ ہمارے لیے شخصیات کے اقوال و آراء حجت نہیں بلکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہی حجت ہیں۔

(۱۰) معاشرتی تعلقات کی حدود

پچھلے صفحات میں اُمت مسلمہ کے بگاڑ، ایمان میں کفر کی آمیزش اور اعمال میں بدعات و رسومات کی کثرت کے حوالے سے دلائل و شواہد کی روشنی میں تفصیل سے بحث کی گئی۔ اس صورتحال میں ایمان کی دعوت کو قبول کرنے والے پاکیزہ اخلاق و اوصاف کے حامل متقی مومن کے لیے اس کفر و شرک اور گمراہی و بے حیائی کے مسموم ماحول میں جینا دوبھر ہو جاتا ہے اور وہ اپنے ہی معاشرے میں اجنبی بن کر رہ جاتا ہے۔ اپنے ہی گھر میں اپنے منفرد متقیانہ سیرت و کردار کے سبب اجنبی بن جانا ہمت وروں کا کام ہے۔ ایسے ہی جیالوں کے لیے زبانِ نبوت سے مبارکبادی کا مژدہ سنایا گیا:

بَدَءَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا فَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَءَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَآءِ

(صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب بیان الاسلام بدء غریبا)

''اسلام کی جب ابتداء ہوئی تو وہ اجنبی تھا، پھر یہ عنقریب ویسا ہی اجنبی ہو جائے گا جیسے ابتداء میں تھا۔ پس مبارکبادی ہے (ایسے) اجنبیوں کے لیے۔''

البتہ دعوتِ ایمانی کی پذیرائی کے نتیجے میں ایمان والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ اہل ایمان کا اپنا معاشرہ وجود میں آجاتا ہے جن کے طور طریقے اور معاملات اللہ اور رسول ﷺ کی منشاء کے مطابق ہوتے ہیں۔ ان میں باہمی اخوت و مودت کے جذبات فروغ پاتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کی خوشی اور مصیبت میں برابر شریک رہتے ہیں؛ ایک دوسرے کے لیے نیک خواہشات اور بہی خواہی کے مخلصانہ جذبات کے ساتھ اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کے مطابق سلام دعا کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل پیرائے کے تحت آچکی ہے۔ وہاں یہ بھی واضح کیا گیا تھا کہ اس معاشرے میں غیر مسلموں کو نہ تو سلام میں پہل کی جائے اور نہ پورا جواب دیا جائے بلکہ جواب میں صرف ''وَعَلَيْكُمْ'' کہا جائے؛ اُس معاشرے میں رہتے ہوئے مشرک رشتے داروں کے ساتھ راہ و ربط اور تعلقات کے معاملے میں حدود اللہ کا پورا لحاظ رکھا جاتا ہے؛ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے مطابق صلہ رحمی کے تقاضے پورے کیے جاتے ہیں لیکن صلہ رحمی اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حق ادا کرتے ہوئے شرعی حدود و قیود کو پوری طرح

مدنظر رکھا جاتا ہے، کفر وشرک اور بدعات ورسومات والی تقریبات میں شرکت سے احتراز کیا جاتا ہے، مشرکوں کی بیماری میں عیادت تو کی جاسکتی ہے لیکن ان کے جنازوں میں بھی شرکت نہیں کی جاتی اور اس معاملے میں خاندان والوں کی ناراضگی کی قطعاً پرواہ نہیں کی جاتی؛ آپس میں رشتوں کے معاملے میں بھی اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری ضروری ہوتی ہے اور مومنہ بیٹی کا رشتہ مومن لڑکے ہی سے کیا جاتا ہے کیونکہ مشرک سے مومنہ کا رشتہ ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ بیٹے کے لیے اہل کتاب لڑکی سے رشتے کی رخصت ہوتے ہوئے بھی مومنہ ہی کو ترجیح دی جاتی ہے۔

یہ بات بھی قابل وضاحت ہے کہ مرتدین کا معاملہ تو زیادہ ہی سنگین ہے، وہ تو باغیانہ روش اپنا کر جماعت سے نکلتے ہیں اور پھر تنظیم کے خلاف پروپیگنڈے کے ذریعے انتشار پھیلانے میں سرگرم ہوجاتے ہیں اور اسی کو اپنا مقصد بنالیتے ہیں۔ خیرالقرون میں مرتدین وخوارج کو قتل کیا جاتا تھا، اب ریاستی قوت موجود نہ ہونے کی صورت میں ان کے ساتھ شدید رویہ اختیار کرنا ضروری ہے۔ اس کا تقاضہ ہے کہ ان قابل نفرت باغیوں سے کسی بھی قسم کا رابطہ یا میل جول قطعاً نہ رکھا جائے خواہ وہ قریبی رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں۔

درج بالا تقاضے پورے کرنے کے لیے معاشرے سے انقطاع ضروری ہے۔ اب جو لوگ اپنے اندر اتنا حوصلہ وہمت نہیں پاتے کہ سماجی پابندیوں کا سامنا کرسکیں اور عقیدہ وعمل کے سبب اپنے معاشرے سے کٹ کر رہ جائیں، وہ لوگ پھر ایسی راہوں کے متلاشی ہوجاتے ہیں جو انہیں دونوں کشتیوں کا مسافر بنادے۔ معترین اس راہ سے بھی ریب وشک کا شکار ہوجاتے ہیں۔ پھر وہ رافت ورحمت کی بات کرتے ہیں، مشرکین سے معاشرتی تعلقات استوار کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ لیکن یہ کام ان لوگوں کے ساتھ ممکن نہیں جن کی تکفیر کی جاتی ہو۔ چنانچہ اس پھانس کو دور کرنے کے لیے شوشہ چھوڑا جاتا ہے کہ ''نبی ﷺ اور صحابہ ؓ نے بھی قریش کی تکفیر نہیں کی بلکہ خود اُنہی کی تکفیر کی گئی، انہیں بے دین اور صابی کہا گیا، پھر جب فتح مکہ کے بعد برأت کا مرحلہ آیا ہے تو حج کے موقعے پر باقاعدہ اعلان فرمادیا کہ:

وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۙ وَرَسُولُهُ (التوبۃ:۳)

''اور حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ اللہ مشرکوں سے بری وبیزار ہے، اور اس کا رسول بھی''

مشرکین سے تعلقات کے ذیل میں نبی ﷺ کی بیٹیوں رقیہ اور ام کلثوم ؓ کی مشرک ابولہب کے مشرک بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے نسبت کو بھی بطور حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔

معترین کی رافت ورحمت والی بات تو بالکل درست ہے کہ صبر وتحمل، حلم واناۃ تو بلاشبہ داعیِ حق کی لازمی صفات ہیں جو بھی خیرخواہی کے شدید جذبے کے ساتھ دعوت کی ذمہ داری کو سرانجام دیتا ہے، اور تمام مراحل میں مخالفین اور منکرینِ حق کی جہالت اور ہٹ دھرمی پر انتقامی ردعمل کی نفسیات پر پوری طرح قابو رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ساتھ ہی خیرخواہی کے جذبے کے ساتھ مدعو کے لیے قبول حق کی اللہ سے دعا بھی کرتا ہے۔ نبی ﷺ نے پچھلے انبیاء علیہم السلام اور داعیانِ حق کے یہی اوصاف اور انداز بتائے ہیں۔ لیکن ذرا اس پہلو پر غور کریں کہ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کے حکم پر اٹھنے والی اِلٰـهُكُمْ إِلٰهٌ وَاحِدٌ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ کی دعوت تو کفر وشرک کے ایوانوں میں لرزہ پیدا کردیتی ہے، معاشرے میں یہ دعوت خود ایک دھماکہ ثابت ہوتی ہے۔ جب '' لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ '' کے تکفیری کلمات کے ذریعے ان کے بناوٹی داتاؤں اور مشکل کشاؤں کو ٹھکانے لگادیا جاتا ہے تو پھر جو کچھ ہوتا ہے وہ اس کا ردعمل ہی ہوتا ہے۔

گزشتہ سطور میں یہ بات واضح کی گئی کہ اس دعوت کا مزاج یہی ہے کہ ابتداء ہی سے معاشرتی انقطاع کا آغاز ہوجاتا ہے۔ طاغوت کا کفر اور قوم کے فاسد عقائد کی نشاندہی (تکفیر) مخاطبین کے اندر معاندانہ ردعمل کی انتقامی نفسیات پیدا کردیتی ہے۔ پھر نہ تو جان چھڑکنے والی سعد بن ابی وقاص ؓ کی ماں کے اندر مادرانہ شفقت باقی رہتی ہے نہ مصعب بن عمیر ؓ کی والدہ میں؛ نہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر کے دل میں پدرانہ رحمت باقی رہتی ہے نہ محمد ﷺ کے چچا ابولہب میں، بلکہ یہ سب اپنے جگر گوشوں کی جان کے دشمن اور خون کے پیاسے ہوجاتے ہیں۔ ایمانِ خالص کی دعوت دینے والے بہترین اخلاق اور رحمت ورافت کے باوجود قوم اور آباواجداد کے دشمن گردانے جاتے ہیں اور صابی (بے دین) قرار دیے جاتے ہیں۔ معترین اگر تکفیر کی مذکور ماقبل اصطلاح کے صحیح استعمال پر غور کرلیں تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ دعوتِ حق تو خود ہی تکفیر ہوتی ہے اور اس کے ردعمل کے طور پر غیض وغضب اور طیش میں آکر قوم داعی کو صابی، ساحر، شاعر، مجنوں وغیرہ کے القابات سے نوازتی ہے۔

الغرض معاشرتی انقطاع کا آغاز تو دعوت کے فوراً بعد ہی سے شروع ہوجاتا ہے (تفصیل پیچھے گزر چکی ہے)، پھر دینِ اسلام کو قبول کرنے والے قوم کے مشرکانہ مشاغل، عریانی وفحاشی سے لبریز تقریبات، رسومات وخرافات سے بھی علیحدگی اختیار کرلیتے ہیں۔ نہ تو ان کی شادی اور سالگرہ وغیرہ کی رسومات میں شرکت ہوتی ہے اور نہ میتوں میں، چنانچہ نبی ﷺ نے نرم خو اور رحمت ورافت سے سرشار قلب سلیم رکھتے ہوئے بھی اپنے چچا ابوطالب کی تکفین اور تدفین میں شرکت نہ کی، بلکہ ان کے بیٹے علی ؓ نے کراہیت کے ساتھ اس کو دفن کردیا۔ سماجی انقطاع کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا؟ یہ ضرور ہے کہ نکاح وطلاق اور دیگر معاشرتی احکامات مدنی سورتوں میں ہی نازل ہوئے اور نبی ﷺ کا یہ دستور تھا کہ اللہ کے حکم کے بغیر آپ کسی معاملے میں کوئی فیصلہ یا اقدام عجلت میں نہ کیا کرتے تھے۔ اسی لیے اپنی بیٹی کے معاملے میں آپ نے صبر وحلم کے ساتھ اللہ کے حکم کا انتظار فرمایا۔ غور فرمایے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے نبی ﷺ کو پریشان کرتے اور اسلام کو نقصان پہنچاتے ہوئے پوری زندگی گزار دی لیکن آپ ﷺ نے پھر بھی اس کی صلوٰۃ المیت ادا فرمادی، کیونکہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم اس وقت تک نہ آیا تھا۔

برأت کے مختلف مراحل پر گزشتہ صفحات میں تفصیلی گفتگو ہوچکی ہے، جہاں یہ واضح کیا گیا ہے کہ برأت کی ابتداء تو دعوت کے آغاز سے ہوتی ہے، لیکن اس کا دوسرا مرحلہ ہجرت سے پہلے آتا ہے، اور تیسرا فتح یا مکمل غلبے کے بعد۔ پہلا اور دوسرا مرحلہ ایمان لانے والوں کی طرف سے انفرادی طور سے ہوتا ہے، جبکہ تیسرا اجتماعی ہوتا ہے، یعنی مسلم امہ کو پوری مشرک قوم سے من حیث القوم برأت کا اعلان۔ اس کی تفصیل سطور ماقبل میں ملاحظہ کی جائے۔ اس کی روشنی میں برأت کو فتح کے بعد مخصوص ومحدود کرنا صحیح نہیں ہے۔

ہم نے اس دعوتی مشن کا مرکز ومحور رسول ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کے اسوہ حسنہ کو بنایا ہے اور اس راہِ حق میں آگے بڑھنے کے لیے ہر قدم پر قرآن وحدیث ہی سے

رہنمائی حاصل کرتے ہیں، اور ہر مسئلے کا حل وہیں سے تلاش کرتے ہیں۔ کاش محترین بھی ایسا ہی کرتے۔ آخر میں ہم رب ذوالجلال کی بارگاہ میں اسی بات کی التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہر قسم کی انانیت، عصبیت و جہالت کے شیطانی ونفسانی محرکات سے اپنی پناہ میں رکھے، اپنی اطاعت اور اپنے آخری رسول ﷺ کی سنت کی اتباع کرتے ہوئے صراط مستقیم پر قائم رکھے اور جذباتیت سے پاک معتدل ومتوازن انداز فکر وعمل عطا فرمائے جو اس مشن کے شایانِ شان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شک وارتیاب سے محفوظ رکھے اور ثابت قدمی اور استقامت کی توفیق سے نوازے۔ آمین

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ

بقیہ سلسلۂ سوال وجواب

بلکہ خواب میں آ آ کر لوگوں کو اس سے باخبر بھی کرتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بالکل خلاف اور اس کی صفات اور علم وتصرف، میں کھلا شرک ہے۔ آخر میں ابو داؤد کی ایک حدیث بیان کر کے بات ختم کرتا ہوں جس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس نے جس کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے۔ لہٰذا نام نہاد عاشقان رسول کا دعویٰ کرنے والوں کو اخروی انجام سے ڈرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے محبوب کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

سوال: کیا امام بخاری، شافعی مسلک کے تھے؟

جواب: امام بخاری مجتہد تھے۔ اللہ نے ان کو بڑے علم سے نوازا تھا۔ اپنے وقت کے سب سے بڑے محدث تھے۔ صحیح اور غلط روایات میں صحیح ترین روایات کو انہوں نے چھانٹ کر علیحدہ کیا اور صحیح بخاری مرتب کی۔ اور اس کام میں انہوں نے سولہ برس صرف کیے۔ کسی بھی امام کی کوئی بات انہیں غلط معلوم ہوئی تو اس کو انہوں نے رد کیا ہے۔ کہیں امام ابوحنیفہ کی بات کو غلط پایا ہے تو اس کا انکار کیا ہے، کہیں امام شافعی کی بات غلط سمجھی تو اسے رد کر دیا ہے۔

سوال: کیا سرکاری ملازمین کو جی، پی، فنڈ پر جو منافع ملتا ہے وہ سود ہے؟

جواب: جی ہاں بالکل سود ہے۔ جی، پی، فنڈ پر ملنے والا منافع، انشورنس پالیسی، قسطوں پر چیزیں لینا، گاڑیوں کا لیزنگ پر حاصل کرنا، پرائیز بانڈوں پر ملنے والا انعام، گلی محلوں میں لیا جانے والا ادھار جس پر اضافی رقم دی جاتی ہو، ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ، بنکوں میں رقم کے بدلے میں ملنے والا منافع، مکان گروی لے کر اسے خود استعمال کرنا یا اس کا کرایہ کھانا، اور بولی کی کمیٹی ...... سب سود ہیں۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ ایسے شخص کی دیوار کے سائے میں بھی نہ بیٹھا جائے۔ ایک اور روایت میں سود کو ماں سے نکاح قرار دیا ہے۔ احادیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ جس نے کوئی چیز فروخت کی اور ادھار دینے کی صورت میں اس کی قیمت بڑھا دی تو جو قیمت بڑھائی وہ سود کھایا ۞

بقیہ حکم حجاب

نبی ﷺ کا ہے لیکن حجاب کا حکم ان کے لیے مخصوص نہیں بلکہ تمام مومنات کے لیے عام ہے۔ مزید دیکھیے کہ اس حکم حجاب کی علت بڑے واضح انداز میں یہ بیان فرمائی گئی کہ

ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ (الاحزاب: ۵۳)

”یہ طریقہ تمہارے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے اور ان کے دلوں کے لیے بھی“

یعنی دلوں کو آفات سے محفوظ رکھنے کی یہ ایک نہایت ضروری تدبیر ہے کہ عورتیں حجاب میں رہیں۔ انسان کا دل جس نے بنایا ہے، وہ اس کی کمزوریوں سے خوب واقف ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ کون کون سے مخفی راستے ہیں جس سے یہ دل برے اثرات قبول کرتا ہے اور انسان کے جسم میں دل ہی ایک ایسا عضو ہے جس پر اس کی تمام اخلاقی صحت کا انحصار ہے۔ چنانچہ اس دل کو بگاڑ اور فساد سے بچانے کے لیے دل کے خالق نے مومن عورتوں کے لیے حجاب کا حکم نازل فرمایا۔ آخر دل کے فتنے میں مبتلا ہو جانے سے بڑھ کر اور فتنہ کیا ہوگا؟ اور اب ذرا سوچیے کہ کیا یہ فتنہ صرف ازواج مطہرات ؓ کی بے حجابی سے پیدا ہوگا جو صرف انہیں ہی حکم حجاب دیا گیا؟ معاذ اللہ! ازواج مطہرات ؓ امت کی پاکیزہ ترین خواتین ہیں کہ ان جیسی پاکیزہ خواتین اس روئے زمین پر چشم فلک نے نہیں دیکھی ہوں گی۔ اس پر مستزاد یہ کہ قرآن حکیم میں انہیں اہل ایمان کی مائیں قرار دیا گیا۔ تو کیا اللہ تعالیٰ کو انہی سے فتنے کا اندیشہ تھا، دوسری عورتوں کے دل کسی قسم کی خرابی سے ہر طرح محفوظ و مامون ہیں اور وہ مردوں کے لیے کسی طرح کا فتنہ نہیں بن سکتیں؟ حقیقت یہ ہے کہ جب ازواج مطہرات ؓ کو پردے کا حکم دیا جا رہا ہے تو دوسری عورتوں کے لیے یہ حکم بطریق اولیٰ ضروری ہے کہ ان سے فتنے کا اندیشہ کہیں زیادہ ہے۔

ایمان میں بگاڑ آ جانے کی وجہ سے آج نظروں میں قرون اولیٰ جیسی حیاء ہے نہ شرم، نہ دلوں میں وہ پاکیزگی ہے نہ طہارت، اور شرافت وعزت تو آج مفقود ہیں، خلوص واخلاص یکسر غائب ہیں، ادب واحترام بے معنی سی چیزیں بن کر رہ گئی ہیں۔ حیاء باختہ ذرائع ابلاغ نے مخرب الاخلاق پروگراموں کے ذریعے ماحول بے انتہا بگاڑ دیا ہے، بے حیائی اور فحاشی کی علانیہ دعوتیں دی جاتی ہیں، صنفی جذبات کو ابھارا جاتا ہے، اور ان کی تحریکیں پیدا کی جاتی ہیں۔ ایسے ماحول میں تو اگر ایک حیاء دار مومنہ چہرے کے ساتھ ساتھ ہاتھوں اور پیروں کو بھی دستانوں اور موزوں سے چھپا لے تو یہ شریعت کے تقاضوں کے عین مطابق ہوگا اور ہرگز کوئی ایسا فعل نہیں ہوگا جسے تنقید کا نشانہ بنایا جائے۔ احادیث میں عورتوں کے دستانے پہننے کا ذکر ملتا ہے۔ عورت کے احرام اور کفن کے کپڑوں سے متعلق احادیث میں نبی ﷺ کا فرمان مروی ہے کہ اس میں دستانے نہ ہوں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نبی ﷺ کے زمانے میں بھی عورتیں دستانے پہنا کرتی تھیں۔

اللہ تعالیٰ حجاب سمیت اپنے ہر حکم کی اطاعت پوری خوشدلی اور خلوص سے کرنے کی توفیق عطا فرمائے! آمین ۞

A Thought Provoking Call .... continues

given the knowledge, are in suspicion and doubt which will be over on this Day of Judgment.

In above quoted verse 15, Almighty Allah (ﷻ) has commanded the Prophet Muhammad(ﷺ) to be steadfast in his faith and belief in Him, the Book and the Day of Judgment and strictly follow His advice and instructions as contained therein and under no circumstances follow the desires of those people who have strayed and have become the slave of their own wishes. The Prophet(ﷺ) has been asked to declare to the people that he has firm belief in Allah(ﷻ) and the Book- the Qur'an, revealed upon him and the Day of Judgment which is sure to happen and everyone will be raised again and would be answerable for their deeds to Him alone.

Lastly, we would pray to Allah (ﷻ) to keep us on the true and righteous path.

حکمِ حجاب

اسلام کا نظامِ حیات جامع اور ہمہ گیر ہے، اس کے قوانین فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہیں اور زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔ اسلام میں ایمان کے بعد تقویٰ پر زور دیا گیا ہے۔ جس کا مقصد تزکیۂ نفس یعنی قلب وذہن کی پاکیزگی ہے۔ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ویقین اس بات کا متقاضی ہے کہ یوم حساب جواب دہی اور جزاوسزا کا احساس ذہن میں تروتازہ رہے اور اندازِ فکر وعمل اسی سانچے میں ڈھل جائے، اور پھر شیطانی اکساہٹوں اور اللہ کی نافرمانی کے کاموں سے تنفر اور بیزاری کا جذبہ پیدا ہوجائے۔ جب انسان میں یہ شعور بیدار ہوجائے کہ اس کے قول وفعل پر ایک عظیم وحکیم اور قادر مطلق ہستی کی کڑی نگرانی ہے جو عالم الغیب والشہادۃ ہے تو اُس کے تمام انفرادی و اجتماعی معاملات کی جہت درست ہوجاتی ہے۔ وہ اپنے نفس، زبان وجذبات کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتا ہے، اور پھر نہ صرف کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتا ہے بلکہ صغیرہ سے بھی بچے رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے نفس کی حفاظت اور کردار کی پاکیزگی کے لیے خراب ماحول اور فاسق وفاجر لوگوں کی صحبت سے دور رہتا ہے۔ اُس کی ضروریات اور فطری خواہشات کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو حلال طریقے متعین کیے ہیں، اُن پر مطمئن اور قانع رہتا ہے، اور ایسے عوامل ومحرکات پر بھی قدغن لگانا ضروری سمجھتا ہے جو اللہ کے قوانین سے متصادم ہوں اور اس کے مالک کی نافرمانی کی طرف راغب کریں۔ ایمان وتقویٰ پر مبنی یہ نظام وہ طریق زندگی فراہم کرتا ہے جو انسان کی عزت، عفت وعصمت اور وقار کی حفاظت وسلامتی کی ضامن ہے اور دوررس اثرات کی حامل ہے اور جو آئندہ نسلوں کی تعمیر و اصلاح کے لیے ضروری ہے۔

اسلام کے ابتدائی دور میں دعوتِ ایمان پر لبیک کہنے والوں کے اندر اخلاصِ ایمان کے ساتھ ان صفات کو پروان چڑھایا گیا اور پھر اخلاقی بُرائیوں کو دور کرنے والے انفرادی واجتماعی احکامات کا نزول بتدریج ہوا۔ زنا کی سزا کا حکم آنے سے پہلے نکاح کے قوانین کے ساتھ ہی مِلکِ یمین سے تمتع اور تعدّدِ ازواج کی رخصت دے دی گئی، پھر پردے کے احکامات اور غضِ بصر (نگاہ نیچی رکھنے) کے حکم کے ذریعے بدنظری اور جنسی بے راہ روی کا سدِباب کیا گیا۔ اہلِ ایمان کے لیے نبی ﷺ کا گھرانہ ایک نمونہ تھا، لہٰذا پہلے اُس گھرانے کی خواتین کو حکم دیا گیا کہ ”وہ گھروں میں بیٹھیں اور دورِ جاہلیت کی طرح اپنے حسن اور بناؤ سنگھار کی نمائش نہ کرتی پھریں۔“ یہ حکم سب کے لیے تھا لہٰذا اُن کی پیروی کرتے ہوئے دیگر مسلم خواتین نے بھی اپنی اصلاح کی۔ اُن کو حکم دیا گیا کہ اگر (بدرجہ مجبوری) گھروں سے نکلنا پڑے تو چادر اوڑھ کر اور گھونگھٹ ڈال کر ہی نکلیں۔ نیز مرد وزن کے اختلاط پر بھی پابندی عائد کی گئی، اور گھروں اور خاندانوں میں محرم وغیر محرم کا فرق وامتیاز واضح کرکے اِن احکامات کو تقویت دی گئی۔ اس کا تقاضہ تھا کہ خواتین غیر محرموں کے سامنے بن سنور کر نہ آئیں کہ اس سے پردے کی حدود پر زد پڑتی ہے اور یہ اصلاحی منصوبہ متاثر ہوتا ہے۔

ان احکامات کے نفاذ کے بعد اسلامی معاشرہ ان برائیوں سے یکسر پاک ہوگیا اور چند ہی ایسے واقعات ہوئے جن میں رجم یا کوڑوں کی سزائیں دی گئیں۔ اسی طرح دیگر جرائم کا بھی سدباب کیا گیا، اور جو چند واقعات ہوئے بھی تو ان میں شریعت کی عبرت ناک سزا نے اُن لوگوں کا جو ناپسندیدہ میلان ورجحان کے حامل تھے، پوری طرح نفسیاتی آپریشن کردیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قلیل عرصے میں وہ قوم جو بدترین اخلاقی برائیوں اور نجاستوں میں ملوث تھی، اسی میں سے نکلے ہوئے افراد پر مشتمل ایک قابلِ رشک پاکیزہ اور صالح معاشرہ تشکیل پاگیا اور ایسے اعلیٰ اوصاف وسیرت وکردار کے حامل عباد الرحمٰن تیار ہوگئے جو اُس اعلیٰ منصب کے صحیح معنوں میں اہل ثابت ہوئے۔

اس کے برعکس، صدیوں کے بگاڑ کے بعد آج اس معاشرے میں جتنی بھی جنسی بے راہ روی اور صنفی انتشار پایا جاتا ہے، اس کی اصل وجہ مرد وزن کا آزادانہ میل ملاپ ہے۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو جس قدر ایک دوسرے کے قریب آنے کا موقع فراہم کیا جائے گا، فحاشی اور بداخلاقی کا سیلاب اسی قدر تیزی اور شدت اختیار کرتا چلا جائے گا۔ معاشرے کی پردہ دار اور خانہ دار خاتون گھر کی چاردیواری کے اندر مصروف کار رہ کر اور اس طرح مرد وزن کے آزادانہ میل جول کے مواقع کو کم سے کم کرکے اپنے معاشرے کو پاک و صاف رکھنے کی قدرتی خدمت انجام دیتی ہے۔ وہ اپنی ستر پوشی، حیا اور شرم کے باعث سوسائٹی میں عصمت وعفت اور نسوانی وقار کی قدر وقیمت باقی رکھتی ہے۔ مردوں کی نظروں کی پاکیزگی اور ان کے دلوں کی طہارت انہی خانہ دار خواتین کی مرہونِ منت ہے، ورنہ بے پردہ خواتین تو ہمیشہ مردوں کو دعوتِ نظارہ پیش کرتی ہیں اور انہیں گناہوں میں ملوث کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ گویا ایک خانہ دار عورت بیرونِ خانہ سماجی مصروفیات سے دور رہ کر اور غیر نمائشی و

ٹھوس جدوجہد میں مصروف رہ کر معاشرے کو جنسی بے راہ روی اور دوسری قسم کی اخلاقی گراوٹوں سے پاک وصاف رکھتی ہے۔ایسی عورت معاشرے کے لیے رحمت کا فرشتہ ہے اور معاشرہ اس پر جس قدر فخر کرے کم ہے۔

اس سلسلے میں ذرا درج ذیل اقتباس پر بھی غور کر لیا جائے:

''اسلام سب سے پہلے آدمی کے نفس کی اصلاح کرتا ہے، اس کے دل میں عالم الغیب اور ہمہ گیر طاقت کے مالک کا خوف بٹھاتا ہے، اسے آخرت کی بازپرس کا احساس دلاتا ہے جس سے مر کر بھی آدمی کا پیچھا نہیں چھوٹ سکتا۔اس میں قانون الٰہی کی اطاعت کا جذبہ پیدا کرتا ہے جو ایمان کا لازمی تقاضا ہے، اور پھر اسے بار بار متنبہ کرتا ہے کہ زنا اور بے عصمتی ان بڑے گناہوں میں سے ہے جن پر اللہ تعالیٰ سخت بازپرس کرے گا۔یہ مضمون سارے قرآن میں جگہ جگہ آپ کے سامنے آتا ہے۔اس کے بعد وہ آدمی کے لیے نکاح کی تمام ممکن آسانیاں پیدا کرتا ہے، ایک بیوی سے تسکین نہ ہو تو چار چار تک سے جائز تعلق کا موقع دیتا ہے، دل نہ ملیں تو مرد کے لیے طلاق اور عورت کے لیے خلع کی سہولتیں بہم پہنچاتا ہے......... پھر وہ معاشرے سے ان اسباب کا خاتمہ کرتا ہے جو زنا کی رغبت دلانے والے، اس کی تحریک کرنے والے اور اس کے لیے مواقع پیدا کرنے والے ہو سکتے ہیں۔زنا کی سزا بیان کرنے سے ایک سال پہلے سورۃ الاحزاب میں عورتوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ گھر سے نکلیں تو چادریں اوڑھ کر اور گھونگھٹ ڈال کر نکلیں، اور مسلمان عورتوں کے لیے جن نبی ﷺ کا گھر نمونے کا گھر تھا، ان کی عورتوں کو ہدایت دی گئی تھی کہ گھروں میں وقار کے ساتھ بیٹھو، اپنے حسن اور بناؤ سنگھار کی نمائش نہ کرو، اور باہر کے مرد تم سے کوئی چیز لیں تو پردے کے پیچھے سے لیں۔یہ نمونہ دیکھتے دیکھتے، ان تمام صاحب ایمان عورتوں میں پھیل گیا جن کے نزدیک زمانۂ جاہلیت کی بے حیا عورتیں نہیں بلکہ نبی ﷺ کی بیویاں اور بیٹیاں تقلید کے لائق تھیں۔اس طرح فوجداری قانون کی سزا مقرر کرنے سے پہلے عورتوں اور مردوں کی خلط ملط معاشرت بند کی گئی، بنی سنوری عورتوں کا باہر نکلنا بند کیا گیا، اور ان اسباب و ذرائع کا دروازہ بند کر دیا گیا جو زنا کے مواقع اور اس کی آسانیاں بہم پہنچاتے ہیں۔ان سب کے بعد جب سورۃ النور میں زنا کی فوجداری سزا مقرر کی گئی تو اس کے ساتھ ساتھ اسی سورۃ النور میں اشاعت فحش کو بھی روکا جا رہا ہے، قحبہ گری (prostitution) کی قانونی بندش بھی کی جا رہی ہے، عورتوں اور مردوں پر بدکاری کے بے ثبوت الزام لگانے اور ان کے چرچے کرنے کے لیے بھی سخت سزا تجویز کی جا رہی ہے، غض بصر کا حکم دے کر نگاہوں پر بھی پہرے بٹھائے جا رہے ہیں تاکہ دیدہ بازی سے حسن پرستی تک اور حسن پرستی سے عشق بازی تک نوبت نہ پہنچے اور عورتوں کو یہ حکم بھی دیا جا رہا ہے کہ اپنے گھروں میں محرم اور غیر محرم رشتے داروں کے درمیان تمیز کریں اور غیر محرموں کے سامنے بن سنور کر نہ آئیں۔اس سے آپ اس پوری اصلاحی اسکیم کو سمجھ سکتے ہیں جس کے ایک جزو کے طور پر زنا کی قانونی سزا مقرر کی گئی ہے۔یہ سزا اس لیے ہے کہ تمام داخلی و خارجی اصلاح کے باوجود جو شریر النفس لوگ کھلے ہوئے جائز مواقع کو چھوڑ کر ناجائز طریقے سے ہی اپنی خواہش نفس پوری کرنے پر اصرار کریں تو ان کی کھال ادھیڑ دی جائے اور ایک بدکار کو سزا دے کر معاشرے کے ان بہت سے لوگوں کا نفسیاتی آپریشن کر دیا جائے جو اس طرح کے میلانات رکھتے ہوں۔یہ سزا محض ایک مجرم کی عقوبت ہی نہیں بلکہ اس امر کا بالفعل اعلان بھی ہے کہ مسلم معاشرہ بدکاروں کی تفریح گاہ نہیں ہے جس میں ذواقین اور ذواقات اخلاقی قیود سے آزاد ہو کر مزے لوٹتے پھریں۔اس نقطۂ نظر سے کوئی شخص اسلام کی اس اصلاحی اسکیم کو سمجھے تو وہ باآسانی محسوس کرے گا کہ اس پوری اسکیم کا ایک جزو بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹایا جا سکتا اور نہ ہی کم و بیش کیا جا سکتا ہے۔اس میں رد و بدل کا خیال یا تو وہ نادان کر سکتا ہے جو اسے سمجھنے کی صلاحیت کے بغیر مصلح بن بیٹھا ہو، یا پھر وہ مفسد ایسا کر سکتا ہے جس کی اصل نیت اس مقصد کو بدل دینے کی ہو جس کے لیے یہ اسکیم، حکیم مطلق نے تجویز کی ہے۔''

(تفہیم القرآن: جلد۳، صفحہ۳۲۴)

اس اقتباس سے گزشتہ سطور میں پیش کی گئی حکم حجاب کی حکمت و مقصدیت کی پرزور تائید تو ہوتی ہے لیکن یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس موقف کی ترجمان جماعت کس طرح قول و عمل کے تضاد کا شکار ہے، ایمان خالص اور اس کی دعوت کی راہ چھوڑنے اور جمہوریت کی پرستار ہو جانے کے بعد کس طرح اسلامی حدود و قیود سے آزاد ہو کر اسلامی شعائر کی تضحیک و تحقیر پر کمربستہ ہے!

یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ ایمان والوں پر جس طرح صوم وصلوٰۃ اور حج وزکوٰۃ فرض ہیں، اسی طرح سے ان پر پردہ بھی فرض ہے۔اور یہ حکم مذکورہ احکامات کی طرح لازمی ہے، اختیاری نہیں ہے کہ چاہیں تو کریں، نہ چاہیں تو نہ کریں؛ بلکہ حتی المقدور اس کی پابندی کرنی ہے۔الحکیم رب کی طرف سے یہ حکم اس کی سچی کتاب میں لگایا گیا ہے جس کی حکمت کو ایک عاجز بندہ نہیں پا سکتا۔وہ رحیم وکریم رب اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے، لہٰذا اس کا کوئی حکم بھی بندوں کے حق میں شاق اور ناقابل عمل نہیں ہو سکتا: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرۃ:۲۸۶) ''اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتا''۔اس کے کسی حکم کو ظالمانہ قرار دینا اور اسے زیادتی و ناانصافی سے تعبیر کرنا رب تعالیٰ پر ایمان کے منافی ہے۔نیز اس کے کسی حکم کو دور جدید کے ''تقاضوں'' سے ہم آہنگ نہ سمجھتے ہوئے اسے دقیانوسی یا فرسودہ کہنا، ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھنا ہے۔اس قسم کی شیطانی بے باکیاں اسلام کا جُوا گردنوں سے نکلوا دیتی ہیں اور بالآخر اسی راہ پر ڈال دیتی ہیں جس پر شیطان لعین چل پڑا۔اعاذنا اللہ!

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن، جنہیں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی ماں قرار دیا (الاحزاب:۶) اور جن کی بے مثال شخصیت اسلامی خواتین کے لیے نمونہ بنی، اُن کے ذریعے سے جس طرح امت کو عائلی اور خانگی زندگی کے امور سے متعلق احکامات دین پہنچے اور جن کے ذریعے سے مسلمانوں کی تربیت و اصلاح کا کام لیا گیا، پردے کا حکم بھی سب سے پہلے انہی پر عائد کیا گیا۔یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ حجاب اس معاشرے میں کوئی نئی اور انہونی چیز نہ تھا بلکہ عربوں میں زمانہ قدیم سے ہی معمول بہ تھا۔شرفائے عرب میں چہرے پر نقاب ڈالنے کا رواج تھا۔عربی ادب میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں جو یہ ثابت

کرتی ہیں کہ پردہ اور ستر بدن کا خیال جاہلیت ہی میں خوب زور پکڑ چکا تھا۔ اسی وجہ سے عمرؓ نے یہ خواہش کی تھی کہ ازواج مطہراتؓ بھی اس کو اپنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے بطور فرض اسے نافذ کر دیا کہ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ (الاحزاب:۵۹)

"اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ (باہر نکلا کریں تو) اپنے (چہروں کے) اوپر چادر لٹکا (کر گھونگٹ نکال) لیا کریں۔"

اس سے پہلے ازواج مطہراتؓ کو یہ حکم دے دیا گیا تھا کہ

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝

(الاحزاب:۳۳)

"اور اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور دور جاہلیت (کے رواج) کی طرح بن سنور کر نہ اٹھلاتی پھرو۔ اور صلوٰۃ قائم کرتی رہو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرتی رہو۔ اے (نبی کے) گھر والو! اللہ تعالیٰ تم سے گندگی کو دور اور تم کو خوب پاک کرنا چاہتا ہے۔"

یہ حکم ربی واضح کرتا ہے کہ عورت کے لیے زیادہ پسندیدہ طرز عمل یہی ہے کہ وہ گھر میں سکون اور وقار کے ساتھ رہے، بازاروں میں نمائش کا سامان نہ بنے۔ دراصل اسلام میں مَردوں کو بیرونِ خانہ امور کی انجام دہی سونپی گئی ہے اور عورتوں کو اندرونِ خانہ امور کی۔ مردوں اور عورتوں کے ان دائرہ ہائے کار کا تعین ان کی فطرت اور صلاحیتوں کے اعتبار سے ہی کیا گیا ہے۔ یہ تعین کرنے والا خود ان کا بنانے والا خالق کائنات ہے جس کے علم اور جس کی حکمت پر کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ اُسی کا فرمان ہے:

اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ (الملك: ١٤)

"کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے! حالانکہ وہ تو بہت باریک بین اور بہت خبر والا ہے۔"

مردوں اور عورتوں کی جسمانی اور ذہنی ساخت اور صلاحیتوں میں اختلاف بالکل واضح اور ظاہر ہے۔ ماورائے مستثنیات، مرد کو مضبوط جسمانی اور دماغی اعصاب، جذبات سے زیادہ عقل سے کام لینے کی صلاحیت اور شدائد (جنگی یا کاروباری مصائب) کا مقابلہ کرنے والی فطرت عطا کی گئی ہے جبکہ عورت کو نرم مزاج، لطیف جذبات، شیرینی اور نزاکت دی گئی ہے۔ مرد کی فطرت میں شدت، سخت گیری، سرد مزاجی، تحکم اور مزاحمت ہے جبکہ عورت کی ساخت میں قدرتی طور پر تحمل اور بُردباری کے بجائے جذباتیت و زود پریشانی، تیز جمنے اور ٹھہرنے کے بجائے جھکنے اور ڈھل جانے کی خاصیت ہے۔ مرد کی فطرت میں اقدام اور جسارت ہے جبکہ عورت کی فطرت گریز اور فرار سے عبارت ہے۔ اسی مختلف تخلیق کی وجہ سے انہیں صنف کرخت اور صنف نازک کے بھی نام دیے جاتے ہیں۔ درحقیقت دونوں صنفوں کی قوتوں اور صلاحیتوں پر ایک نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ کس صنف کو کس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

عورتوں کو ان کاموں کا مکلف ہی نہیں ٹھہرایا گیا جن کا تعلق گھر سے باہر کی دوڑ دھوپ سے ہو۔ اس کا دائرہ کار اور اس کی سرگرمیاں گھر کی چادر اور چار دیواری کے اندر تک محدود ہیں، اس لیے عورت کو معاشی ذمہ داریوں سے بھی آزاد رکھا گیا ہے۔ اس کے جملہ اخراجات اور ضروریات کی کفالت مرد کے ذمہ ہے۔ اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر قوام بنایا ہے۔ (النساء:۳۴)

عورت چھپانے کی چیز ہے، دکھانے کی نہیں۔ عورت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں پردے میں رہنے کی چیز، وہ شے جو چھپانے کے قابل ہو اور اس کا نظروں کے سامنے آنا ناپسندیدہ اور ناگوار ہو۔ اسی لیے یہ لفظ انسان کے اُن اعضاء کے لیے بھی بولا جاتا ہے جو ہمیشہ چھپائے جاتے ہیں جنہیں اصلاحاً "ستر" کہا جاتا ہے۔ جس کے لیے نبی ﷺ نے حکم دیا کہ: لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا الْمَرْاَةُ اِلٰى عَوْرَةِ الْمَرْاَةِ وَلَا يُفْضِي الرَّجُلُ فِي ثَوْبٍ وَّاحِدٍ وَّلَا تُفْضِي الْمَرْاَةُ فِي ثَوْبٍ وَّاحِدٍ (مسلم: كتاب الحيض، باب تحريم النظر الى العورات) "کوئی مرد کسی دوسرے مرد کے ستر کی طرف نظر نہ کرے اور نہ کوئی عورت کسی دوسری عورت کے ستر کی طرف نظر ڈالے۔ اور ایک چادر کے اندر کوئی مرد دوسرے سے نہ چمٹے اور نہ کوئی عورت ایک ہی چادر میں دوسری عورت سے چمٹے"۔ حدیث میں فرمانِ رسول ﷺ ہے: اَلْفَخِذُ عَوْرَةٌ (بخاری: كتاب الصلوة، باب ما يذكر في الفخذ) "ران عورت ہے" یعنی ستر میں شامل ہے اور اس کو چھپانا ہے۔ اسی طرح فرمایا: اَلْمَرْاَةُ عَوْرَةٌ (ترمذی: كتاب الرضاع، باب ماجاء في كراهية الدخول على المغيبات) یعنی عورت بھی چھپائے جانے کے لائق ہے۔ عربی میں یہ لفظ عورت اسی لیے اختیار کرلیا گیا ہے کہ وہ ہمہ تن چھپانے کی چیز ہے۔ عورت کے لیے فارسی میں لفظ مستور (جمع مستورات) استعمال کیا جاتا ہے جو کہ عربی ترکیب ہی ہے اور اس کے معنی بھی چھپانے کی چیز کے ہیں۔ اردو میں یہ دونوں الفاظ عام مستعمل ہیں۔

جنتی عورتوں کی صفات بھی قرآن میں یہ بتائی گئی ہیں کہ وہ رکی ہوئی، چھپی ہوئی ہیں:

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ۝ (الرحمن:۷۲)

"(اہل جنت کے لیے) حوریں ہوں گی خیموں میں رکی ہوئی"

وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۝ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۝ (الواقعة:۲۲،۲۳)

"(اہل جنت کے لیے) بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی اس طرح جیسے چھپے ہوئے موتی ہوتے ہیں"

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ۝ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ۝

(الصٰفٰت:۴۸،۴۹)

''(اہل جنت) کے پاس بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی جو نگاہیں نیچی رکھنے والی ہوں گی۔ وہ اس طرح ہوں گی جیسے چھپائے ہوئے انڈے''

اگر قوانین فطرت پر غور کیا جائے تو نظر آتا ہے کہ قدرت نے ہر قیمتی اور خوبصورت چیز کو پردوں میں چھپا کر رکھا ہے۔ آبدار موتی سیپیوں میں بند سمندر کی تہہ میں پائے جاتے ہیں؛ سونا و چاندی، لعل و جواہر پہاڑوں اور چٹانوں کے سینوں میں پوشیدہ ہیں؛ معدنیات زمین کی نچلی سطحوں میں پنہاں ہیں؛ یہ چاند ستارے، یہ خوبصورت کہکشائیں اس قدر دور فاصلے پر رکھے گئے ہیں کہ ان کی یہ دوری ہی ان کے لیے پردہ ہے؛ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ خالق کائنات جو خالق حسن بھی ہے اور سب سے زیادہ حسین ہے، اپنی تجلیات کے باوجود پردوں میں مستور ہے۔

اہم اشیاء کی حفاظت اور پوشیدگی نہ صرف انسانی نفسیات بلکہ اس کی اپنی ساخت میں بھی نظر آتی ہے۔ انسانی جسم میں وہ تمام اعضاء کہ جن پر زندگی کا دارومدار ہے یا جن کا نقصان سارے جسم کا نقصان ہے، مثلاً دل، دماغ، گردے، جگر، پھیپھڑے، وغیرہ، اللہ تعالیٰ نے ان سب اعضاء کو انتہائی محفوظ طریقے سے چھپا کر رکھا ہے۔ الغرض اصول فطرت یہی ہے کہ ڈھکی چھپی اور دسترس سے باہر اشیاء زیادہ پرکشش اور قابل قدر و قیمتی ہوتی ہیں۔

یہ دلائل اس بات کے متقاضی ہیں کہ عورت کو چھپا کر رکھا جائے، اسے نمائشی جنس بنا کر اس کی قدر و منزلت کم نہ کی جائے اور اس کو بے عزت و بے وقار نہ بنایا جائے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پردہ جسم کے کن حصوں کا کیا جائے؟ سورہ احزاب کی محولہ بالا آیت میں چادریں اوپر ڈالنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ چادریں کہاں ڈالی جائیں؟ کن لوگوں کے سامنے ڈالی جائیں؟ اس کا جواب بھی اللہ تعالیٰ نے دے دیا ہے:

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○

(النور: ۳۱)

''(اے نبی ﷺ!) ایمان والی عورتوں سے کہہ دیں کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی زینت (آرائش کے مقام) کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں مگر وہ جو اس میں سے کھلا رہتا ہو۔ اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنے خاوند اور باپ اور خسر اور بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں اور اپنے بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں ☆ اور اپنی (ہی قسم کی) عورتوں اور لونڈی غلاموں کے سوا نیز اُن خدام کے جو عورتوں کی

☆ یہاں ان رشتے داروں کا ذکر ہے جنہیں محرم کہا جاتا ہے اور جن سے نکاح حرام ہوتا ہے۔ اگرچہ یہاں رضاعی رشتوں کے ساتھ چچا و ماموں اور نواسے و پوتے کا ذکر نہیں لیکن اٰبَآئِهِنَّ اور اَبْنَآئِهِنَّ میں انہیں شامل سمجھنا چاہیے کیونکہ سورۂ نساء کی آیت ۲۳ سے اس کا استنباط ہوتا ہے جس میں ماؤں، بیٹیوں، بہنوں، پھوپھیوں، خالاؤں، بھتیجیوں، بھانجیوں، رضاعی ماؤں، رضاعی بہنوں، ساسوں، سوتیلی بیٹیوں اور سگی بہوؤں سے مومن مردوں کے نکاح کی حرمت بیان کی گئی ہے۔ ان رشتوں کے مدمقابل رشتہ ہائے ذکور سے نکاح مومنہ عورت کے لیے حرام ہے یعنی باپ، بیٹے، بھائی، چچا، ماموں، بھتیجے، بھانجے، رضاعی باپ، رضاعی بھائی، سسر، سوتیلے بیٹے اور سگے داماد۔ یہ بات قابل غور ہے کہ ان محرم رشتے داروں میں پھوپھا اور خالو، دیور، جیٹھ، نندوئی، بہنوئی، وغیرہ (یا ان کے مدمقابل رشتہ ہائے اناث یعنی چچی، ممانی، سالی، سلیج، بھاوج، وغیرہا) کا کوئی ذکر نہیں لہٰذا یہ تمام رشتے نامحرم کہلائیں گے اور ان سے نکاح بالکل جائز ہوگا۔ اور جس سے نکاح جائز ہو اس سے پردہ بھی فرض ہے اور جس سے نکاح حرام ہے اس سے پردہ بھی حرام ہے۔ سسرالی رشتے داروں میں شوہر کے بھائیوں سے پردے کے بارے میں تو احادیث میں اتنی زیادہ تاکید ہے کہ انہیں موت کہا گیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اِيَّاكُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَى النِّسَآءِ ''(نامحرم) عورتوں کے پاس جانے سے بچو۔'' ایک انصاری صحابی نے پوچھا: اَفَرَاَيْتَ الْحَمْوَ ''حمو (دیور، جیٹھ وغیرہ جیسے سسرالی رشتے دار) کے بارے میں کیا حکم ہے؟'' فرمایا: اَلْحَمْوُ الْمَوْتُ ''حمو تو موت ہے۔'' (بخاری: کتاب النکاح، باب لا یخلون رجل بامراۃ الا ذومحرم والدخول علی المغیبۃ) یعنی جس طرح موت سے بچا جاتا ہے اسی طرح دیور اور جیٹھ سے بھی بچنا چاہیے۔ بہنوئی اور نندوئی کو بھی اسی طرح سمجھا جائے۔ یہی حکم ایک مرد کے لیے ان کے مقابل رشتوں یعنی سالی، بھاوج اور سلیج یعنی سالے کی بیوی سے متعلق ہے۔ مگر دیکھا گیا ہے کہ اس کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی اور عام طور سے اچھے خاصے پردے دار قسم کے لوگ بھی ان رشتے داروں سے پردہ ضروری نہیں سمجھتے حالانکہ بڑے بڑے گھروں میں رہتے ہیں جہاں جگہ کی تنگی کا بھی سامنا نہیں ہوتا جس کو بنیاد بنا کر دوسرے لوگ حکم حجاب سے جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے اس فعل کی یہ کہہ کر توجیہ کرتے ہیں کہ ارے یہ تو بیمار ذہنوں کی شدت پسندی ہے ورنہ یہ تو بڑے مقدس رشتے ہیں، بہنوئی سالی کو اور دیور بھابھی کو اپنی بہن سمجھتا ہے اور وہ انہیں اپنا بھائی.......... اسی طرح بعض اوقات یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ بہنوئی سے کس طرح پردہ کیا جا سکتا ہے، انہوں نے تو مجھے گود کھلایا ہے، میرا بچپن ان کے سامنے گزرا ہے.......... یہ.......... اور.......... وہ.......... یاد رکھیے! ان حیلوں بہانوں سے اللہ کا مقرر کردہ نامحرم کسی طرح محرم نہیں بن سکتا: وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ (الانعام: ۳۴) ۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے سنے گئے ہیں کہ پردہ دو قسم کا ہے: ایک گھر کا پردہ، دوسرا باہر کا۔ یعنی وہ گھر سے باہر پردے کے قائل اور گھر کے اندر پردے کے انکاری ہوتے ہیں۔ یہ محض ان کی ذہنی اختراع ہے ورنہ قرآن و حدیث میں ایسی کوئی تقسیم بیان نہیں ہوئی۔ پردہ تو ہر نامحرم سے کرنا فرض ہے خواہ گھر کے باہر کا نامحرم ہو یا گھر کے اندر کا کوئی سسرالی یا نسبی نامحرم؛ اس حکم میں سب برابر ہیں اور تمام نامحارم سے ایک جیسا پردہ کرنا چاہیے۔ یہ حکم حجاب تو احکم الحاکمین رب کی طرف سے نازل کردہ ہے، میرے اور آپ کے کہنے سے تھوڑا ہی ہے۔ وہ اس کی حکمت خوب جانتا ہے۔ اس کے تمام ہی احکامات اس کے بندوں کے اپنے فائدے کے لیے ہی ہیں۔ محض کسی کے منہ سے کہہ دینے سے کوئی ماں بیٹے، بہن بھائی نہیں بن جاتے۔ قرآن میں تو ان منہ بولے رشتوں کو بالکل رد کر دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ صلبی رشتہ ہی اصل ہوتا ہے ورنہ متبنّیٰ کی کوئی حیثیت نہیں۔ (الاحزاب: ۴، المجادلہ: ۲) اسی طرح سورۂ نساء کی مذکورہ ماقبل محرمات والی آیت سے غلط استدلال کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا جاتا ہے کہ سالی محرم ہے کیونکہ اس سے نکاح اس وقت تک =

خواہش نہ رکھیں یا ایسے لڑکوں کے جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں (غرض ان لوگوں کے سوا) کسی پر اپنی زینت (مقام آرائش) ظاہر نہ ہونے دیں۔ اور اپنے پاؤں (ایسے طور سے زمین پر) نہ ماریں کہ (جھنکار کانوں میں پہنچے اور) ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے؛ اور مومنو! تم سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (الاحزاب: ٣٦)

"اور ایمان والوں اور ایمان والیوں کو یہ شایاں نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ فرما دیں تو پھر وہ اس میں اپنا کوئی اختیار رکھیں، اور جو (اس کے بعد بھی) اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا۔"

صحابہ کرام ﷡ جن کو اللہ تعالیٰ نے رہتی دنیا تک کے لوگوں کے لیے ایک ایمانی نمونہ بنایا ہے، (البقرۃ: ۱۳۷) انھوں نے اس میں کوئی ایں و آں نہیں کی بلکہ ان آیات پر خوشدلی کے ساتھ پوری طرح عمل کیا:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ يَرْحَمُ اللّٰهُ نِسَاءَ الْمُهَاجِرَاتِ الْاُوَلَ لَمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ (وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ) شَقَقْنَ مُرُوْطَهُنَّ فَاخْتَمَرْنَ بِهَا

(بخاری: كتاب التفسير، سورة النور، باب: وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ)

عائشہ ﷞ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اولین مہاجرین کی عورتوں پر رحم فرمائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے (سورہ نور کی) یہ آیت نازل فرمائی کہ "اپنے سینوں پر اپنی چادریں اوڑھے رہا کریں" تو انہوں نے اپنے اونی کمبل پھاڑ کر ان سے پردے کی چادریں بنا لیں۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا ذَكَرَتْ نِسَاءَ الْاَنْصَارِ فَاَثْنَتْ عَلَيْهِنَّ وَقَالَتْ لَهُنَّ مَعْرُوْفًا وَّ قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتْ سُوْرَةُ النُّوْرِ عَمِدْنَ اِلٰى حُجُوْرٍ اَوْ حُجُوْزٍ شَكَّ اَبُوْ كَامِلٍ فَشَقَقْنَهُنَّ فَاتَّخَذْنَهٗ خُمُرًا

(ابو داؤد: باب في قوله تعالىٰ (يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ)

عائشہ ﷞ نے انصار کی عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تعریف کی، ان کے لیے اچھے الفاظ استعمال کیے اور کہا کہ جب سورۃ النور نازل ہوئی تو انہوں نے اپنے گھر کے پردوں کو پھاڑ کر ان سے پردے کی چادریں بنا لیں۔

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتْ (يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ) خَرَجَ نِسَاءُ الْاَنْصَارِ كَاَنَّ عَلٰى رُءُوْسِهِنَّ الْغِرْبَانَ مِنَ الْاَكْسِيَةِ (ایضاً)

ام سلمہ ﷞ روایت کرتی ہیں کہ جب (سورہ احزاب کی) یہ آیت نازل ہوئی کہ (يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ) "وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں" تو انصار کی عورتیں اس طرح لٹکا کرتیں کہ ان کی چادروں سے ایسا لگتا گویا ان کے سروں پر کوّے بیٹھے ہیں۔

صحابیات ﷟ پردے کا کتنا اہتمام کرتی تھیں، اس کا کچھ اندازہ تو مندرجہ بالا روایات سے ہو جاتا ہے۔ حالت احرام جس میں، عورت کو چہرے پر کپڑا لگانا منع ہے، اس میں بھی صحابیات ﷟ پردے سے بے نیاز نہیں رہتی تھیں۔ عائشہ ﷞ روایت کرتی ہیں کہ حجۃ الوداع کے سفر میں قافلے ہمارے پاس سے گزرتے تھے اور ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ احرام باندھے ہوئے تھیں۔ جب قافلے ہمارے سامنے آتے تو ہم بڑی چادر سر کی طرف سے چہرے پر لٹکا لیتیں اور جب وہ گزر جاتے تو ہم اس کو اٹھا دیتیں۔

(ابو داؤد: كتاب المناسک، باب في المحرمة تغطي وجهها)

واقعہ افک کی طویل روایت میں عائشہ ﷞ کا بیان ہے کہ صفوان بن معطل ﷜ اپنی ذمے داری کے مطابق قافلے کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے کہ مبادا کسی مسافر کا کوئی سامان رہ گیا ہو؛ وہ عائشہ ﷞ کی جگہ آئے جو قضائے حاجت کے لیے چلی گئی تھیں اور اپنی واپسی سے قبل ہی قافلہ آگے روانہ ہو جانے کی وجہ سے وہاں ٹھہر گئی تھیں، انہوں نے دیکھا کہ کوئی سو رہا ہے، انہوں نے دیکھتے ہی عائشہ ﷞ کو پہچان لیا کیونکہ پردے کا حکم اترنے سے پہلے صفوان ﷜ نے انہیں دیکھا تھا؛ انہوں نے پہچان کر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھا تو عائشہ ﷞ کی آنکھ کھل گئی اور انہوں نے فوراً چادر سے اپنا منہ چھپا لیا۔

(بخاری: كتاب التفسير، سورة النور، باب: وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ ....)

اگر چہرے کا پردہ ضروری نہ ہوتا تو منہ چھپانے کی کیا ضرورت تھی؟

جابر ﷜ کہتے ہیں کہ ام سلمہ ﷞ نے نبی ﷺ سے سینگیاں لگوانے

= حرام ہے جب تک اس کی بہن نکاح میں ہے کیونکہ دو بہنوں کا کسی مرد سے ایک ساتھ نکاح حرام ہے۔ (بعض لوگ تو اپنے اس باطل خیال کی تائید کے لیے ابوداود کی کتاب اللباس کی وہ روایت بھی پیش کر دیتے ہیں جس میں عائشہ ﷞ کی بہن اسماء ﷞ سے نبی ﷺ کی ملاقات اور گفتگو کا بیان ہے؛ نبی ﷺ نے انہیں باریک لباس میں دیکھ کر منہ پھیر لیا اور انہیں بتایا کہ بالغ ہونے کے بعد عورت کو ایسا لباس نہیں پہننا چاہیے۔ اس ضعیف روایت کی تفصیل آگے آ رہی ہے) دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا تو حوالہ آیت کی رو سے بلاشبہ حرام ہے لیکن سالی محرم نہیں کیونکہ اس کی بہن سے نکاح ختم ہوتے ہی، اس سے نکاح کیا جا سکتا ہے مگر وہ اس وقت سالی نہیں رہتی جبکہ ایک محرم رشتہ ہمیشہ محرم ہی رہتا ہے، اس سے کسی بھی صورت میں نکاح جائز نہیں ہوتا جبکہ سالی کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں۔ ورنہ پھر تو کسی بھی غیر محرم مرد سے پردہ جائز نہ ہوتا (بلکہ لفظ "نامحرم" ہی بے معنی ہو جاتا) کیونکہ کوئی بھی عورت اپنے شوہر کے نکاح میں رہتے ہوئے کسی دوسرے مرد کے نکاح میں آ ہی نہیں سکتی جب تک اپنے شوہر سے آزاد نہ ہو۔ جس طرح یہ عورت اپنے شوہر کے مرنے یا اس سے طلاق یا خلع کے بعد کسی بھی دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے، اسی طرح بیوی کی بہن بھی اپنی بہن کے مرنے یا اس کے خلع یا طلاق کے بعد اپنے بہنوئی سے نکاح کر سکتی ہے (فی الحقیقت اس شخص سے اس کی بہن کا رشتہ ختم ہوتے ہی یہ اس کی سالی بھی نہیں رہتی)۔ لہٰذا جس طرح پہلی عورت کو اپنے شوہر کی موجودگی میں ممکنہ کسی دوسرے شوہر سے پردہ کرنا فرض ہوتا ہے، اسی طرح سالی کو بھی اپنے بہنوئی سے (اور سلہج کو اپنے نندوئی سے) پردہ کرنا چاہیے۔ دیور، جیٹھ اور بھاوج کے رشتوں کا بھی یہی حکم ہے۔

(جسے حجامت کہتے ہیں جس میں بغرض علاج سینگ کا پچھلا حصہ کسی رگ میں چبھو کر فاسد خون چوس کر نکالا جاتا ہے) کی اجازت چاہی تو نبی ﷺ نے ابوطیبہ کو حکم دیا کہ وہ اُن کی حجامت کر دیں۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی تھے یا وہ نابالغ تھے۔

(ابو داؤد: کتاب اللباس، باب فی العبد ینظر الی شعر مولاته)

ازواج مطہرات کے پردے کی شدت کا اندازہ درج ذیل اس روایت سے بھی ہوتا ہے جس کو متعدد محدثین نے روایت کیا ہے:

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے سودہ رضی اللہ عنہا کے والد کی لونڈی کے بچے کے لیے دعویٰ کیا کہ وہ ان کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا بیٹا ہے جو اس عورت سے زنا سے پیدا ہوا تھا اور جس کے بارے میں عتبہ نے مرنے سے پہلے سعد رضی اللہ عنہ کو اسے لے لینے کی وصیت کی تھی۔ سودہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبد بن زمعہ نے یہ دعویٰ کیا کہ نہیں وہ بچہ تو ان کا بھائی ہے جو ان کے باپ کی لونڈی سے پیدا ہوا ہے۔ جب اس بچے کو دیکھا گیا تو وہ عتبہ کا ہم شکل تھا۔ اس پر نبی ﷺ نے یہ کہہ کر بچہ سودہ رضی اللہ عنہا کے بھائی کو دے دیا کہ: اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَ لِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ "بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کے لیے تو پتھر ہیں"، اور سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اِحْتَجِبِیْ مِنْهُ يَا سَوْدَةُ "اے سودہ! اس بچے سے پردہ کرو"۔ (بخاری: کتاب الخصومات، باب دعوی الوصی للمیت) ایک روایت میں بتایا گیا کہ: فَمَا رَاٰهَا حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ یعنی اس بچے نے (جو کہ سودہ رضی اللہ عنہا کے لیے غیر محرم تھا) مرتے دم تک سودہ رضی اللہ عنہا کو نہ دیکھا۔

(مؤطا مالک: کتاب الاقضیة، باب القضاء بالحاق الولد بابیه)

نبی ﷺ کے گھر میں ایک مخنث (ہیجڑا) آیا کرتا تھا جسے غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ سمجھا جاتا (ابو داؤد: کتاب اللباس، باب فی قوله ﴿غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ﴾)

[یعنی وہ بوڑھے ملازمین یا خدام جو اپنی سن رسیدگی یا کسی دوسرے عذر کے سبب نکاح کی حاجت نہیں رکھتے؛ پیدائشی ہیجڑے بھی اسی ذیل میں آئیں گے کیونکہ وہ خلقی اعتبار سے ہی کوئی جنسی میلان نہیں رکھتے اور انہیں عورت مرد کے جسمانی اوصاف وغیرہ کا بھی کوئی علم نہیں ہوتا؛ اس لیے ان سے پردہ نہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ یاد رہے کہ اس میں وہ ہیجڑے ہرگز شامل نہیں جو نسوانی روپ دھار کر بھیک مانگتے ہیں، ناچ گانے کا پیشہ کرتے ہیں جو درحقیقت صحت مند مرد ہوتے ہیں جن کے اپنی اولاد بھی ہوتی ہے] اور ازواج مطہرات اس سے پردہ نہ کرتیں کہ سورۃ النور کی اوپر بیان کردہ آیت میں اس سے پردے کی رخصت دی گئی ہے۔ غزوۂ طائف کے موقعے پر اس مخنث نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ان کے بھائی عبداللہ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ طائف فتح ہو جائے تو بنت غیلان کو ضرور دیکھنا............ پھر اس نے اُس عورت کے جسمانی اوصاف بیان کیے۔ نبی ﷺ نے سنا تو ازواج مطہرات سے فرمایا: اَلَا اَرٰى هٰذَا يَعْرِفُ مَا هٰهُنَا لَا يَدْخُلَنَّ عَلَيْكُنَّ قَالَتْ فَحَجَبُوْهُ "ارے دیکھو یہ تو جانتا ہے کہ یہ (جسمانی اوصاف) کیا ہیں، (اب) یہ ہرگز تمہارے یہاں نہ آئے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ پھر اس (مخنث) کو بھی پردے میں کر دیا۔ (مسلم: کتاب السلام باب منع المخنث من الدخول علی النساء الاجانب)

اللہ کے رسول ﷺ نے امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو تو اندھے نامحرم سے بھی پردہ کرنے کا حکم دیا۔ عمرو بن زائدہ جو عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہیں، نبی ﷺ کے پاس آئے تو نبی ﷺ نے ام سلمہ اور میمونہ رضی اللہ عنہما کو جو اس وقت وہاں موجود تھیں، ان سے پردہ کرنے کا حکم دیا۔ وہ کہنے لگیں:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَيْسَ اَعْمٰى لَا يُبْصِرُنَا وَلَا يَعْرِفُنَا

"اے اللہ کے رسول! کیا یہ نابینا نہیں کہ یہ ہمیں نہیں دیکھ سکتے اور ہمیں نہیں پہچان سکتے؟"

نبی ﷺ نے فرمایا: اَفَعَمْيَاوَانِ اَنْتُمَا اَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهِ

"کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟ کیا تم اسے نہیں دیکھ رہیں؟"

(ترمذی: کتاب الادب، باب ماجاء فی احتجاب النساء من الرجال)

امام ابو داؤد نے یہ روایت نقل کر کے اس پر تبصرہ کیا ہے کہ یہ حکم خاص طور سے ازواج مطہرات کے لیے تھا ورنہ فاطمہ بنت قیس کو جب ان کے شوہر نے طلاق دے دی تھی تو ان کو عدت گزارنے کے لیے انہی عبداللہ بن ام مکتوم کے گھر بھیج دیا گیا۔ (ابو داؤد: کتاب اللباس، باب فی قوله عزوجل ﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ﴾)

حکم حجاب کو صرف ازواج مطہرات سے مخصوص کرنے والے منکرین حدیث اس واقعے سے غلط استدلال کرتے ہیں حالانکہ یہ ایک مخصوص واقعہ ہے جسے تقریباً ہر محدث نے بیان کیا ہے۔ ابوعمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو کسی دوسرے شہر سے آخری طلاق بھجوا دی۔ انہوں نے اپنی سسرال والوں سے نفقہ مانگا۔ نبی ﷺ کے سامنے معاملہ پیش ہوا تو بتایا گیا کہ انہیں کوئی نفقہ نہیں ملے گا۔ اب ایسی عورت جس کا کوئی والی وارث نہیں تھا، کہاں عدت گزارتی، تو نبی ﷺ نے پہلے ان سے کہا کہ وہ ام شریک رضی اللہ عنہا کے گھر چلی جائیں۔ لیکن پھر بتایا کہ وہ انصاریہ خاتون اللہ کی راہ میں بہت خرچ کرنے والی ہیں، ان کے یہاں مسکین مہاجرین کا تانتا لگا رہتا ہے، اس لیے وہاں مناسب نہیں کہ کبھی تمہاری چادر سر سے گر جائے یا پنڈلی کھل جائے اور کوئی تمہیں اس حال میں دیکھ لے؛ عبداللہ بن ام مکتوم جو تمہارے چچا زاد ہیں اور بنی فہر سے ہیں اور قریش کا وہ خاندان کہ تم اور وہ ایک ہی پیٹ سے ہیں، وہاں ان کے گھر منتقل ہو جاؤ کہ وہ نابینا ہیں، اگر تمہاری چادر گر بھی جائے گی تو انہیں کچھ نظر نہ آئے گا۔ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے انہی کے گھر عدت گزاری اور اس کے بعد اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا۔ (مسلم: کتاب الفتن و اشراط الساعة، باب قصة الجساسة/ابو داؤد، کتاب النکاح، باب النفقة المبتوتة، وغیرهما)

اس سے یہ نتیجہ اخذ نہ کیا جائے کہ غیر محرم رشتے دار سے پردے کی پابندی نہیں کیونکہ یہ ایک خصوصی واقعہ ہے اور مخصوص حالات میں بدرجۂ

مجبوری ہی وہاں عدت کا دورانیہ گزارنے کی اجازت دی گئی تھی۔

یہ تو مومنوں کی ماؤں کا حال تھا کہ حالت احرام میں بھی پردہ نہیں چھوڑتیں، اور اب ایمان کے دعویداروں کا حال دیکھیے کہ پردے کو ننگ وعار، ہتک وبکی، ترقی میں رکاوٹ اور فرسودہ و دقیانوسی سمجھتے ہیں اور اسے بیمار ذہنوں کی اختراع، شدت پسندی، تنگ نظری، تاریک خیالی، وغیرہ جیسے دلخراش نام دیتے ہیں۔ پوری طرح شرعی پردہ کرنے والے تو تھوڑے ہی ملیں گے۔ اور پردے کی پابند اکثر خواتین کا یہ حال ہے کہ گھر سے نکلتے ہوئے تو برقع بھی پہن لیا مگر یہ صرف سفر کی حد تک رہتا ہے ورنہ اسکول، کالج، یونیورسٹی، اسپتال، دفتر، سسرال، میکے، وغیرہ پہنچ کر اسے فوراً اتار دیا جاتا ہے اور وہاں کسی غیر محرم سے کوئی پردہ نہیں رہتا۔ اور جو خواتین کچھ پابندی کر بھی لیتی ہیں تو وہ دودھ والے سے دودھ لیتے ہوئے، سبزی فروش سے سبزی خریدتے ہوئے، دھوبی کو کپڑے دیتے ہوئے، دروازے پر دستک دینے والے سے باتیں کرتے ہوئے، خوانچے والے سے سامانِ خورونوش خریدتے ہوئے .... خود کو پردے کی پابندی سے مستثنیٰ سمجھ لیتی ہیں حالانکہ یہ سب نامحرم ہیں اور ہر نامحرم سے پردہ کرنا بحکم ربی فرض ہے۔ یہاں تک کہ ٹیلیفون یا موبائل پر نامحرموں کی کال کا جواب دیتے ہوئے بھی حکمِ حجاب کو پیش نظر رکھنا چاہیے اور اسے کسی حال فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ خواتین جو گھر سے باہر نکلتے ہوئے برقعہ اوڑھ لیتی ہیں، انہیں جب کسی تقریب میں جانا ہوتا ہے تو اُس وقت پردے کا حکم ان کے لیے غیر ضروری ہو جاتا ہے اور وہ بے پردہ عورتوں کی طرح بن سنور کر گاڑی میں بیٹھ کر نمائشی جنس بن جاتی ہیں اور اپنے اس فعل کی یہ کہہ کر تاویل کر لیتی ہیں کہ بس دروازے سے گاڑی میں ہی تو بیٹھنا ہے، حالانکہ یہ سارے راستے دوسروں کو دعوت نظارہ دے رہی ہوتی ہیں۔ اور جو اس بناؤ سنگھار کو بادل نخواستہ برقعے میں چھپا لینے کی زحمت گوارا کر بھی لیتی ہیں تو تقریب میں جاتے ہی اس سے جان چھڑا لی جاتی ہے جہاں کھانا کھلانے پر مامور مردانہ عملہ کھلے مہاران کے دائیں بائیں، آگے پیچھے گھوم رہا ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر فوٹو گرافی کرنے والے اور مووی بنانے والے اپنے معاونین کے ساتھ ان کے درمیان آزادی سے گھوم پھر کر ان کی تصویریں بنا رہے ہوتے ہیں، جس کے لیے یہ خود بھی بصد شوق پوز بنا رہی ہوتی ہیں اور ان لوگوں کی اس انتہائی شرمناک حرکت سے قطعی بے خبر ہوتی ہیں کہ وہ کمپیوٹرائیڈنگ کے ذریعے ان کی تصاویر کہاں کہاں استعمال کرتے ہیں!

منکرین حدیث کی تو خیر بات ہی کیا کہ شیطان نے انہیں نہایت بے باک بنا دیا ہے اور وہ نفس پرستی کا شکار ہو کر بڑی ڈھٹائی سے ہر اس بات کا انکار کر دیتے ہیں جو قرآن میں بیان نہ کی گئی ہو اور جو کچھ قرآن میں بیان ہوا ہے، احادیث سے جان چھڑانے کے لیے اس کی بھی من مانی تاویل کرتے ہیں۔ یہ لوگ تو بڑے جری اور نڈر ہیں جو ہر قسم کی قید و بند سے اپنے آپ کو آزاد رکھنا چاہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن بطور طنز کہتا ہے کہ: أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ (الفرقان:۴۳) ''کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنے نفس کو اپنا الٰہ بنا رکھا ہے؟'' مگر اچھے خاصے دین دار قسم کے لوگ بھی پردے کے لیے چہرہ ڈھانکنا غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ اپنی طرف متوجہ کرنے اور جسمانی ساخت کو نمایاں کرنے والے طرح طرح کے پُرکشش وڈیزائن دار فیشنی برقعے اور چھوٹی چھوٹی چادریں پہنے ان کی خواتین منہ کھولے بے محابا بازاروں میں گھومتی رہتی ہیں اور دوسروں کو دعوت نظارہ دے کر اپنے زعم میں پردہ نشین بھی کہلاتی ہیں! اللہ کے حکمِ حجاب کی اس سے بڑی تضحیک وتحقیر اور کیا ہوگی؟ یہ ''دانشور اور مفکر علامہ'' اس بات پر زور دیتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں صرف جلباب لٹکانے اور سینے چھپانے کا حکم ہے جو محض برقع یا چادر پہننے سے پورا ہو جاتا ہے، اس میں چہرے پر ڈالنے کا کہیں ذکر نہیں۔ یہ ان کی خام خیالی ہے ورنہ ادنائے جلباب کے حکم میں یہ بات از خود شامل ہے۔ کیا انہوں نے مذکورہ بالا عائشہ ؓ کی روایت پر غور نہیں کیا جس میں حالت احرام میں بھی چہرے پر چادر لٹکانا ثابت ہے۔ تمام مستند مفسرین اور فنِ لغت کے ماہرین نے صحابہ اور تابعین سے ادنائے جلباب کے معنی منہ چھپانا ہی روایت کیے ہیں۔ بخوف طوالت ہم یہاں کسی تفسیر کا حوالہ نہیں دینا چاہتے ورنہ یہ مختصر مضمون ایک کتاب کی شکل اختیار کر لے گا۔

اسلام نہ صرف فواحش ومنکرات پر روک ٹوک لگاتا ہے بلکہ اس کے اسباب ومحرکات کا بھی سد باب کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ....

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (الانعام:۱۵۱) یعنی ظاہر اور پوشیدہ ہر قسم کے فواحش کے نزدیک بھی نہ پھٹکو۔ اسلام میں نامحرم کو دیکھنے کی ممانعت ہے اور نظریں نیچے رکھنے کا حکم ہے۔ (النور:۳۰،۳۱) غیر محرم مرد وعورت کا تنہائی میں یکجا ہونا منع ہے۔ (ترمذی: کتاب الرضاع، باب ماجاء فی کراھیۃ الدخول علی المغیبات) امہات المؤمنین تک کو کسی غیر مرد سے بات کرتے وقت نرم لہجہ اختیار کرنے کی ممانعت ہے۔ (الاحزاب:۳۲، وغیرہ) عورت کی آواز تک کا پردہ مطلوب ہے کہ امام کی غلطی بتانے کے لیے اسے زبان کھولنے کی اجازت نہیں بلکہ حکم ہے کہ وہ صرف ہاتھ سے (تھپتھپا کر) دستک دے (بخاری: کتاب الجمعۃ، باب التصفیق للنساء)۔ دینی امور کی حرص رکھنے کے باوجود صحابیات ؓ میں سے کسی سے بھی اذان دینا ثابت نہیں۔ عورت کو تلقین کی گئی ہے کہ اپنی زیب وزینت بھی کسی غیر مرد پر ظاہر نہ کی جائے۔ یہ حقیقت ہر شخص پر عیاں ہے کہ ایک جوان عورت کا چہرہ ہی سب سے زیادہ جاذب نگاہ ہوتا ہے۔ سب سے پہلے چہرے پر ہی نظر پڑتی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ دوسری چیزوں کو چھپانے کا حکم ہو اور نسوانی حسن وجمال کے مرکز چہرے کو چھپانے کا کوئی حکم نہ ہو! یہ بات تو بالکل بدیہی ہے کہ چہرے کو چھپانا پردے کا جزو لازم ہے۔ جس طرح صرف چہرہ چھپانے اور باقی جسم نمایاں کر دینے کو کوئی پردے سے تعبیر نہیں کرے گا، اسی طرح پورا جسم چھپانا

اور چہرہ نہ چھپانا بھی شرعی پردہ نہیں کہلا سکتا، یہ وہ پردہ ہرگز نہیں جو قرآن و حدیث اور آثار صحابہ سے ثابت ہے۔

دراصل انسان کی شخصیت کا اظہار سب سے پہلے چہرے سے ہوتا ہے اور انسانی جمال و وقار کا پہلا تاثر بھی چہرے سے ہی ملتا ہے۔ اگر انسان اپنی جذباتی کیفیات اور فطری تقاضوں کو پوری طرح مدنظر رکھتے ہوئے غور کرے تو وہ اس ناقابل تردید حقیقت کا کبھی انکار نہ کر سکے گا کہ جنسی تحریک (sexual appeal) کا پہلا محرک چہرہ ہی ہے۔ لہٰذا انسانی خیالات کی تطہیر و پاکیزگی کے مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے فکری و جذباتی بے راہ روی کا سد باب کرنے کے لیے چہرے کا پردہ لازمی قرار دیا گیا ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ بدنظری کا دروازہ کھلا چھوڑ کر معاشرے میں پاکیزگی قلب ونظر کی توقع عقل و دانش کا مذاق ثابت ہوگی۔

چہرے کے پردے کو نہ ماننے والے اپنے اس فعل باطل کی طرح طرح سے تاویلیں کرتے ہیں۔ کبھی بہانہ کرتے ہیں کہ اسماء رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کے پاس باریک کپڑے پہنے ہوئے آئیں تو نبی ﷺ نے منہ پھیر لیا اور چہرے اور ہاتھوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے چہرے اور ہاتھوں کے سوا کچھ بھی نظر نہ آئے۔ (ابو داؤد: کتاب اللباس، باب فیما تبدی المراۃ من زینتھا) حالانکہ یہ روایت ہی درست نہیں۔ امام ابو داؤد نے اس روایت کے آخر میں خود ہی لکھ دیا کہ یہ ایک مرسل روایت ہے۔ نیز اس میں سعید بن بشیر نامی ضعیف راوی بھی شامل ہے۔ اس طرح یہ ضعیف روایت چہرے کا پردہ نہ کرنے کی دلیل بننے سے قاصر ہے۔

منکرین حجاب ایک روایت یہ بھی پیش کرتے ہیں جو متعدد محدثین نے زکوٰۃ و صدقات کے باب میں نقل کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے صلوٰۃ العید کے بعد عورتوں کے پاس جا کر انہیں وعظ و نصیحت فرمائی، جس پر ایک عورت جس کے رخسار سیاہی مائل تھے، درمیان سے اٹھی؛ اگر اس عورت کا چہرہ کھلا نہ ہوتا تو روایت کرنے والے صحابی جابر رضی اللہ عنہ کو اس کے رخساروں کی کیفیت کا علم نہ ہو پاتا۔ اس میں دو باتوں کا امکان ہے: یا تو یہ روایت پردے کی فرضیت سے پہلے کی ہے یا پھر وہ عورت عمر رسیدہ ہوگی اور بوڑھی عورت کو چہرہ کھلا رکھنے کی رخصت ہے۔

اس تنقیح سے پتہ چلتا ہے کہ چہرے کے پردے کے انکاریوں کا استدلال بالکل باطل ہے۔ دراصل انہوں نے پہلے یہ فیصلہ کر لیا کہ پردہ نہیں کرنا اور اگر کرنا بھی پڑا تو صرف برائے نام ایک چادر اوپر ڈال لینی ہے یا کوئی فیشنی برقع اوڑھ کر دعوت نظارہ دینی ہے؛ اور خودنمائی کے اس فیصلے کے لیے پھر دلائل تلاش کرتے ہیں حالانکہ ایک محقق کا فرض تو یہ ہے کہ مختلف دلائل کے درمیان ایک منصف جج کی طرح عدل و انصاف کے ساتھ غیر جانبدارانہ جائزہ لے اور حق کے مطابق فیصلہ کرے؛ کسی ایک رائے کو بغیر دلیل کے راجح قرار نہ دے، تمام زاویوں سے غور کرے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ایک نظریہ رکھتا ہو اور مبالغے سے کام لے کر اس کے دلائل کو محکم اور مخالف کے دلائل کو بلاوجہ کمزور اور ناقابل توجہ قرار دے۔ اس کا نظریہ دلیل کے تابع ہو نہ کہ دلیل نظریے کے؛ یعنی دلائل کا جائزہ لینے کے بعد نظریہ بنائے نہ کہ نظریہ قائم کر کے دلائل کی تلاش میں نکل کھڑا ہو۔ جو شخص دلائل دیکھنے سے پہلے نظریہ بنا لیتا ہے، اپنے نظریے کے مخالف دلائل کو عموماً رد کرتا ہے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو ان کی تحریف کا مرتکب ہوتا ہے۔ یہی کچھ چہرے کے پردے کے منکروں نے کیا!

بعض آزاد خیال اگر پردے کو بالکل فرسودہ نہیں کہتے تو ''روشن خیالی'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ کہہ کر اس سے جان چھڑا لیتے ہیں کہ اصل پردہ تو نظر کا ہوتا ہے، آنکھ کا ہوتا ہے، دل کا ہوتا ہے.......... یعنی اگر دل میں خوف ہے، آنکھ میں حیاء ہے تو پھر اوپر سے کسی دوسرے پردے کی حاجت نہیں!

قارئین! اگر ان نام نہاد روشن خیالوں کا یہ خیال درست ہوتا تو پھر پہلے منقول آیات حجاب کے نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی، محرم غیر محرم کی تفصیل بیان کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہ تھی، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو گھروں میں بیٹھے رہنے کی تلقین بھی بالکل غیر ضروری ہوتی، ان سے کوئی چیز ماورآء حجاب بھی لینے یا پوچھنے کے لیے لوچ دار آواز استعمال کرنے کی ممانعت بلاضرورت ٹھہرتی...... کیا نعوذ باللہ! نبی ﷺ کی ازواج مطہرات اور بنات طاہرات رضی اللہ عنہن نیک دل نہ تھیں؟ کیا ان کی آنکھ میں حیاء نہ تھی؟ کیا ان کی نیت صاف نہ تھی کہ ان کو یہ احکامات دیے گئے؟ قرآن میں یہ کہیں نہیں بتایا گیا کہ اگر تمہاری نیت صاف ہے، آنکھ میں حیاء ہے، دل نیک ہے، تو ظاہری چادروں کی کوئی ضرورت نہیں! قرآن میں تو یہاں تک کہا گیا ہے کہ وہ سن رسیدہ عورت جو بڑھاپے کو پہنچ گئی اور اب اس کی نکاح کی عمر بھی باقی نہیں بچی، وہ اگر زائد چادر نہ لے تو کوئی حرج نہیں، لیکن اگر اس بڑھاپے میں بھی اگر وہ اس کی پابندی کرے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ (النور: ۶۰) قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ کسی بھی زاویہ نگاہ سے یہ انداز فکر درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔

بے شک پردے کی اصل روح شرم و حیاء ہے لیکن یوں تو صلوٰۃ کی اصل روح عاجزی و انکساری و فرض شناسی ہے، زکوٰۃ کی روح غمگساری ہے، صوم کی روح پرہیزگاری ہے، حج کی روح انقلاب ذہنی ہے، قربانی کی روح جذبۂ خودسپردگی ہے، تو کیا ان عبادات کی ظاہری شکلوں کو ترک کر دیا جائے؟

سورۂ احزاب کی آیت ۳۳ جس میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو گھروں میں بیٹھ رہنے اور جاہلیت کے دور کی طرح سج دھج کر گھومنے پھرنے سے منع کیا گیا ہے، وہیں صلوٰۃ قائم کرنے، زکوٰۃ دینے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اگر دل کے پردے کی طرح دل کی نماز، دل کا روزہ، دل کی زکوٰۃ، دل کی اطاعت .... کو اگر صحیح اور حقیقی عبادت تسلیم کر لیا جائے تو کیا پھر نماز کے لیے وضو کرنے اور مسجد میں جانے کی کوئی ضرورت باقی رہے گی؟ ان مساجد کا وجود بے معنی ہو جائے گا۔ نبی ﷺ کا قبا اور مدینے میں مساجد تعمیر کرنا، مساجد کی فضیلت بیان کرنا، جماعت کی

فضیلت، وضو کی ترکیب، مواقیت الصلوٰۃ سکھانے کے لیے جبرئیل علیہ السلام کا آنا...... سب بے مقصد ٹھہرے گا؛ روزے کے لیے سحر و افطار کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہے گی؛ حج کے لیے مکہ مکرمہ کا سفر، زکوٰۃ اور قربانی کے لیے مال خرچ کرنا، سب بے مصرف ثابت ہوگا۔ قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس شیطانی فکر سے دین کا کیا حال ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے تمام احکامات بشمول پردہ اپنی ''اصل روح'' کے ساتھ ساتھ اپنا ایک ''اصل قالب'' یعنی سانچا بھی رکھتے ہیں۔ ''روح'' اپنے قیام کے لیے خود ایک ''قالب'' کا تقاضا کرتی ہے۔ بغیر قالب کے روح بھی اپنی موجودگی کا احساس نہیں دلا سکتی۔ پردے کی روح ''شرم و حیاء'' اور ''قالب'' وہ کپڑا ہے جس سے چہرہ اور جسم چھپایا جاتا ہے۔ اس پردے کے وجود کے لیے یہ قالب اور روح دونوں ہی ضروری ہیں۔ یہی فاضل کپڑا عورت کے ''دل کے پردے'' کو ظاہر کرتا ہے، اس کی ''آنکھ کی حیاء'' کی علامت ہے اور اس کی ''نیت کی پاکیزگی'' کا مظہر ہے۔ جیسے وضو اور رکوع و سجود، قیام و قعود کے بغیر صلوٰۃ نہیں، شب خیزی اور سحری و افطار کے بغیر صوم نہیں، خانہ کعبہ کی زیارت اور طواف کے بغیر حج نہیں، ویسے ہی برقع، نقاب یا چہرے پر چادر کے بغیر کیا جانے والا پردہ، پردہ نہیں۔ اور جو عورت اس اہتمام کے بغیر ''دل کے پردے'' کی آڑ میں ''باپردہ'' ہونے کی دعویدار ہے، وہ بلاشک وشبہ منافق ہے۔ حقیقت میں اس کا دل پردے کے احساس سے خالی ہے، قلبی طور پر وہ ''پردہ'' کرنا ہی نہیں چاہتی؛ ''دل کے پردے'' کی اصطلاح تو اس نے صرف بے پردہ ہونے کے لیے گھڑی ہے!

بے شک اللہ تعالیٰ ہماری نیتوں کو دیکھتا ہے، ہمارے چہروں کو نہیں، لیکن نیتوں کا عملی اظہار زبان اور اعضاء و جوارح سے بھی ہونا چاہیے۔ کوئی بھی عبادت، نیکی یا خوبی ہو، نیت کے ساتھ ساتھ اس کا عملی مظاہرہ ضروری ہوتا ہے ورنہ وہ نامکمل رہتی ہے۔ اگر ایک مسلمان عورت کی نیت واقعی پردہ کرنے کی ہے تو اسے شریعت اور سلف صالحین کی روایت کے مطابق عملاً برقع یا نقاب دار چادر پہن کر اس نیت کا اظہار کرنا چاہیے ورنہ یہ کیسی ''نیک نیتی'' ہے کہ اعمال بدنیتی کا پتہ دے رہے ہیں: ''دل میں پردہ'' ہے اور سر سے پیر تک پورا پیکر ''بے پردہ'' ہے؛ ''آنکھ میں حیاء'' ہے اور بے حیائی کے کاموں میں رات دن مصروف ہے، نمائشِ جنس بن کر تاجروں کی تجارت کو فروغ دے رہی ہے، غلیظ نگاہوں کو دعوت نظارہ دے کر جنسی جذبات کو بھڑکا رہی ہے......
کیا یہی حیاء کے تقاضے ہیں؟ کیا نیک نیت ہونے کا یہی مدعا و مقصد ہے؟

''دل کا پردہ'' یا ''آنکھ کی حیاء'' دو انتہائی گمراہ کن اصطلاحیں ہیں جنہیں ان لوگوں نے ایجاد کیا ہے جو اللہ کے حکم حجاب سے دور رہنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ درحقیقت ''دل کے پردے'' کی آڑ میں ہر قسم کی بے پردگی، آزادی اور بے مہار نفس پرستی کا جواز پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ شرعی حجاب سے فرار کا ایک شیطانی انداز ہے اور دل کے کھوٹ کو چھپانے کا ایک ڈھونگ ہے۔ یہ ''دل کا پردہ'' نہیں بلکہ دل پر جہالت کا پردہ ہے۔

شیطان نے نفس پرستی کے بعض شکاروں کو ایسا نڈر بھی بنا دیا ہے کہ وہ سرے سے نفسِ پردہ ہی کا انکار کر دیتے ہیں اور حکمِ حجاب کو صرف امہات المؤمنین ؓ سے ہی مخصوص قرار دیتے ہیں۔ اگرچہ گھروں میں بیٹھے رہنے سے متعلق حکم (الاحزاب: ۳۳) میں ازواج مطہرات ؓ سے ہی خطاب ہے لیکن منقول ماقبل آیات حجاب (الاحزاب: ۵۹، النور: ۳۱) میں امہات المؤمنین ؓ کے ساتھ واضح طور پر ''نساء المؤمنین'' یعنی مومنوں کی عورتوں کا بھی ذکر ہے۔ سورہ احزاب میں جو معاشرتی آداب سکھائے گئے ہیں، ان کی بنیاد اگرچہ نبی ﷺ کے گھر والے ہی تھے اور ان کا شان نزول بھی زینب ؓ سے نبی ﷺ کے نکاح سے پہلے اور بعد کے واقعات ہیں لیکن ان سے مقصود ایک عام ادب سکھانا ہے۔ زیر بحث آیات میں خطاب ازواج مطہرات ؓ سے تو ہے لیکن ان میں دیے گئے احکام کا اطلاق تمام مومنات پر ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں یہ طرز تخاطب اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ مرد و عورت دونوں کے لیے اللہ کے رسول ﷺ بہترین نمونہ ہیں (الاحزاب: ۲۱) لیکن خواتین کے لیے ان کے نسوانی پہلوؤں کے لحاظ سے نمونہ ازواج مطہرات و بنات طاہرات ؓ ہیں۔ یہاں اگرچہ براہ راست خطاب ازواج مطہرات ؓ سے ہے لیکن ان کے واسطے سے پوری امت کی خواتین ان احکام کی مخاطب ہیں اور یہ احکام صرف ازواج مطہرات کے لیے خاص نہیں بلکہ سب کے لیے عام ہیں۔

غور فرمایئے کہ یہاں ازواج مطہرات ؓ کو غیر محرم مردوں سے نرم لہجے اور لوچدار آواز میں گفتگو سے منع فرمایا گیا ہے تو کیا یہ حکم صرف انہی کے لیے مخصوص ہے اور عام مومنات کے لیے اس میں کوئی رہنمائی نہیں؟ پھر دور جاہلیت کی عورتوں کی طرح سج دھج کر زیب و زینت کے ساتھ باہر نکلنے کی ممانعت کا حکم بھی کیا صرف ازواج مطہرات ؓ ہی کے لیے تھا اور دوسری مسلمان عورتوں کو کھلی چھٹی دے دی گئی کہ وہ جس طرح چاہیں آرائش و زیبائش کر کے اور بن سنور کر اپنی نمائش کرتی پھریں؟ ظاہر ہے کہ دوسری عورتوں کو بھی اس کی اجازت نہیں۔ اور آگے جو حکم دیا گیا ہے کہ ''صلوٰۃ قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو'' تو کیا اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کے یہ احکام بھی صرف ازواج مطہرات ؓ کے لیے ہیں اور دوسری عورتوں پر ان کا اطلاق نہیں ہوگا؟ اور آگے فرمایا کہ ''اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو'' تو کیا یہ حکم اطاعت بھی صرف ازواج مطہرات ؓ کے لیے ہے اور دوسری عورتوں پر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت لازم نہیں؟ جو احکام ان آیات میں بیان کیے گئے ہیں وہ تمام عورتوں کے لیے ہیں، ازواج مطہرات ؓ کے حق میں چونکہ ان کی تاکید و اہتمام زائد تھا، اس لیے لفظوں میں خصوصیت کے ساتھ مخاطب ان کو بنایا گیا۔ اسی طرح آیت حجاب میں اگرچہ تذکرہ صرف ازواج

بقیہ صفحہ 64 پر

مَنِ الکذّاب؟

اللہ کے رسول صالح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو اس کی غلط روش سے آگاہ کیا، اللہ کی وحدانیت کی طرف دعوت دی اور اسے کفر و شرک سے باز آنے کا درس دیا تو آپ کی اپنی قوم آپ کے خلاف ہوگئی اور طعن کرتے ہوئے کہنے لگی کہ

ءَاُلْقِیَ الذِّکْرُ عَلَیْهِ مِنْۢ بَیْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ۝ (القمر: ۲۵)

”کیا ہم سب میں سے اسی پر یہ نصیحت اتری ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ تو بہت جھوٹا اور بڑائی جتلانے والا ہے“

اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں جواب دیا کہ

سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ۝ (القمر ۲۶)

”ان لوگوں کو کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا اور خود پسند ہے“

داعیان حق کے ساتھ ہمیشہ سے یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ جب بھی انہوں نے لوگوں کو سیدھے راستے کی طرف بلایا ہے تو لوگوں نے ان کی مخالفت کی ہے اور انہیں جھٹلایا ہے۔ خاص طور سے جن لوگوں کے مفادات اس دعوت سے متاثر ہوتے وہ تو زیادہ شدت دکھاتے کیونکہ انہیں اپنے مفاد خطرے میں پڑتے نظر آتے لہٰذا وہ اس دعوت کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتے اور کم علم و عقل عوام کو ان کے خلاف ابھارتے، انہیں جھوٹا اور منکر قرار دیتے۔ یہی انداز دور حاضر کے مسلک پرستوں نے بھی اپنایا ہے۔ جب انہیں ان کے باطل عقائد و نظریات پر بڑے خلوص، ہمدردی و دردمندی کے ساتھ، ان سے بغیر کچھ طلب کیے، اللہ کی کتاب اور اس کے آخری رسول محمد ﷺ کی احادیث جن پر ایمان و عمل کا یہ لوگ بڑھ چڑھ کر دعویٰ بھی کرتے ہیں، سمجھایا گیا تو بجائے اس کے کہ اپنا محاسبہ کرتے، اپنی اصلاح کرتے، الٹا ان دعوت دینے والوں کو ہی گمراہ قرار دینے لگے! بعض مسلک پرستوں نے تو اس مخالفت میں اور زیادہ شدت کا مظاہرہ کیا۔ شاید انہیں اپنا مفاد زیادہ عزیز تھا یا اپنی سیادت جاتی نظر آتی تھی۔

آج سے کوئی چودہ پندرہ سال پہلے ”اسلام یا مسلک پرستی“ کے نام سے ایک کتاب لکھی گئی جس کا مقصد اس کے افتتاحیہ میں ہی واضح کر دیا گیا تھا کہ

”اس تحریر سے کسی کی دل آزاری قطعاً مقصود نہیں بلکہ صرف اور صرف حق کے متلاشیوں کو چراغ دکھانے کی ایک مخلصانہ کوشش ہے“

اسی مقصد کے تحت مسلک پرستوں کے وہ عقائد و اعمال لوگوں کے سامنے لائے گئے تھے جو قرآن و حدیث کے خلاف ہیں۔ یہ ان کوششوں کا ہی تسلسل تھا جو ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی رحمہ اللہ تیس چالیس سال سے کر رہے تھے۔ آپ کی دعوت توحید نے جہاں ان لوگوں کی کثیر تعداد کو متاثر کیا جن کے دلوں میں اپنے مالک کا وقار تھا، وہیں ان مسلک پرستوں میں ایک آگ سی لگا دی تھی جو اپنے احبار و رہبان کو ارباب من دون اللہ بنائے بیٹھے ہیں۔ اس دعوت کی مخالفت میں یہ لوگ زبان درازی تو کرتے رہے، ان کے مفتیان گمراہی کے فتوے صادر کرتے رہے، لیکن سامنے آکر بات کرنے کی ہمت کسی کو نہ ہوئی۔ کسی ایک آدھ کتے پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے کچھ تحریریں تو لکھی گئیں مگر ایسی دریدہ دہنی اور بدزبانی کا مظاہرہ کسی نے نہیں کیا جس کی جرأت شیطان نے تونسہ کے ایک مولوی کو دلائی جو رحیم یار خان کے شہر ترنڈہ میں لوگوں کے چندوں سے ایک بڑی جائیداد بنائے اللہ کے بندوں کو بندوں کا بندہ بنا رہا ہے۔

حد درجہ متعصب یہ مُلا جو اقوات ترنڈہ میں اپنے محراب و منبر سے لاؤڈ اسپیکر پر ہمارے خلاف اگلتا رہتا ہے، اس کو اس کے ہم مسلکوں نے کتابی شکل دے کر کمپیوٹر شیکنگ کے ذریعے ساڑھے پانچ سو صفحات تک پھیلا دیا ہے (کمپیوٹر کمپوزنگ سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ کس طرح ان صفحات کی تعداد بڑھائی جاتی ہے، پانچ سو کے ہزار بلکہ دو ہزار صفحات بھی بنائے جا سکتے ہیں) اور اس میں ایسی سوقیانہ زبان استعمال کی ہے جو شرفاء اور اہل علم استعمال نہیں کرتے۔ اس بازاری زبان کو استعمال کرتے ہوئے ڈاکٹر عثمانی رحمہ اللہ جنہوں نے اپنی ہر تحریر و تقریر میں ہمیشہ انتہائی شائستہ و مہذب اور علمی و ادبی زبان اور لب و لہجہ استعمال کیا، انکی ذات پر بڑے رکیک حملے کیے گئے ہیں اور انہیں جگہ جگہ زندیق، ملحد، لادین، جاہل، ظالم، احمق، وغیرہ لکھا اور قرآن و حدیث کے انکار، ان میں تحریف، اللہ تعالیٰ پر افتراء پردازی، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی گستاخی کرنے وغیرہ کی تہمتیں ایسی دیدہ دلیری سے عائد کی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ ایک دینی درسگاہ کا مہتمم عالم دین اس گھناؤنے کردار کا مالک ہو سکتا ہے! سال گزشتہ جب سے یہ کتاب منظر عام پر آئی ہے، کیماڑی مرکز میں ٹیلیفون کالوں کا تانتا لگ گیا ہے۔ دیوبندی نوجوان اس تحریر کا جواب مانگ رہے ہیں، مناظرے کے چیلنج دے رہے ہیں، جو پچھلے دس بارہ سال سے سو رہے تھے اب شیطان ان کو مہمیز لگا رہا ہے!

حواہ پرستی کے نام سے شائع کی جانے والی اس کتاب میں جو گنگوہی، تھانوی، نعمانی، عثمانی، کاندھلوی، اوکاڑوی تحاریر کا ملغوبہ ہے، ویسے تو الزامات کی بھرمار ہے اور ایک سے ایک نئی نرالی تہمت عائد کی گئی ہے جو غوغائے جاہلاں ہونے کے سبب لائق اعتنا نہیں تاہم چند ایک باتوں کا جواب وقتاً فوقتاً دیا جاتا رہے گا تاکہ اس اتہام کی وضاحت ہو کہ ڈاکٹر عثمانی رحمہ اللہ قرآن کی کسی بھی آیت کے منکر نہ تھے۔ کتاب ھٰذا میں بڑی ڈھٹائی کے ساتھ ڈاکٹر موصوف پر ستر سے زیادہ آیات کے انکار کی تہمت عائد کی ہے جن میں سے چھ آیات (سورۃ النساء: ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۷۱، الحدید: ۱۹، ۲۱، آل عمران: ۱۷۹) کو ایک کتابچے کی صورت میں کسی ”رشدی“ کی تالیف کے طور پر بھی تقسیم کیا جا رہا ہے (جو کتاب مذکور کے صفحات ۱۲۰ سے ۱۲۲ پر لفظ بہ لفظ اسی طرح بیان کی گئی ہیں اور اس کتاب کے دوسرے صفحے پر ”رشدی“ ہی لکھا ہوا ہے)۔

قارئین! یہ تحریریں خواہ کسی توسوی کی ہوں یا رشدی کی، پڑھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ یہ مُلا دیوبندی بننے سے پہلے یقیناً بریلوی رہے ہوں گے کیونکہ ان کا طرز استدلال اس کی غمازی کر رہا ہے۔ جن چھ آیات کا طومار باندھا اور ہوا کھڑی کی ہے، ان میں جمع کے صیغے میں "رُسُلِہٖ" لا کر اللہ اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لانا بیان کیا گیا ہے اور ڈاکٹر عثمانی رحمہ اللہ کے کتابچے "دعوت الی اللہ" کا ایک اقتباس سیاق وسباق سے ہٹ کر پیش کرتے ہوئے تہمت لگائی ہے کہ ڈاکٹر رحمہ اللہ تمام رسولوں پر ایمان لانے کو درست نہیں سمجھتے۔ سُبۡحٰنَکَ ھٰذَا بُھۡتَانٌ عَظِیۡمٌ

قارئین! ان رشدی اور توسوی ملاؤں نے وہی حرکت کی ہے جو ان کے اکابرین کے ساتھ رضا خاں بریلوی نے کی تھی جس کا رونا یہ پچھلی ایک صدی سے رو رہے ہیں۔ موصوف نے ان کے اکابرین کی تحریروں کے بیچ بیچ کے ٹکڑے، جن کو اگر سیاق وسباق کے ساتھ نہ پڑھا جائے تو صریح کفر پر مبنی ہوتے ہیں، مکہ ومدینہ کے علماء کے سامنے پیش کر کے ان کے لکھنے والوں کے خلاف کفر کا فتویٰ لیا اور ہندوستان آکر "حسام الحرمین" کے نام سے کفر کے ان فتووں کی خوب تشہیر کی جس کی ان کے اکابرین نے "المہند علی المفند" میں اور بعد کی متعدد کتابوں میں وضاحت بھی کی مگر بریلوی مجدد تو اپنا کام کر ہی گیا اور ان دونوں مسلکوں کے درمیان نفرت کا ایسا بیج بو گیا جس کی آبیاری کرتے کرتے آج اس کو تناور درخت بنا دیا گیا ہے اور آج تک دیوبندی بریلوی نزاع کا محور بنا ہوا ہے۔ ڈاکٹر رحمہ اللہ کی محولہ تحریر کا جو ٹکڑا یہ مُلا پیش کر کے طوفان اٹھا رہے ہیں، اس کو اگر اسی انداز میں اور اسی قدر پڑھا جائے جتنا کہ پیش کیا جا رہا ہے تو ایسا ہی لگے گا جیسا کہ یہ لوگ الزام لگا رہے ہیں۔ اور اس طرح کی حرکت کر کے تو کسی بھی شخص پر کفر کا فتویٰ داغا جا سکتا ہے بلکہ قرآن سے بھی باطل احکامات تخریج کیے جا سکتے ہیں جیسے کوئی صرف لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوۃَ پڑھ کر دعویٰ کر سکتا ہے کہ قرآن میں نماز کے قریب بھی نہ جانے کا حکم ہے اور عوام کالانعام جن سے وَاَنۡتُمۡ سُکٰرٰی چھپا لیا گیا، وہ اس کی بات پر یقین بھی کر لیں گے کیونکہ انہیں تو معلوم ہی نہ ہو سکے گا کہ اس میں تو نشے کے وقت نماز کے قریب نہ جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ قارئین! پہلے آپ ڈاکٹر صاحب کی تحریر کا مکمل اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

رہی دوسری اجتماعیت، تو ہمارے اور ان کے تصور توحید وسنت میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ ہمارا ایمان یہ ہے کہ

قُلۡ لَّا یَعۡلَمُ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ الۡغَیۡبَ اِلَّا اللّٰہُ (النمل:۶۵)

"کہہ دو کہ غیب کی باتیں کوئی نہیں جانتا مگر ایک اللہ"

اور یہ بھی کہ رحم مادر میں جو کچھ آ چکا ہے اس کو بھی کوئی نہیں جانتا (لقمٰن:۳۴)، لیکن اس جماعت کے بانی اپنی خود نوشت سوانح عمری میں اپنی پیدائش کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ میری پیدائش سے تین سال پہلے ایک بزرگ نے میرے والد کو ایک لڑکے کی بشارت دی تھی اور کہا تھا اس کا نام ابوالاعلیٰ رکھنا، والد صاحب نے اس بات کو مان کر میرا یہی نام رکھا۔ (تصوف اور تعمیر سیرت: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، صفحہ۱۵) اسی طرح آپ کا یہ فیصلہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص ولی اللہ کی قبر پر زور زور سے پکار کے اپنے حق میں دعا کرنے کی درخواست کرے تو اس صورت میں اعتقاد کی خرابی تو لازم نہ آئے گی مگر یہ اندھیرے میں تیر چلانا ہوگا......اور آپ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ روحیں قبروں میں آتی جاتی رہتی ہیں۔ (فاران توحید نمبر: صفحہ۸۲/ رسائل ومسائل حصہ سوم: صفحہ۳۶۹) ہم ان مشرکانہ عقائد سے برأت کا اعلان کرتے ہیں۔ سنت کے معاملے میں بھی ہم اور وہ ایک نگاہ نہیں رکھتے۔ ہم نے سورۃ الحجرات کی جس آیت کو اپنی دعوت کا محور بنایا ہے وہ یہ ہے:

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ ثُمَّ لَمۡ یَرۡتَابُوۡا وَجٰہَدُوۡا بِاَمۡوَالِہِمۡ وَاَنۡفُسِہِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الصّٰدِقُوۡنَ ﴿۱۵﴾

(الحجرات:۱۵)

یعنی اللہ پر ایمان کے ساتھ ساتھ اللہ کے آخری رسول محمد عربی ﷺ پر مومن پختہ ایمان لائیں۔ اس لیے ہم مجبور ہیں کہ قیامت تک اپنے آخری نبی ﷺ کی سنت کے علاوہ کسی دوسرے نبی کی سنت پر ہمارا عمل نہ ہو۔ گویا ہم سارے انبیاء کی سنتوں کو صحیح اور درست ماننے کے باوجود عمل کے لیے صرف ایک سنت کو جو محمد ﷺ کی سنت ہے، لازمی سمجھتے ہیں لیکن ہمارے یہ بھائی اپنی دعوت میں اللہ کی بندگی اور انبیاء علیہم السلام کی پیروی اختیار کرنے کا بلاوا دیتے ہیں۔ اس طرح سے ان کے اتباع سنت کے تصور میں کہیں زیادہ "وسعت" ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ حضرات اٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ کے بجائے اٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ کی تلقین کرتے ہیں۔ لیکن ہم اس کو صحیح نہیں سمجھتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث کرنے کے بعد اپنے بندوں کو صرف ایک ہی نبی ﷺ کی سنت کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے اور نبی ﷺ نے تو یہاں تک فرمادیا کہ موسیٰ علیہ السلام بھی اب اگر آجائیں تو ان کو بھی میری ہی پیروی کرنا پڑے گی۔ اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ دعوت کے اس نکتے کی وجہ سے سنت محمدی ﷺ کی اتباع کی وہ شدید قید باقی نہیں رہتی جس کے باقی رہنے پر ہی صحیح اسلامی سیرت کی تعمیر ممکن ہے۔ (دعوت الی اللہ: صفحہ۱۵)

مندرجہ بالا اقتباس سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ کے تحت دی جانے والی اطاعت واتباع رسول ﷺ کی دعوت کا حصہ ہے جس پر یہ کتابچہ مشتمل ہے۔ آیت میں ایمان باللہ، ایمان بالرسول، ثابت قدمی، جان ومال سے جہاد فی سبیل اللہ کو بیان کیا گیا ہے اور ایسا کرنے والوں کو ہی سچا مومن کہا گیا ہے۔ اس آیت کو اپنی دعوت کا محور وبنیاد بناتے ہوئے ڈاکٹر رحمہ اللہ نے اس کے چاروں حصوں کی فرداً فرداً وضاحت کی ہے۔ اس کے دوسرے حصے کے تقاضوں کو بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا اختتامی اقتباس سے چند پیرے پیشتر لکھا تھا:

دوسری صفت مومنوں کی اللہ تعالیٰ یہ بیان فرماتا ہے کہ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ یعنی اللہ پر ایمان لائیں، اور اس کے آخری نبی ﷺ پر ان کا یقین جم جائے کہ وہ آخری نبی ہیں: یہی وہ نبی ہیں کہ جب سے نبوت پر فائز ہوئے ہیں، اس روز سے لے کر صور کے پھونکے جانے تک کوئی اور قانون آنے والا نہیں ہے، انہی کا دیا ہوا قانون قانون ہوگا، انہی کی بات بات رہے گی، جس معاملے میں دنیا والوں کو جو طریقہ انہوں نے بتا دیا ہے وہی حق ہے، جو اسوہ چھوڑ گئے ہیں اسی کی پیروی لازم ہے، چاہے وہ معاملہ صورت وشکل کا معاملہ ہو، رہن سہن سے متعلق ہو، لباس کی تراش وخراش کے انداز بیان کرتا ہو، عقائد سے تعلق رکھتا ہو یا عبادات ومعاملات سے، تہذیب وتمدن یا زندگی کے کسی اور گوشے سے متعلق ہو، نبی ﷺ نے جو طریقہ دے دیا ہے وہی حق اور قائم رہنے والا ہے، وہی اللہ کو پسند ہے، اور اس سے سرِمو انحراف اور اس میں معمولی سے معمولی تبدیلی ممکن نہیں کیونکہ مالک خود فرماتا ہے وَمَاۤ اٰتٰىکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡہُ ٭ وَمَا نَہٰىکُمۡ عَنۡہُ فَانۡتَہُوۡا "جو کچھ بھی تمہیں رسول ﷺ دے دیں، اسے قبول کر لو (اور یہ "جو" بے قید "جو" ہے یعنی جس معاملے میں اللہ کے نبی ﷺ جو چیز بھی دے دیں اسے پکڑ لو) اور جس چیز سے روک دیں اس سے رک جاؤ"

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (الحشر:۷) "اللہ سے ڈرو اللہ شدید عذاب دینے والا ہے"۔

اور یہ حکم کوئی سفارش نہیں ہے، بلکہ تاکیدی حکم ہے کہ اگر تم نے اس سے روگردانی کی اور اس معاملے میں اللہ سے خوف نہ کھایا تو یاد رکھو کہ پروردگار وہ ہے جو شدید ترین عذاب دے سکتا ہے اور بدترین عقوبت میں ڈال دینا اس کے بس میں ہے۔ اس کے مقابلے میں کوئی حامی و ناصر ملنا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے ایمان بالرسول کا تقاضہ یہ ہے کہ جو چیز بھی نبی ﷺ سے ملے، اسے بسر و چشم قبول کیا جائے اور جو چیز ان کے طریقے سے متصادم ہو، قیامت بھی آ جائے تب بھی نہ مانی جائے۔ وہی ایک اکیلے ہادی و رہنما ہیں اور ہر چیز انہی کی سنت پر پرکھنے کے بعد قابل قبول یا لائق رد ٹھہرے گی۔ (صفحہ ۶)

مذکورہ تحریروں میں ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا موقف بالکل واضح ہے کہ آیت مذکورہ میں بیان کردہ واحد کے صیغے میں آمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ سے ڈاکٹر صاحب صرف آخری نبی محمد ﷺ کی اطاعت کو لازم سمجھتے تھے اور اسی لیے نام نہاد جماعت اسلامی کا رد کرتے ہوئے ان کے "اللہ کی بندگی اور انبیاء علیہم السلام کی پیروی" کے موقف کو درست قرار نہیں دیا کیونکہ دوسرے انبیاء علیہم السلام پر صرف ایمان لانا ہے، پیروی صرف آخری نبی محمد ﷺ کی کرنی ہے ورنہ اگر دوسرے انبیاء علیہم السلام کی بھی پیروی لازم ہوتی تو پھر اس آیت کے حوالے سے واحد کے بجائے جمع کا صیغہ ہوتا: اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ جو کہ استعمال نہیں ہوا اسی لیے اس غلط موقف کے لیے ڈاکٹر صاحب نے یہ لکھا کہ "ہم اس کو صحیح نہیں سمجھتے"۔ ایسا ہرگز نہ تھا کہ معاذ اللہ! دوسرے نبیوں پر ایمان لانے کو ہی وہ صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کا موقف تو خود ڈاکٹر صاحب کی اسی تحریر سے مترشح ہے جس کو معمولی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے۔ بایں ہمہ اس سے یہ اخذ کرنا کہ ڈاکٹر صاحب انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کے ہی منکر تھے، جن کو محولہ بالا چھ آیات میں بیان کیا گیا ہے، بہت بڑی اجلہ فریبی ہے، جس کی جسارت کوئی نہیں کر سکتا مگر وہی جس کے دل سے اللہ کا خوف نکل جائے اور جسے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر جوابدہی کا احساس نہ رہے۔

رہا معاملہ زیر بحث عبارت کو تبدیل کرنے کا، تو ایسا ہرگز اس لیے نہیں کیا گیا کہ معاذ اللہ! ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے کوئی کفر کیا تھا اور اب اس کو چھپانا مقصود تھا جیسا کہ مُلّا توسوی اور مُلّا رشدی نے الزام عائد کیا ہے بلکہ ایسا صرف ضرورتاً کیا گیا۔ جب ان مسلک پرستوں نے یہ مذموم حرکت شروع کر دی کہ سیاق و سباق سے ہٹ کر صرف اسی ٹکڑے کو پیش کر کے قرآن کے انکار کا غلط تاثر پیدا کرنے لگے تو اس عبارت کو تبدیل کر کے اس کی جگہ یہ الفاظ بڑھا دیے گئے تاکہ ایسی شیطانی وسوسہ اندازی کی بھی کوئی گنجائش نہ رہے:

"..... بلکہ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کے تحت، ہم اللہ کے آخری رسول ﷺ کی اطاعت ہی کو درست سمجھتے ہیں............"

اور جہاں تک اس کے جواز کا تعلق ہے تو ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے کبھی اپنی تحریروں کی اشاعت پر کوئی پابندی نہیں لگائی جس کا اعلان ہم اپنے ہر کتابچے کی آخری سطر میں کر دیتے ہیں۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی دعوت قرآن و حدیث کی دعوت تھی، اس لیے کبھی کوئی حقوق محفوظ نہیں کرائے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی تحریروں کو لوگوں نے اپنے نام سے چھاپا، انٹرنیٹ پر پیش کیا۔ اس دعوتِ حق میں ہم ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے ہمدم و ہمقدم رہے اور ان کی وفات کے بعد ان کی تحریک کے امین ہونے کی حیثیت سے اسے لے کر چل رہے ہیں، اس لیے بقدر ضرورت تصریف کا حق رکھتے ہیں۔

آیاتِ قرآنی کے انکار کا دوسرا الزام

مُلّا توسوی نے زیرِ نظر کتاب میں افسانوی طرز کی تین سو سے زائد سرخیاں بڑے ڈرامائی انداز میں لگا کر اپنے پڑھنے والوں کو چونکانے کی کوشش کی ہے اور سوائے دھونس، دھاندلی، ہٹ دھرمی، غلط بیانی، دروغ گوئی، جھوٹ، تلبیس، جعل، مکر و فریب اور دھوکے کے کچھ بیان نہیں کیا اور صرف کتاب کے صفحات زیادہ سے زیادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ مُلّا توسوی نے صفحہ ۱۲۵ پر "سات مزید آیات کا انکار" کی سرخی کے تحت سورۃ التوبہ آیت ۸۴، فاطر:۲۲، الممتحنۃ:۱۳، عبس:۲۱، الانفطار:۴، التکاثر:۲ اور الحج:۷ لکھ کر دعویٰ کیا ہے کہ نعوذ باللہ! ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ان آیات کا بھی انکار کرتے تھے کیونکہ ان آیات میں لفظ "قبر" زمین کے اس حصے کے لیے استعمال ہوا ہے جہاں مردہ جسد عنصری دفن ہوتا ہے اور ڈاکٹر صاحب کے نزدیک جسد عنصری کا مدفن قبر نہیں بلکہ روح کے مقامِ قیام کا نام قبر ہے اور ثبوت میں ڈاکٹر صاحب کی تحریر کا یہ اقتباس نقل کیا ہے:

"..........مگر افسوس کہ آج دنیا والوں کی اکثریت نے اسی دنیا کی زمین کے ایک خطے کو وہ قبر ماننا شروع کر دیا ہے جہاں سوال و جواب کے لیے ہر مرنے والے کو اٹھا کر بٹھایا جاتا ہے اور پھر قیامت تک اس کے ساتھ عذاب یا راحت کا معاملہ ہوتا رہتا ہے؛ درآں حالیکہ ہر ایک جانتا ہے کہ کتنوں کو جلا کر راکھ کر دیا جاتا ہے، کسی کو درندہ ہڑپ کر جاتا ہے اور کوئی مچھلیوں کے منہ کا نوالہ بن جاتا ہے...... آخر ان مرنے والوں کو کیسے اٹھا کر بٹھایا جائے گا؟ کیسے سوال و جواب ہوگا اور کس طرح ان پر عذاب و راحت کا دور قیامت تک گزرے گا؟" (عذاب برزخ، صفحہ ۱۲)

قارئین! آپ نے نوٹ کر لیا ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب کی مذکورہ تحریر میں کہیں بھی نفسِ قبر کا انکار نہیں۔ مردے کے مدفن کو قبر کہنے سے کسی کو انکار نہیں۔ وضاحت طلب بات یہ ہے کہ جس کو یہ مدفن ہی نہ مل سکا یعنی وہ زمین میں دفنایا ہی نہ جا سکا تو اس کی قبر کس مقام کو کہیں گے؟ ڈاکٹر صاحب نے زیرِ نظر آیات میں سے کسی کا بھی انکار نہیں کیا بلکہ یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ عذاب و راحت کا یہ مقام نہیں کیونکہ یہ تو ہر ایک کو ملتا بھی نہیں مگر عذاب یا راحت تو ہر ایک کے لیے ہے، جس کے لیے عالم برزخ میں ایک مقام عطا ہوتا ہے جہاں ایک دوسرا جسم بھی دیا جاتا ہے جو وہاں کے عذاب و راحت کو محسوس کرتا ہے۔ اور ایسا کہنا قرآن کا انکار نہیں بلکہ قرآن کی تعلیمات کا اثبات ہے۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ پر اس نکتہ نظر کے حوالے سے قرآنی آیات کا الزام عائد کرنے سے پہلے یہ توسوی اور رشدی مُلّا اس موضوع پر ذرا اپنے اکابرین کے ارشادات بھی تو ملاحظہ فرما لیتے جو ان کے مقلدین فخریہ چھاپتے رہتے ہیں۔ چونکہ ہمارا مسلک قرآن و حدیث کی پیروی کرنا ہے، اس لیے عقائد بھی ہم نے وہی اختیار کیے ہیں جو انہی سے ثابت ہیں، اور ہرگز کوئی نیا عقیدہ نہیں بنایا گیا، بلکہ یہ خود اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ہی بیان کردہ ہیں۔ اور دلچسپ بات تو یہ ہے کہ جن عقائد کو "نیا عقیدہ" گردان کر ہم پر طنز کیا جا رہا ہے، وہ تو خود ان کے اکابرین کے بھی عقائد رہے ہیں جن کی وہ تبلیغ کیا کرتے تھے۔ یہ اپنے "حکیم الامت حضرت اشرف علی تھانوی صاحب" کی "اشرف الجواب" کا چوتھا حصہ پڑھ لیں، ثبوت مل جائے گا۔ مزید یہ کہ آج سے ایک صدی پیشتر

پہلے لکھی جانے والی کتاب ''حقانی عقائد الاسلام''، جس کی بانی مدرسہ دیوبند قاسم نانوتوی ودیگر اجل اکابرین دیوبند نے تعریف کی ہے، اس میں بھی یہی عقائد بتائے گئے ہیں۔ قرآن وحدیث کا موقف تو آپ ہمارے لٹریچر میں پڑھ ہی چکے ہیں، لیکن چونکہ یہ مسلک پرستوں کے لیے کافی نہیں (ورنہ تو کوئی محل اعتراض باقی ہی نہ رہنا چاہیے تھا)، اس لیے ان کے اکابرین کی کتب کے اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں (جن کی طوالت قارئین پر تو شاید گراں گزرے لیکن مسلک پرستوں کو تو خوشدلی کے ساتھ پڑھنا چاہیے کہ ان کے ارباب کا فرمان ہے) تاکہ واضح ہو جائے کہ یہ کوئی ''نیا عقیدہ'' نہیں ہے۔ لہٰذا ان عقائد پر جو فتویٰ وحکم ہمارے لیے ہے، وہی ان اکابرین پر بھی لگایا جائے۔ پہلے اپنے اکابرین کے فیصلے پڑھ لیجیے، جن میں آپ کے اعتراضات کے جوابات بھی ہیں:

''موت کے بعد میت کی روح اس کے جسم سے جدا ہوتی ہے اور حقیقت میں اس جدائی کا نام موت ہے۔ یہ جسم جو بمنزلہ مَرکب کے تھا گل سڑ جاتا ہے، اور روح، جس کو حکماء نفس ناطقہ کہتے ہیں، قائم رہتی ہے، سو اس کو جزا وسزا دی جاتی ہے۔ اس امر میں کل متفق ہیں۔''

(حقانی عقائد الاسلام از عبدالحق حقانی مطبوعہ ادارہ اسلامیات، صفحات ۱۶۱، ۱۶۲)

''اہل اسلام کے ہاں عالم آخرت کے دو طبقے ہیں: اول بعد مرنے کے حشر تک، دوم قیامت سے ابدالآباد تک۔ اول طبقے کو عالم برزخ دوسرے طبقے کو عالم حشر کہتے ہیں۔ اب ہم وہ آیات ذکر کرتے ہیں جن سے عالم برزخ کا ثبوت ہوتا ہے: قال اللہ تعالیٰ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ''صبح اور شام کفار فرعونی آتش دوزخ کے سامنے لائے جاتے ہیں اور جس روز قیامت ہوگی حکم ہوگا کہ فرعونیوں کو سخت عذاب میں داخل کرو۔'' یہاں سے معلوم ہوا کہ لوگوں کی جزا اور سزا کے دو درجے ہیں: ایک مرنے کے بعد سے قیامت تک کہ جس کو عالم برزخ کہتے ہیں اور اس درجہ میں جزا اور سزا پوری نہیں ہوتی کیونکہ اس درجہ میں فرعونیوں کے لیے آگ کے سامنے پیش کیا جانا فرمایا اور قیامت میں سخت عذاب کی تصریح فرمائی ہے۔ اور دوسرا قیامت سے لے کر ابدالآباد تک اور اس درجہ کو حشر ونشر کہتے ہیں اور اس میں پوری جزا وسزا ہوتی ہے کہ جس میں اشد العذاب کا لفظ وارد ہے۔ وقال تعالیٰ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا[۱۶] یعنی قوم نوح غرق کی گئی اور جھبی آگ میں داخل کیے گئے اور زبان عرب میں فاء تعقیب کے لیے آتی ہے اور تراخی نہیں چاہتی۔ ثابت ہوا کہ ڈوبتے ہی آگ میں داخل کیے گئے بلا تراخی۔ اس سے عالم برزخ ثابت ہوا کیونکہ مرنے کے بعد سے حشر تک کے زمانے کو عالم برزخ کہتے ہیں اور ابھی حشر ہو نہیں چکا کہ عذاب پر محمول کیا جاوے۔ و قال تعالیٰ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں ان کو مردہ نہ گمان کرو بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں، رزق دیے جاتے ہیں، خوش ہیں اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے اور جو ان کے خویش واقارب ابھی ان کے پاس نہیں پہنچے مرکے، بلکہ زندہ ہیں، سو ان کے احوال سے ان شہداء کی یہ خوشی سنائی جاتی ہے کہ ان پر بھی کچھ خوف نہیں اور نہ وہ رنج میں پڑیں گے۔ یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مرنے کے بعد نیکوں کو یہ کچھ راحتیں ملتی ہیں اور جو لوگ ان کے خویش واقارب دنیا میں نیک ہیں ان کو وہاں ان کی فکر ہے کہ دیکھیے وہ مر کر کہاں جاتے ہیں، سو ان کے حال سے بھی ان لوگوں کو وہاں مژدہ سنایا جاتا ہے وہ بھی مر کر تمہارے پاس آویں گے اور یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ معاملہ ان سے حشر سے پہلے کا ہے اور یہی مدعا ہے۔ وقال تعالیٰ قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۭ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ یعنی جب حبیب نجار کو کفار نے شہید کر دیا تو ان کو حکم ہوا کہ جنت میں داخل ہو پس وہ جنت میں داخل ہو گئے تو ان کو یہ آرزو ہوئی کہ کاش میری قوم بھی اس کو جان لیتی کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور مکرمین میں مجھے داخل کیا کہ اس کے بعد وہ بھی ایمان لاتے۔ المختصر یہ آیات اور ان کے ماسوائے اور آیات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد نیک اور بد کو حشر سے پہلے بھی جزا وسزا ملتی ہے اور یہ امر ظاہر ہے کس لیے کہ موت سے اصل انسان جو روح ہے، فنا نہیں ہوتی بلکہ بدن سے جدا ہو جاتی ہے جیسا کہ عقل ونقل اس کی شاہد ہیں پس اگر اس کو حشر ونشر ہی میں جزا وسزا ہوا کرتی تو اتنی مدت اس سے پہلے اس کو معطل رکھنا اللہ کی عدالت کے خلاف ہوتا۔

فائدہ: اور یہ بھی آیا ہے اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ کہ روح قبض کرنے والے فرشتے کہتے کہ اپنی جان نکالو تو آج تم کو ذلت کا عذاب دیا جاویگا۔ موت کے وقت حشر برپا نہیں ہوا۔ پس مرنے کے بعد روح باقی رہتی ہے۔ قرطبی کہتے ہیں اس پر جمہور کا اتفاق ہے کہ قسطلانی کہتے ہیں مرنے کے بعد روح زندہ رہتی ہے اور وہی انسان ہے، جسم کا لباس اتر جاتا ہے اس کو برابر حس وادراک رہتا ہے مگر نظروں سے غائب دوسرے جہاں میں پھر اگر پاک روح ہے تو علیین میں جو عالم بالا ہے اور اگر ناپاک ہے کہ جس کو لذائذ وشہوات کی ظلمت نے گھیر ا تھا تو سجین میں رہتی ہے جو عالم سفلی میں بیت ناک اور پراندہ جگہ ہے اور یہی دونوں جگہ اصلی قبر ہیں۔☆ (ایضاً: صفحات ۱۶۴ تا ۱۶۶)

''مومن حشر تک علیین میں آرام اٹھاتے ہیں اور کافر حشر تک سجین میں عذاب پاتے ہیں☆ ان احادیث میں اور جن میں کہ قبر کے اندر ثواب وعقاب ثابت ہے، کچھ مخالفت نہیں (کیونکہ جب یہ ثابت ہوا کہ قبر سے خاص وہ گڑھا مراد نہیں کہ جسمیں جسم دفن کیا جاتا ہے بلکہ عالم برزخ مراد ہے خواہ کوئی پانی میں غرق ہو خواہ آگ میں جل جاوے تو اس کی وہی قبر ہے۔ اس صورت میں علیین وسجین میں عذاب وثواب ہونا عین قبر میں عذاب وثواب ہے۔ کچھ مخالفت نہیں)۔.......................

اصل میں انسان روح ہے اور بدن اس کے تابع ہے۔ ثواب وعذاب بھی عالم برزخ میں روح کو ہوتا ہے جب تم کو وہ شخص ہی نظر نہیں آتا تو اس کے ثواب وعذاب کیونکر نظر آویں گے۔ جس قسم کا وہ شخص ہے اسی قسم کے اس کے لیے عذاب وثواب ہیں ویسے ہی اس کے کپڑے ہیں ویسا ہی اس کا فرش ہے اسی قسم کے اس پر گرد پڑتے ہیں اسی قسم کے سانپ بچھو وہاں ڈستے ہیں۔ جس طرح کہ روح جسم عنصری نہیں اس کے ثواب وعذاب بھی عنصری نہیں اسی واسطے وہ نظر نہیں آسکتی۔ یہ جواب تحقیقی ہے اور تمہارے شبہ کی بنا اس پر ہے کہ تم نے میت کو جس کو ثواب وعذاب ہوتا ہے اس خاک کے ڈھیر کو جو اس کا مرکب تھا، عرف عام کا اعتبار کر کے سمجھ لیا اور اسی قسم کے عنصری عذاب وثواب تم نے اس کے لیے فرض کیے پھر تم نے جب اس کو ان سے خالی پایا تو تمہیں شبہ ہوا۔'' (ایضاً: صفحات ۱۶۹، ۱۷۰)

''جس طرح تم خواب میں تنگ اور وسیع مکان میں ہونا مسلم رکھتے ہو اسی طرح اس کی قبر کی کشادگی اور تنگی کو بھی مسلم رکھو کیونکہ قبر کے تنگ اور وسیع ہونے سے ہماری یہ مراد نہیں کہ یہ گڑھا کہ جسم کو جس میں چھپایا ہے، وہ تنگ اور وسیع ہوتا ہے، بلکہ اس عالم میں روح پر تنگی اور کشادگی ہوتی ہے اور اصل قبر اس کی وہی ہے۔ ہاں عرف عام میں اس جسم کے اعتبار سے اس گڑھے کو بھی قبر کہتے ہیں۔

شبہ: بعض لوگوں کو آگ میں جلا دیتے ہیں اور بعض پانی میں غرق ہو جاتے ہیں بعض ہوا میں معلق لٹکتے رہتے ہیں علی ہذا القیاس پھر ان کے لیے قبر نہ ہوئی اور نہ منکر نکیر کا

☆ ازروئے قرآن یہ باتیں بالکل غلط ہیں کیونکہ سورۃ تطفیف کے مطابق علیین وسجین وہ مقام ہیں جہاں بالترتیب فجار اور ابرار یعنی گناہگاروں اور نیکوکاروں کے اعمال نامے ہیں۔

سوال و جواب جو خاص قبر میں ہوتا ہے وہ بھی نہ ہوگا۔

جواب: ابھی ہم کہہ چکے ہیں کہ یہ گڑھا قبر اصلی نہیں جس کو تم قبر سمجھتے ہو بلکہ مراد وہ ہے جو اب بیان ہو چکا خواہ کوئی غرق ہو یا جلے یا کوئی جانور اس کو کھا جاوے اس کی روح سے بہر طور یہ معاملات پیش آتے ہیں اور وہاں ہی منکر نکیر اس سے سوال و جواب کر لیتے ہیں اور وہاں ہی اس کی روح پر کشادگی اور تنگی وغیرہ ثواب و عذاب ہو سکتے ہیں۔ خلاصہ عقیدہ اسلامی اس مسئلہ میں یہ ہے کہ جب انسان اس منزل فانی کو چھوڑتا ہے تو وہ دوسرے عالم میں پہنچتا ہے۔ اس عالم غیر محسوس میں نیکوں کا مقام عالم بالا یعنی علیین ہے اور بدوں کا سجین جن کی روحیں کثافت وظلمت کی وجہ سے اوپر نہیں چڑھ سکتیں۔ وہ اس ناپاک جگہ میں ڈالے جاتے ہیں۔ قبر عرف شرع میں اسی علام کا نام ہے۔ حشر کے بعد ارواح کو ان کے ابدان سے پھر متعلق کیا جاوے گا اور نیا آسمان اور نئی زمین پیدا ہوگی۔ تب تو نیک جنت میں اور بد دوزخ میں رہیں گے۔ حشر تک کا زمانہ عالم برزخ کہلاتا ہے۔" (ایضاً: صفحات ۱۷۰، ۱۷۱)

"یہ تناسخ قرآن واحادیث اور ادلہ عقلیہ سے جو کتب حکمت میں مذکور ہیں، باطل ہے لہٰذا تمام عقلاء اس کو باطل کہتے ہیں۔ وقال تعالیٰ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ یعنی قیامت تک مُردوں میں ایک حجاب رکھا ہوا ہے کہ اس کے سبب پھر کے نہیں آتے۔ اس امر میں احادیث بھی بکثرت وارد ہیں اور اہل اسلام میں سے کوئی فرقہ اس کا قائل بھی نہیں ہوا۔" (ایضاً: صفحہ ۱۷۸) [یعنی اس کا قائل کہ مرنے کے بعد حشر سے پہلے روحیں پھر لوٹ آتی ہیں]

"برزخ میں انسان کو یہ دوسرا جسم عطا ہوتا ہے جو کہ جسم مثالی ہے۔ عذاب و ثواب اُسی کو ہوتا ہے۔"

(اشرف الجواب از اشرف علی تھانوی مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور، صفحہ ۵۲۸)

"اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ عالم برزخ میں انسان کو جسم مثالی عطا ہوتا ہے جو اسی جسم عنصری کے مشابہ ہے مگر اس سے زیادہ لطیف ہوتا ہے۔ لیکن یہ جسم مثالی صرف برزخ ہی میں انسان کو عطا ہوگا اور جنت و دوزخ میں یہی جسم عنصری پھر مل جائے گا گو برزخ میں جسد عنصری کا ہونا کچھ محال نہیں مگر خلاف مشاہدہ ہے۔ اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ برزخ میں عذاب وثواب ارواح کو جسم مثالی کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔" (ایضاً صفحہ ۵۳۵)

"یاد رکھو موت صرف جسم عنصری کو آتی ہے، روح کو موت نہیں آتی بلکہ موت سے صرف اس کا تعلق جسم عنصری سے منقطع ہو جاتا ہے۔ اب اس کے بعد یہ سمجھو کہ لذات سے منتفع ہونے والا کون ہے؟ کیا آپ کے نزدیک یہ بدن ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ روح منتفع و متلذذ ہوتی ہے اور جسم اس کے لیے بمنزلہ آلہ و مرکب کے ہے اور یہ روح موت کے بعد بھی علیٰ حالہ باقی رہتا ہے بلکہ اب اس کی قوت پہلے سے زیادہ ہو جاتی ہے تو موت کے بعد وہ اس عالم کے لذات سے متلذذ ہوتی ہے اور اگر تم یہ سمجھو کہ میری حقیقت تو محض جسم کی ہے تو اس کی ایسی مثال ہوگی جیسے کوئی گدھا سوار ہو کر یوں سمجھے کہ میں گدھا ہوں۔ سو اس کا تو کوئی علاج نہیں......

بہر حال آپ کی حقیقت روح ہے اور اس پر موت نہیں آتی بلکہ وہ بجنسہ موت کے بعد اپنے حال میں رہتی ہے اور اب بجائے اس جسم کے جو موت کے بعد فناء اور شکست ہو جاتا ہے، روح کا مرکب وہ دوسرا جسم بنتا ہے جس کو جسم مثالی کہتے ہیں۔ اب روح اس جسم کے ذریعے سارے انتفاعات وتلذذات حاصل کرتی ہے اور یہ جسم مثالی وہ نسمہ ہے جس کو متکلمین اہل ظاہر روح کہتے ہیں یعنی موت کے وقت جو چیز جسم عنصری سے الگ ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے وہ نسمہ ہے اور یہ بھی مادی چیز ہے مگر اس کا مادہ لطیف ہے۔ اور اس کو اس جسم عنصری کے ساتھ ایسا حلولی تعلق ہے جیسا جسم تعلیمی کا تعلق جسم طبعی کے ساتھ حکماء نے بیان کیا ہے یعنی وہ نسمہ مقدار اور ہیئت وشکل میں بالکل جسم عنصری کے برابر ہے اور وجہ تشبیہ یہی ہے ورنہ جسم تعلیمی تو عرض ہے اور نسمہ جوہر اور یہ نسمہ اس وقت یعنی زندگی میں اس کے اندر سرایت کیے ہوئے ہے اور موت کے وقت وہ الگ ہو جاتا ہے یہی جسم مثالی ہے جو موت کے بعد روح حقیقی کا مرکب بنتا ہے اور یہ جسم مثالی گو مادی ہے مگر اس جسم سے زیادہ لطیف وقوی ہے ....

اور متکلمین نے جس چیز کو روح سمجھ کر مادی کہا ہے، وہ دراصل روح حقیقی نہیں بلکہ نسمہ ہے جو مرکب روح ہے۔ غرض یہ بات ثابت ہوئی کہ انسان میں جو اصل چیز ہے وہ حقیقت میں وہی انسان ہے۔ موت کے بعد وہ اپنے حال پر رہتا ہے۔ اس کی قوت و صفات میں کچھ کمی نہیں آتی بلکہ پہلے سے کچھ ترقی ہو جاتی ہے۔

اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ گو روح کو موت نہیں آتی مگر جسم سے تو تعلق منقطع ہو جاتا ہے تو جو انتفاعات روح سے تنہا نہیں ہو سکتے تو اب وہ نہ ہو سکیں گے۔ اس کا جواب بھی معلوم ہو گیا کہ موت کے بعد جسم مثالی مرکب بنتا ہے جو اس جسم عنصری سے لطیف اور قوی تر ہے وہ سب لذات سے منتفع ہوتا ہے۔ (ایضاً صفحات ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳)

"........حدیث میں وارد ہے کہ قبر میں اس طرح سے عذاب ہوگا یا ثواب ہوگا مثلاً عذاب کی ایک صورت یہ بھی ہوگی کہ زمین مل جائے گی اور صاحب قبر کو دبائے گی۔ اس پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جتنا فصل لاش اور قبر کی دیواروں میں مردہ کو رکھتے وقت ہوتا ہے وہی باقی رہتا ہے، لاش دبتی دباتی کچھ بھی نہیں، ویسی کی ویسی رکھی رہتی ہے۔ تو یہ صورت عذاب قبر کی جو حدیث میں آئی ہے ظاہر ہے کہ دنیا کے متعلق تو ہے نہیں کیونکہ مشاہدہ اس کی تکذیب کرتا ہے۔

یہ اشکال اس وجہ سے اور بھی قوی ہو گیا کہ لوگوں نے اس کو دنیا ہی کے متعلق سمجھ لیا ہے حالانکہ اگر دنیا کے متعلق ہوتا تو اس کے آثار کا نظر آنا بھی ضروری تھا اور آخرت کے متعلق سمجھا جائے تو اوّل تو آخرت میں وہ زمین نہیں جو لفظ زمین سے متبادر ہے۔ دوسرے یہ کہ آخرت میں اگر وہ پہنچ جائے تو پھر وہاں وہی ٹھکانے ہیں جنت یا دوزخ اور داخل ہونے کے بعد جنت سے تو کسی کا نکلنا ممکن نہیں اور دوزخ سے بھی سب کا نکلنا ممکن نہیں اور حشر ہوگا جنت اور دوزخ سے باہر تو معلوم ہوا کہ ابھی جنت یا دوزخ میں گیا ہی نہیں۔ پھر حدیث کے کیا معنی؟ تو اوّل نظر میں تو کسی کو یہی شبہ ہو سکتا ہے کہ جو ملاحدہ اور اہل سائنس کہتے ہیں وہی ٹھیک ہے، چنانچہ ملاحدہ اور بعض اہل سائنس جو ایمان لائے، ان کا بھی مذہب یہی رہا کہ یہ سب مثالیں ہیں اور تشبیہیں ہیں اور مطلب ان مثالوں کے دینے سے یہ ہے کہ ایسی حالت ہوتی ہے یعنی بعض مشابہ ان حالتوں کے ہوتی ہے۔ واقع میں یہ حالتیں پیش نہیں آتیں۔ تو اپنے نزدیک گویا یہ بہت بڑی دوڑ دوڑے۔ حاصل اس تقریر کا یہ ہوا کہ وہ لوگ محض روحانی عذاب وثواب کے قائل ہوئے اور جسمانی کے منکر ہو گئے۔

اسی طرح حدیث شریف میں جو ہے: (القبر روضة من رياض الجنة او حفرة من حفرات النار) یعنی قبر یا جنت کا ٹکڑا ہوتی ہے یا دوزخ کا گڑھا۔ تو وہ لوگ اس پر کہتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ قبر میں کہ یہاں نہ پھول ہیں جنت کے نہ آگ ہے دوزخ کی پھر اپنے ظاہری معنوں پر قبر دوزخ کا گڑھا یا جنت کا ٹکڑا کیونکر ہو سکتی ہے۔ غرض یہاں قبر کی جنت و دوزخ میں تو یہ اشکال ہے، رہی آخرت سو وہاں کی دوزخ و جنت میں وہ اشکال ہے جو میں نے پہلے عرض کیا۔

بہر حال یہ اشکال حل نہیں ہو سکتا جب تک تیسرے عالم کے قائل نہ ہوں۔ یعنی عالم برزخ کے جس کو عالم مثال بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ مشابہ اس عالم کے بھی ہے یعنی باعتبار آخرت ہے تو گویا کہ وہ دنیا ہے اور باعتبار دنیا کے گویا وہ آخرت ہے تو وہ ایسا عالم ہے جیسا کہ باغ کا پھاٹک کہ بنسبت اندرونی حصہ باغ کے، تو گویا وہ باغ نہیں ہے لیکن بہ نسبت خارج حصہ باغ کے گویا کہ وہ باغ ہے یا جیسے حوالات کہ بنسبت گھر کے تو وہ جیل خانہ ہے مگر بنسبت جیل خانہ کے پھر گھر ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے عالم مثال کو

دنیا کا بھی نمونہ بنایا ہے۔

تو جس وقت انسان مرتا ہے پہلے اس عالم مثال ہی میں جاتا ہے۔ وہاں ایک آسمان بھی ہے مشابہ دنیا کے آسمان کے اور ایک زمین بھی ہے مشابہ دنیا کی زمین کے اور ایک جسم بھی ہے مشابہ اس جسم کے لیکن وہ بھی جسم ہی ہے۔ تو مرنے کے بعد تو روح کے لیے ایک جسم مثال ہوگا اور آخرت میں جو جسم ہوگا وہ یہی ہوگا جو دنیا میں ہے۔

غرض یہ ایمان ہے ہمارا کہ حشر روحانی بھی ہے اور جسمانی بھی یعنی یہی جسم جو ہم اب لیے بیٹھے ہیں اور جو گل سڑ کر خاک ہو جائے گا اسی کو حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے پھر تازہ بنا کر محشور فرمائیں گے۔ لیکن وہاں اس جسم کی خاصیت بدل جائے گی یعنی اب تو یہ خاصیت ہے کہ جو ہم کھاتے پیتے ہیں، اس کا پیشاب پاخانہ بنتا ہے، بیماریاں پیدا ہوتی ہیں یہاں تک کہ ایک دن مر کر فنا ہو جاتا ہے وہاں گویا ابدی اور خالد ہو جائے گا۔

غرض ایک تو جسم یہاں ہے اور ایک جسم ہے عالم مثال میں اور وہ مشابہ ہے اس جسم کے یہ جسم بعینہٖ نہیں تو عالم مثال میں بدن بھی مثالی ہے، وہاں کی جنت بھی مثالی ہے، دوزخ بھی مثالی ہے۔ بس اس عالم مثال ہی کا نام قبر ہے۔ اب سب اشکال رفع ہو گئے۔ کیا معنی کہ قبر سے مراد یہ محسوس گڑھا نہیں ہے کیونکہ کسی کو بھیڑیا کھا گیا یا کوئی سمندر میں غرق ہو گیا تو اس صورت میں چونکہ وہ زمین میں دفن نہیں ہوا اس لیے اس کو چاہیے کہ قبر کا عذاب ہی نہ ہو۔ لیکن اب اشکال ہی نہ رہا کیونکہ وہ عالم مثال ہے وہیں اس کو عذاب قبر بھی ہو جائے گا۔ اشکال تو جب ہوتا جب قبر سے مراد یہ گڑھا ہوتا جس میں لاش دفن کی جاتی ہے حالانکہ اصطلاح شریعت میں قبر گڑھے کو کہتے ہی نہیں بلکہ عالم مثال کو کہتے ہیں۔ قبر اور وہاں پہنچنا کسی حال میں منتفی نہیں، خواہ مردہ دفن ہو یا نہ ہو۔ اور اس عالم مثال کے نہ جاننے ہی کی وجہ سے یہ بھی کہتے ہیں، عوام کی قبر ذرا بڑی رکھنی چاہیے تا کہ مردہ کو بیٹھنے میں تکلیف نہ ہو، تو معلوم ہوتا ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسی قبر کے اندر مردہ کو بٹھایا جاتا ہوگا۔ تو بس پھر کیا ہے اگر اپنے دشمن کو ستانا ہو تو اس کی قبر ذرا تنگ بنا دی جائے تا کہ مر کر بھی اسے چین نصیب نہ ہو کیونکہ بعض لوگ تو اپنے دشمن کے لیے تمنا کرتے ہیں کہ مر کر بھی مصیبت سے نہ بچے تو اچھا ہے۔ حضرت یہ جو وسیع قبر شریعت نے تجویز کی ہے، یہ اس بناء پر تھوڑا ہی کہ اس کے اندر مردہ کو بٹھایا جائے گا، جیسے آپ اس وقت بیٹھے ہیں، بلکہ یہ تو محض اکرام اور عزت ہے مؤمن کی کہ اس کو مر کر بھی بیکار نہ سمجھا گیا۔ مرنے کے بعد اس کے مرتبے کا لحاظ کیا اور ہر طرح اس کا اکرام کیا۔ یہ نہیں کہ وبال تھا ٹال دیا۔ بلکہ یہ حکم ہوا کہ اس کی اس وقت بھی خاطر تواضع کرو۔ قبر ایسی بناؤ کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو ویسی ہی جگہ اس کے لیے تجویز کرتے، کپڑا ایسا پہناؤ جیسا کہ وہ زندگی میں پہنتا۔ یعنی ویسی ہی صفائی ہو، خوشبو بھی لگاؤ، نہلاؤ دھلاؤ بھی، غرض بنا سنوار کر عزت کے ساتھ اس کو رخصت کرو اور واقعی جیسا مسلمانوں میں مردہ کا اکرام ہوتا ہے کسی قوم میں نہیں ہوتا اور عیسائیوں میں بھی بہت اکرام ہوتا ہے، کسی قوم میں غلو بہت زیادہ ہے یہاں تک کہ پیٹی بھی کستے ہیں، بوٹ بھی، پٹی بھی، غرض پوری وردی پہناتے ہیں۔ گویا وہاں جا کر بھی صاحب بہادر پہرہ ہی دیں گے۔

غرض عیسائیوں کے یہاں تو اکرام میں غلو ہے اور ہندوؤں کے یہاں بالکل بھی اکرام نہیں بلکہ اور الٹی بے حرمتی ہے۔ یہاں تک کہ بچارے کا سر بھی پھوڑتے ہیں۔ خیر وہ بے چارہ تو نہیں، ہے تو واقعی سر پھوڑے جانے کا مستحق۔ بہر حال اسلام میں اعتدال ہے تو وہ عالم عالم مثال ہے جہاں مرنے کے بعد انسان اوّل پہنچتا ہے اور وہ مشابہ کچھ اس عالم کے ہے اور کچھ مشابہ عالم آخرت کے ہے وہیں اس کو فرشتے بٹھلاتے ہیں، وہیں اس سے سوالات کرتے ہیں، وہیں کی زمین اس کو دباتی ہے وہیں اس کو عذاب وثواب ہوتا ہے وہ عالم یہی ہے جسے حدیثوں میں قبر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (ایضاً: صفحات ۶۵۷ تا ۶۶۰)

اور امداد المشتاق جس میں مندرجہ بالا ارشادات فرمانے والے انہی اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنے پیر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب کے ایک سے ایک نرالے ملفوظات اپنی وضاحت کے ساتھ بطور ”تحدیث نعمت“ بیان کیے ہیں، یہ قول بھی نقل کیا:

> ”فرمایا کہ عذاب وثواب اس جسم پر نہیں ہے بلکہ جسم مثالی پر کہ خواب میں نظر آتا ہے ہوگا و نیز روح اعظم انسانی پر کہ ایک تجلی حق ہے عذاب نہ ہوگا وہ مثل آفتاب کے ہے اور روح حیوانی مانند چراغ (حاشیہ) **قولہ عذاب وثواب اس جسم پر نہیں اقول** ورنہ اگر اس جسم کو درندہ کھا جائے یا وہ خاک ہو جاوے تو چاہیئے کہ عذاب ہی نہ ہو اور یہ باطل ہے۔ (امداد المشتاق مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، بلال گنج لاہور، صفحہ ۷۹)

سورہ نوح، تحریم اور یاسین کے حوالے سے قوم نوح کے غرق ہو کر جہنم رسید ہونے، نوح ولوط علیہما السلام کی ازواج کے جہنم میں جانے، صاحب یاسین کے جنت میں داخل کر دیے جانے، وغیرہ کا ذکر کر کے سید سلیمان ندوی صاحب فرماتے ہیں:

> ”**قبر کی اصطلاح:** سطور بالا میں عالم برزخ کے وہ مناظر دکھائے گئے ہیں جو قرآن کی آیتوں میں نظر آتے ہیں اور احادیث صحیحہ میں اس عالم کے حالات کی جو تفصیلیں مذکور ہیں، وہ عموماً قبر کی اصطلاح کے ساتھ بیان ہوئی ہیں، لیکن اس لفظ ”قبر“ سے در حقیقت مقصود وہ خاک کا تودہ نہیں جس کے نیچے کسی مردہ کی ہڈیاں پڑی رہتی ہیں، بلکہ وہ عالم ہے جس میں یہ مناظر پیش آتے ہیں، اور وہ ارواح ونفوس کی دنیا ہے، مادی عناصر کی نہیں۔ (سیرت النبی ﷺ: جلد ۴، صفحہ ۳۵۶)

ان سے بھی پہلے کے اکابرین اس موضوع پر خامہ فرسائی فرما چکے ہیں۔ مثلاً عبدالحق محدث دہلوی ان سب سے پہلے یہ لکھ گئے ہیں کہ:

> قبر سے مراد عالم برزخ ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان ایک واسطہ ہے اور اس کا تعلق ان دونوں مقاموں سے ہے اور قبر سے یہ (دنیاوی) گڑھا مراد نہیں جس میں مردے کو گاڑتے ہیں۔ (اشعۃ اللمعات: جلد اوّل، صفحہ ۶۲، ۱۱۴)

نیز

> اہل سنت وجماعت کے اعتقادات میں سے ایک عقیدہ عذاب قبر کا ہے اور یہاں قبر سے مراد برزخ کا جہان ہے جو دنیا کے جہان اور آخرت کے جہان کے درمیان واسطہ ہے۔ (تکمیل الایمان: صفحہ ۱۵)

شاہ محمد اسحاق دہلوی کے نزدیک:

> ”قبر سے مراد عالم برزخ ہے۔“
> (مظاہر حق شرح مشکوٰۃ، جلد ۱، صفحہ ۶۳)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے نزدیک:

> ”قبر سے مراد عالم برزخ ہے۔“
> (مالا بد منہ: صفحہ ۱۲)

منظور نعمانی کے نزدیک:

> ”قبر سے مراد عالم برزخ کا ٹھکانہ ہے۔“
> (معارف الحدیث: جلد ۲، صفحہ ۳۳)

مولوی ابراہیم دہلوی کے نزدیک:

> ”قبر اس گڑھے کا نام نہیں جہاں جسد خاکی مدفون کر کے خاک میں ڈالتے ہیں جہاں تک زندہ لوگوں کے ہاتھ پہنچ سکتے ہیں اس گڑھے کو برائے نام یا بطور مجاز قبر کہتے ہیں، حقیقی قبر یہ نہیں، حقیقی قبر عالم برزخ ہے۔ (کشف المغالطات: صفحہ ۱۵۹)

یہ آراء وخیالات صرف گزرے ہوئے لوگوں کے ہی نہیں ہیں بلکہ ان کی موجودہ نسل بھی یہی کچھ کہتی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے اپنے مفتی اعظم کے صاحبزادے ولی رازی اور مفتی رشید کے دار الافتاء والارشاد کی درج ذیل تحریریں:

''عذاب قبر سے مراد عالم برزخ کا عذاب ہے، چاہے کسی کو قبر میں دفنا دیا گیا ہو یا کسی درندے نے اس کو کھالیا ہو، یا جلا کر اس کی راکھ ہوا میں اڑا یا پانی میں بہادی گئی ہو۔''

(آپ کے مسائل اور ان کا حل، ہفت وار ضرب مؤمن، کراچی، شمارہ ۴۳، ۲۷ تا ۱۲ اکتوبر ۲۰۰۳ء)

''قبر اس گڑھے کا نام نہیں ہے جس میں مسلمان اپنے مردوں کو دفناتے ہیں۔ بلکہ عالم برزخ کا نام ہے۔ انسانی لاش زمین کی امانت ہے جو قبر کے گڑھے میں دبا کر اس کو لوٹا دی جاتی ہے۔ لیکن اس کی روح عالم برزخ میں جاتی ہے جہاں اس کے ساتھ اس کے عقائد و اعمال کے مطابق سلوک کیا جاتا ہے۔ قیامت کے دن ان کے اجسام کو ان کے ذرات کے ذریعے مرکب کر دیا جائے گا اور پھر صور پھونکنے کے بعد ان میں روحیں لوٹا دی جائیں گی۔

(کالم: روشن چہرے کے ازولی رازی، روزنامہ امت، کراچی، ۲۲ نومبر ۲۰۰۳ء)

''قبر اس گڑھے کا نام نہیں ہے، جس میں ہم اپنے پیاروں کو دفنا کر جاتے ہیں بلکہ وہ ایک الگ ہی عالم ہے۔ قبر کو آپ اس عالم میں داخل ہونے کا دروازہ کہہ لیجئے۔ انسان کا جسم اسی زمین سے پیدا ہوا ہے۔ زمین کی چیز ہے۔ لہٰذا آدمی کو قبر میں اتار کر زمین کی چیز زمین کو واپس کر دی جاتی ہے۔ روح زمین کی چیز نہیں۔ اس کا اصلی وطن عالم ملکوت ہے''۔ (ایضاً، ۲۱ جون، ۲۰۰۷ء)

''ہم لوگ قبر کا لفظ زمین کے اس گڑھے کیلئے استعمال کرتے ہیں، جس میں ہم اپنے مردوں کو دفن کرتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں قبر کا لفظ زندگی کے تیسرے مرحلے یعنی عالم برزخ کیلئے استعمال کیا گیا ہے۔ برزخ کے معنی پردے یا آڑ کے ہیں۔ چونکہ برزخ کی زندگی دنیا اور آخرت کی زندگی کے درمیان ایک آڑ ہے اس لئے اس کو برزخ کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں قبر کا لفظ پانچ آیات میں آیا ہے۔ اور سورہ تکاثر میں ''مقابر'' کا لفظ اختیار کیا گیا ہے۔ ان تمام آیات میں قبور اور مقابر سے عالم برزخ ہی مراد ہے۔ مثلاً سورۃ الحج میں ارشاد ہے: (ترجمہ) بیشک قیامت آنے والی ہے۔ اس میں ذرا شبہ نہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ قبر والوں کو دوبارہ پیدا کر دے گا۔ (سورۃ الحج آیت 7)

قیامت میں تو اللہ تعالیٰ سب ہی کو دوبارہ زندہ کر دیں گے خواہ وہ قبر میں دفنائے گئے ہوں، یا آگ میں جلائے گئے ہوں، جانوروں کو کھلا دیئے گئے ہوں یا پانی بہا دیئے گئے ہوں۔ جب انسان مرجاتا ہے تو وہ اس عالم سے منتقل ہو کر عالم برزخ میں پہنچ جاتا ہے۔ خواہ اس کو ابھی قبر میں نہ رکھا گیا ہو۔ یا آگ میں نہ جلایا گیا ہو۔ اس میں ایک خاص قسم کا شعور اور سمجھ ہوتی ہے۔ اور وہ یا تو عذاب میں مبتلا ہیں۔ یا راحت و آرام میں ہیں۔ اور کافر و مشرک کیلئے اس دنیا سے جانے کے بعد عالم برزخ میں، یا عالم آخرت میں کوئی آرام نہیں۔ اس کیلئے عذاب ہی عذاب ہے۔ (معاذ اللہ)''

(ایضاً، ۵ جولائی، ۲۰۰۷ء)

ایک مزید الزام

صفحہ ۱۲۷ پر قرآن کی چار آیات کے انکار کی سرخی لگا کر سورۃ الاعراف: ۲۵، طٰہٰ: ۵۵، نوح: ۱۸ اور المرسلٰت: ۲۶ نقل کی ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور مر کر مٹی میں مل جاتا ہے اور قیامت میں اسی مٹی سے نکال کر دوبارہ کھڑا کر دیا جائے گا۔ ان آیات سے مذکورہ ماقبل استدلال کر کے مُلّا تو نسوی ثابت کرتے ہیں کہ

''مردہ انسانوں کا ٹھکانہ قیامت تک زمین کا یہی خطہ ہے جس میں وہ دفن کیا جاتا ہے جس کو قبر کہا جاتا ہے'' (صفحہ ۱۲۹)

اور ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر ان آیات کے انکار کرنے کا الزام لگاتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب اس خطۂ زمین کو قبر نہیں کہتے جس میں مرنے کے بعد انسان کا ٹھکانہ بنتا ہے بلکہ آسمان وغیرہ ہے۔ اس موقعے پر ہم کچھ کہنے کے بجائے مُلّا تو نسوی اور ان کے حواریوں کی توجہ ان کے اپنے اکابرین کے مذکورہ صدر اقوال کی طرف مبذول کرائیں گے جن میں مردے کے قیام کے لیے اس دنیاوی قبر کے علاوہ کوئی اور ہی مقام بتایا گیا ہے۔ پڑھیے اور فیصلہ کیجیے کہ مَنِ الْكَذَّابُ الْاَكْبَرُ؟

قدرت سے متعلق آیات کثیرہ کے انکار کا الزام

مشرکین مکہ بعث بعد الموت کے انکاری تھے۔ ان کے انکار کی وجہ قدرت الٰہی پر عدم ایمان تھا کہ مر کر بوسیدہ ہو جانے والا چورا چورا انسان دوبارہ کیسے زندہ ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر قرآن میں اس بات کو بیان کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ جو انہیں پہلے پیدا کر سکتا ہے اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا کچھ مشکل نہیں۔ مُلّا تو نسوی کے بے لگام قلم نے ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس نکتے کہ ''جو مردہ جل کر خاک ہو گیا یا درندوں کی غذا بن گیا، اور انجام کار اس کو زمینی مدفن نہیں ملا تو پھر انہیں عذاب یا راحت کہاں پہنچے گا'' کو بنیاد بنا کر ڈاکٹر صاحب کو ان مشرکین کا مقلد قرار دے کر قدرت الٰہیہ سے متعلق آیات کثیرہ کے انکار کی تہمت عائد کی ہے۔ قرآن کے انکار کی تہمت تو برطرف مگر کسی پر تقلید کا الزام عائد کرنا کم از کم ان لوگوں کی نوکِ قلم پر نہیں جچتا جو خود مقلد ہوں، تقلید کو لازم اور فرض عین جانتے ہوں، تقلید نہ کرنے والوں کو گمراہ بلکہ ''حقانیت سے بے بہرہ اور دین کے راہزن'' قرار دے کر ان سے دور رہنے کا حکم کرتے ہوں جیسا کہ تھانوی صاحب نے اپنے پیر امداد اللہ مہاجر مکی کا قول نقل کیا (امداد المشتاق: صفحہ ۳۸)۔ مُلّا تو نسوی کے نزدیک جو جواب مشرکین کو ان کے اشکال کا تھا وہی ڈاکٹر صاحب کے سوال کا بھی ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ان خستہ و بوسیدہ ہڈیوں کو دوبارہ جیتا جاگتا انسان بنا دے گا، بالکل اسی طرح اس جلے ہوئے مردے کی راکھ کے ذرات اور درندوں کے کھائے ہوئے انسان کی ہڈیوں بوٹیوں کو (اگر باقی بچیں) عذاب یا راحت اپنی قدرت سے محسوس کرائے گا کیونکہ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ .... اس کے جواب میں ہمارے اس کہنے کو مُلّا تو نسوی نے ''پرلے درجے کی حماقت'' کہہ کر سرے سے رد کر دیا کہ قدرت اور چیز ہے قانون اور، اللہ تعالیٰ اس بات پر ضرور قادر ہے کہ جس مردے کے ذرات جہاں بھی ہوں وہیں اس کو عذاب یا راحت سے دوچار کر دے، مگر اس کا قانون یہ نہیں۔ ساتھ ہی مُلّا تو نسوی نے ایک چیلنج بھی دے دیا ہے کہ کوئی ایک ایسی آیت یا حدیث پیش کی جائے جس میں لفظ قبر زمینی مدفن کے بجائے مقامِ روح کے لیے استعمال ہوا ہو، اور اصرار کیا ہے کہ زمینی مدفن میں مردے کو ہی عذاب یا راحت دینا اللہ کی قدرت بھی اور قانون بھی!

مُلّا جی سے ہم مؤدبانہ عرض کرتے ہیں کہ قدرت اور قانون دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ اگر آپ مسلکی عناد اور میں نہ مانوں والی عینک اتار کر دیکھیں تو آپ کو بھی ان کا فرق نظر آجائے گا لیکن آپ تو یہ عینک ہرگز نہ اتارنا چاہیں گے کیونکہ یہ تو عمداً چڑھائی گئی ہے تاکہ ''پیٹ کا مفاد'' محفوظ رہے البتہ آپ کے مقلدین کے لیے آپ کے دامِ فریب سے نکلنے کا اچھا موقعہ ہے۔ اللہ کو قدرت حاصل ہے کہ بغیر ماں باپ کے کسی کو پیدا کر دے جیسے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے دکھایا، بغیر ماں کے حوا علیہا السلام کو اور بغیر باپ کے عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا لیکن قانون تو یہی ہے کہ مرد و عورت کے مخلوط نطفے سے ہی دوسرا انسان خلق ہوتا ہے۔ آج اگر کوئی کنواری کسی بچے کو جنم دے کر یہ دعویٰ کرے کہ اسے فرشتہ دے گیا تھا تو مُلّا تو نسوی اور ان کے حواری قدرت الٰہی پر ایمان لا کر اس کی

بات مان لیں گے یا قانون الٰہی کے مطابق اس پر حد لگائیں گے؟ ایسی بہت سی مثالیں ہیں جن سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ قدرت اور قانون میں فرق ہے (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایے ہمارے رسالے حبل اللہ کے شمارہ ۱۸ کا مضمون "اللہ کی قدرت اور اس کا قانون"، صفحہ ۳۷)۔

جہاں تک بات ہے چیلنج کی تو یہ بازاری و بچگانہ باتیں ہیں جو ایک عالم دین کو زیب نہیں دیتیں۔ ہمارے اسی کتابچے "عذاب برزخ" میں جس پر مُلّا توسوی اور ان کے حواری طعن و تشنیع کر رہے ہیں، یہ حدیث بڑی وضاحت سے لکھی ہوئی ہے، جسے مُلّا جی نے بھی اپنی کتاب کے صفحہ ۱۳۸ پر اپنے انداز میں بیان کیا ہے، کہ نبی ﷺ کا گزر ایک یہودی عورت کی میت پر سے ہوا جس پر اس کے رشتے دار رو رہے تھے: نبی ﷺ نے فرمایا:

اِنَّھُمْ لَیَبْکُوْنَ عَلَیْھَا وَاِنَّھَا لَتُعَذَّبُ فِیْ قَبْرِھَا

(بخاری: کتاب الجنائز، جلد ۱، صفحہ ۱۷۲)

"یہ لوگ اس (یہودیہ) پر رو رہے ہیں اور اس کو اس کی قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے"

یہودیوں کے رونے کا سبب اس عورت کا مرجانا تھا یعنی اس کی روح نکل چکی تھی اور جہاں اس کی روح گئی تھی نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق وہی اس کی قبر تھی اور وہیں اسے عذاب دیا جا رہا تھا اور وہ زمینی مدفن نہیں تھا کیونکہ وہ تو ابھی اسے ملا ہی نہ تھا، اس کی لاش غیر مدفون پڑی ہوئی تھی۔ یہ حدیث واضح کر دیتی ہے کہ عذاب و راحت کے ملنے کا مقام زمینی مدفن نہیں بلکہ عالم برزخ ہے جہاں روح ایک نئے جسم کے ساتھ قیامت تک رہتی ہے۔

مگر مُلّا توسوی کی ہٹ دھرمی اور قبر پرستی پر شدت ملاحظہ فرمایے کہ بخاری کی مذکورہ حدیث کے جو اس موضوع پر صاف و صریح اور واضح و کافی ہے، سات تردیدی جواب گھڑ کر اسی زمینی گڑھے کو ہی وہ قبر ثابت کرنے پر بضد ہیں جہاں عذاب و راحت کے مرحلے گزرتے ہیں اور جہاں فرشتے آکر مردے کو بٹھاتے، سوال و جواب کرتے ہیں۔ اور ہمارے معقول موقف کے بارے میں، جو کہ سراسر قرآن و حدیث پر مبنی ہے، یہ گل افشانی فرماتے ہیں کہ "باطل اور جھوٹ کا پلندا ہے"، "سراسر مغالطہ اور خالص دھوکہ ہے"۔ شاید مُلّا کو وہ "رہنما اصول" یاد آگئے جن کو سامنے رکھ کر انہوں نے اپنی یہ کتاب لکھی ہے۔ یہ "موتی" بکھیرتے وقت اپنے اکابرین کے وہ اقوال بھی ملاحظہ فرما لیتے جنہیں اوپر نقل کیا جا چکا ہے اور جن سے قرآن پر مبنی ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے۔

(۱) پہلے جواب میں انہوں نے وہی پرانا راگ الاپا ہے کہ چونکہ قبر سے مراد جسد کی قبر ہے تو اس حدیث میں بھی قبر سے مراد جسد کی قبر ہے۔ مُلّا جی کو اپنے جواب کے بودے پن کا احساس نہیں کہ جسد ابھی قبر میں گیا ہی نہیں تو پھر ایک غیر موجود چیز کیسے مراد لی جا سکتی ہے! قرآن و صحیح حدیث کو جھٹلا کر باطل کی تائید کرنا رب ذوالجلال کے عذاب سے بے خوف اور سرکش لوگوں والا انداز ہے۔

(۲) دوسرے جواب میں انہوں نے ابوداؤد کی ایک روایت پیش کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ نبی ﷺ ایک قبر پر گزرے تو فرمایا:

اِنَّ صَاحِبَ ھٰذَا لَیُعَذَّبُ وَ اَھْلُہٗ یَبْکُوْنَ عَلَیْہِ

(سنن ابی داؤد: کتاب الجنائز، باب النوحۃ)

"اس قبر والے کو عذاب دیا جا رہا ہے اور اس کے اہل اس پر رو رہے ہیں۔"

اس کو بنیاد بنا کر مُلّا جی نے دعویٰ کیا ہے کہ بخاری والی روایت میں بھی نبی ﷺ کا گزر یہودی عورت کی قبر پر ہوا تھا جو کہ اس مجمل روایت میں بیان نہیں ہوا اور ابوداؤد کی مفصل روایت میں کر دیا گیا۔ اور اس کے بعد ڈاکٹر صاحب پر الزام لگا دیا کہ

"کیپٹن صاحب ہمیشہ اپنے ہر استدلال میں دھوکہ اور فریب سے کام لیتے ہیں اور تلبیس و مغالطوں سے اپنی گاڑی چلاتے ہیں۔" (صفحہ ۱۴۱)

اللہ تعالیٰ مُلّا جی کو ہدایت دے! دھوکہ و فریب، تلبیس و مغالطہ آرائی خود کرتے ہیں اور الزام ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ پر تھوپ دیتے ہیں! بخاری کی روایت میں صاف لکھا ہے کہ یہودی عورت پر گزر ہوا اور یہاں ذکر ہے کہ یہودی آدمی کی قبر پر گزرے۔ اتنا بڑا فرق انہیں نظر نہیں آتا اور دونوں کو ایک ہی روایت قرار دے رہے ہیں! صرف لفظ "قبر" کے آنے سے ابوداؤد کی روایت مفصل ہوگئی! بخاری والی مذکورہ روایت امام مسلم، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، امام احمد اور امام مالک نے بھی بیان کی ہے بلکہ اس عنوان پر ہر محدث نے مجملاً نہیں بلکہ کثرت کے ساتھ مفسراً اور مفصلاً احادیث روایت کی ہیں اور اس بات کو واضح کیا ہے کہ نبی ﷺ کا گزر یہودی میت پر ہوا تھا۔ اس متفق علیہ روایت کو صرف ابوداؤد نے لفظ "قبر" کے اضافے سے بیان کیا ہے جس میں وہ منفرد ہیں اور کسی دوسرے محدث نے اس کو روایت نہیں کیا۔ ایک متفق علیہ واضح اور صریح روایت کو چھوڑ کر ایک منفرد روایت کو لینے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ دوسرے محدثین کے ساتھ امام مسلم نے بھی یہ روایت نقل کی ہے جس میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی صاف اور صریح وضاحت مروی ہے کہ:

اِنَّمَا مَرَّتْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ جَنَازَۃُ یَھُوْدِیٍّ وَّ ھُمْ یَبْکُوْنَ عَلَیْہِ فَقَالَ اَنْتُمْ تَبْکُوْنَ وَ اِنَّہٗ لَیُعَذَّبُ

(مسلم: کتاب الجنائز، باب المیت یعذب ببکاء اھلہ علیہ)

"حقیقت یہ ہے کہ ایک یہودی کا جنازہ نبی ﷺ کے سامنے سے گزرا اور لوگ اس پر رو رہے تھے تو نبی ﷺ نے فرمایا: تم اس پر رو رہے ہو اور اس پر عذاب ہو رہا ہے۔"

کہیے مُلّا جی! دھوکہ و فریب، تلبیس اور مغالطے سے کس نے کام لیا؟ ایک صحیح اور صریح روایت کو چھوڑ کر ایک شاذ روایت سے کیوں استدلال کیا؟ آپ کے الفاظ آپ پر ہی لوٹاتے ہیں: "چونکہ مُلّا جی کا مطلب اس شاذ روایت سے پورا ہوتا تھا اس لیے دھوکہ دینے کے لیے اس کو پیش کر دیا اور اس کی مخالف صحیح روایت کو چھپا دیا ورنہ ان کا من بھاتا مطلب کشید نہ ہوتا۔ یہ صرف یہاں ہی نہیں بلکہ مُلّا جی ہمیشہ اپنے استدلال میں دھوکہ اور فریب سے کام لیتے ہیں اور تلبیس و مغالطوں سے اپنی گاڑی چلاتے ہیں۔" یہ کوئی نیا معاملہ نہیں، پیشہ ور علما کا طرز عمل یہی ہوتا ہے: بنی اسرائیل کے اہل کتاب کو بھی حق کو چھپانے اور حق و باطل کی تلبیس سے منع کیا گیا۔ (البقرۃ: ۴۲)

نکتہ معترضہ

مُلّا جی کی علمی حیثیت کا تو ہمیں اندازہ ہو ہی گیا ہے تاہم ان کو اتنا تو معلوم ہی ہوگا کہ اصول حدیث کی رو سے شاذ روایت کسے کہتے ہیں۔ مگر یقین واثق ہے کہ بجائے اس پر دھیان دینے کہ وہ الٹا ہم ہی پر حملہ کریں گے اور داؤ لگائیں گے کہ ہمیں اصول حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ ان لوگوں کے وضع کردہ ہیں جو حیات الانبیاء، سماع موتیٰ وغیرہ جیسے عقائد کے حامل تھے جنہیں خلاف قرآن و حدیث کہہ کر ہم رد کرتے ہیں۔ یہ ہم اس بناء پر کہہ رہے ہیں کہ مُلّا جی نے یہ انداز اپنی کتاب

میں ہر اس جگہ اختیار کیا ہے جہاں انہوں نے اپنے ان عقائد و نظریات کا دفاع کیا ہے جن کی تائید میں پیش کی جانے والی روایات کو ہم نے اسماء الرجال کے فن کے تحت جرح و تعدیل کی بنیاد پر نا قابل قبول ثابت کیا ہے۔ دین کو پیشہ بنا کر اس کی حرام کمائی کو جائز ٹھہرانے والی روایات ہوں یا تعویذ گنڈے کے شرک کو ثواب بتانے والی روایات، نبی ﷺ کی قبر کی زیارت پر شفاعت نبوی لازم بتانے والی جھوٹی روایات ہوں یا نبی ﷺ کو تخلیق کائنات کا سبب بتانے والی موضوع روایات، وسیلے کے شرک کو جائز کرنے والی من گھڑت روایات ہوں یا قبر پرستی کے شرک کو فروغ دینے والی مخترعہ روایات، جہاں اور جس مقام پر مُلاّ جی کو اپنی پیش کردہ روایات کی صحت اس فن کے تحت متاثر ہوتی نظر آئی، وہیں انہوں نے اپنے اس حربے کو آزمایا اور یہ فنکاری کی ہے! ڈاکٹر عثمانی رحمہ اللہ نے مسلک پرستوں پر یہ بات پہلے ہی واضح کر دی تھی کہ

"جن جرح و تعدیل کی کتابوں کے حوالے پیش کیے گئے ہیں وہ ان "حضرات" کی اپنی کتابیں نہیں ہیں بلکہ انہوں نے سلف کی کتابوں کا، جو کمیاب اور طویل تھیں، صرف اختصار پیش کیا ہے اور بس؛ باقی جہاں وہ قُلْتُ (میں کہتا ہوں) کہہ کر عبارت لاتے ہیں، وہ سلف کی جرح کی شدت کو کم کرنے یا ختم کرنے اور اپنے عقیدے کی حفاظت ہی کے لیے ہوتی ہے!" (ایمان خالص: قسط دوم، صفحہ ۳۰)

اور ویسے بھی یہ فنون و اصول ہم صرف ان مسلک پرستوں کے باطل کو واضح کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں تاکہ انہیں بتائیں کہ دیکھو تمہارا باطل تو خود تمہارے ہی اصولوں پر پورا نہیں اترتا۔ اور ان اصولوں بلکہ تمام کتبہائے فنون، شروح و تفاسیر، قرآن و حدیث، جو انہی مسلک پرستوں کے ذریعے شائع ہوتے ہوئے ہم تک پہنچے ہیں، ان کو اگر ہم دینی امور میں ممد اور معاون سمجھ کر استعمال کرتے بھی ہیں تو نبی ﷺ کے اس فرمان کے تحت کہ:

إِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ

(بخاری: کتاب الجهاد والسير، باب إنّ اللّٰه يؤيّد هذا الدّين بالرّجل الفاجر)

"بیشک اللہ تعالیٰ فاجر آدمی کے ذریعے بھی اس دین کی مدد کرتا ہے۔"

انوکھا اصول

مُلاّ جی نے اسی مذکورہ فنکاری میں یہ ایک نیا اصول بھی وضع کیا جس کی بنیاد پر ہر باطل حق اور ہر غلط صحیح قرار دیا جا سکتا ہے۔ مُلاّ جی کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے:

علماء اسلام☆ کی پیش کردہ روایات صحیح اور مقبول ہیں

ہوا پرست لوگ خواہ مخواہ فرق بیان کرنے والی احادیث کو نا قابل قبول بتاتے ہیں ورنہ جن علماء اصول حدیث نے پہچان کے اصول وضع کیے ہیں منجملہ اصول یہ بھی ہے کہ جس حدیث کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہو جائے، جس حدیث سے کوئی فقہ استدلال کرے اور جو حدیث مختلف سندوں سے مروی ہو تو وہ حدیث مقبول کے درجہ میں شمار ہو جاتی ہے خواہ وہ سند کے لحاظ سے ضعیف بھی ہو......" (صفحہ ۱۴۷ وغیرہ)

مُلاّ موصوف نے اپنے اس اصول کا کوئی حوالہ نہیں دیا، بہرحال اپنے اس خود ساختہ اصول کے تحت انہوں نے اپنے کفریہ شرکیہ باطل عقائد و نظریات کے لیے پیش کی جانے والی ہر ضعیف، مردود و موضوع روایت کو مقبول بنا دیا ہے! مسلکی ہٹ دھرمی کی حد تو یہ ہے کہ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ والی روایت جس کو ان کے اپنے ہم مسلک مُلاّ علی قاری نے "موضوعات کبیر" یعنی بڑی گھڑی ہوئی روایات میں بیان کیا ہے، مُلاّ تونسوی نے اپنی کتاب (صفحہ ۲۰۴) میں اپنے اسی مذکورہ اصول کے تحت صحیح ثابت کر دی!

اصول حدیث پر ابن حجر کی نخبۃ الفکر، محمود الطحان کی مصطلح الحدیث، صبحی صالحی کی علوم الحدیث وغیرہ کئی کتابیں دیکھیں مگر مُلاّ تونسوی کا تلقی بالقبول والا انوکھا اصول کہیں نہیں مل سکا۔ اگر یہ اصول اسی طرح ہے، جس طرح مُلاّ تونسوی نے بیان کیا ہے تو پھر یاد رکھیے کوئی کفر پھر کفر نہ رہے گا، کوئی شرک شرک نہ رہے، کسی بدعت کی پھر کبھی نشاندہی نہیں کی جا سکے گی کہ ہر وہ جھوٹی اور من گھڑت روایت جو یہ مسلک پرست، خواہ شیعہ ہوں یا وہابی، بریلوی ہوں یا دیوبندی، یا کوئی اور، اپنے بدعی عقائد و اعمال کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں، ان کے نزدیک اس تلقی بالقبول کے اصول کے تحت مقبول ہوتی ہے۔ ان کے یہ خود ساختہ اصول و ضوابط ہی ان کے بطلان کو واضح کرتے ہیں اور انہی کے ذریعے ان کی صحت کو جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے۔

(۳) بخاری کی زیر نظر حدیث کے تیسرے جواب میں مُلاّ تونسوی فرماتے ہیں کہ اس میں فعل مضارع کا صیغہ لَيُعَذَّبُ استعمال ہوا اور چونکہ مضارع حال اور مستقبل دونوں کے معنی دیتا ہے، اس سے اگر زمانہ مستقبل مراد لیں تو اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اس عورت کو قبر میں عذاب دیا جائے گا؛ اور اس طرح ثابت ہوا کہ یہ عذاب زمینی مدفن میں ہی ہوگا جب بھی وہ عورت دفن کی جائے۔ بڑی حیرت اور افسوس کا مقام ہے کہ اتنی بڑی درسگاہ کا مہتمم جس کے نام کے شروع میں "علامہ" بھی لگا ہوا ہے، اتنی واجبی سی عربی بھی نہیں جانتا جتنی اس کے مبتدیوں کو بھی آتی ہے کہ مضارع پر لام داخل ہو تو یہ زمانہ حال سے خاص ہو جاتا ہے۔ مذکورہ حدیث میں صرف لَتُعَذَّبُ ہی مضارع کا صیغہ نہیں ہے بلکہ اسی جملے میں پہلے لَتَبْكُوْنَ بھی آیا ہے۔ اگر اس ترکیب میں بھی مضارع کو حال کے بجائے مستقبل میں لیں تو معنی ہوں گے کہ تم اس پر روؤ گے اور اس کو اس کی قبر میں عذاب دیا جائے گا۔ ایک ہی جملے میں ایک ہی قسم کے دو صیغوں میں سے کیا وجہ ہے کہ بغیر کسی قاعدے قرینے کے بعد والے کو مستقبل میں لیتے ہیں اور پہلے والے کو حال میں؟ یہ بے قاعدگی کس وجہ سے کی جا رہی ہے؟

ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

(۴) چوتھا جواب یہ دیا ہے کہ مرنے کے بعد دفن سے پہلے جو عذاب دیا جاتا ہے، "علمائے اہل سنت والجماعت تغلیباً اسے بھی عذاب قبر کہتے ہیں"۔ یہ تَغْلِيْبًا[1] کی اصطلاح بھی خوب ہے! اسے تو فی الحقیقت تَغَلُّبًا[2] ہونا چاہیے۔ اگر یہ "تغلیباً عذاب قبر"، قبل از دفن ہونے والے عذاب پر محمول کیا جاتا ہے تو پھر تو مُلاّ جی نے تسلیم کر ہی لیا

☆ مُلاّ تونسوی نے بیسیوں مقامات پر اپنے مسلکی مولویوں کے اقوال و مواقف کو پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "علمائے اسلام یہ فرماتے ہیں............" جس سے ان کی مراد دیوبندی علماء ہوتے ہیں۔ انہیں "علمائے اسلام" کے بجائے صاف صاف "علمائے دیوبند" لکھنا چاہیے کیونکہ ان نام نہاد علماء کو اسلام سے کیا واسطہ، یہ تو کسی اور ہی دین کے پیروکار ہیں جو کم از کم اسلام تو ہرگز نہیں ہے کیونکہ اسلام کا حرام ان کے یہاں حلال ہو جاتا ہے جیسے سود کہ اسلام میں تو یہ بدترین حرام ہے مگر دیوبندیوں کے یہاں بذریعہ حیلہ حلال ہے۔ حیلہ یوسف لدھیانوی صاحب نے یہ فراہم کیا کہ کسی غیر مسلم سے قرض لے کر استعمال کر لیا جائے اور سودی کمائی سے قرض واپس کر دیا جائے۔ (کالم "آپ کے مسائل اور ان کا حل"، روزنامہ جنگ، کراچی، مورخہ یکم مئی و ۲۴ جولائی ۱۹۹۲ء)

[1] دو ایسے لفظوں میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح اور غلبہ دینا کہ جن میں باہمی ربط پایا جاتا، جیسے أَبَوَان میں أَب کو أُمّ پر اور اَلْمَشْرِقَان میں مشرق کو مغرب پر (القاموس الوحید)

[2] غالب ہو جانا، زبردستی کر کے لے لینا، خیانت، غبن (لغات کشوری و جامع اللغات)

کہ یہودی عورت ابھی دفن نہیں ہوئی تھی اور زمینی مدفن کے باہر پڑی ہوئی تھی۔ اور جب زمینی قبر نہ ملنے کے باوجود عذاب ہورہا تھا تو مان لیا جائے کہ اس عذاب کا مقام عالم برزخ ہے جس میں ہر مردہ جاتا ہے خواہ زمینی مدفن ملے یا نہ ملے اور وہیں عذاب و راحت کے مرحلے گزرتے ہیں۔ مُلّا جی کی ان نادر اصطلاحات کے ساتھ ساتھ ''علمائے اہل سنت والجماعت'' بھی قابل توجہ ہے۔ مُلّا تونسوی نے اس بات کو سو سے زیادہ صفحات پر پھیلا دیا ہے کہ وہ اور ان کے دیوبندی اکابرین ہی اہل سنت والجماعت ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے سارے گروہ باطل ہیں اور ستم ظریفی یہ کہ اس سلسلے میں جتنی آیات واحادیث سے استدلال کیا ہے وہ سب کی سب ان کے اپنے خلاف جاتی ہیں کیونکہ ان کے عقائد ونظریات، اعمال وافعال، سب ان کے خلاف ہیں جس کی کچھ تفصیل کتاب اسلام یا مسلک پرستی اور رسالہ حبل اللہ نمبر ۲۱ کے مضمون یُخٰدِعُون میں بیان کی ہے۔ لطیفہ یہ ہے کہ مخالفین حق کی ایک نشانی حدیث کی رو سے انہوں نے سر منڈوانا بھی بیان کی ہے جو بکثرت انہی میں پائی جاتی ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے بطور لطیفہ ہم یہاں مُلّا جی کے وہ الفاظ نقل کرتے ہیں جو انہوں نے باطل فرقوں کی نشاندہی کے لیے ۵۹ روایات اور متعدد آیات کو اپنے من پسند معنی وتشریح کا جامہ پہنا کر لکھے ہیں تا کہ خوب اندازہ ہوجائے کہ یہ فرقہ ومسلک پرست کتنے اضل ومُضل اور اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ ہیں، ملاحظہ ہو:

> ''فقہی مذاہب اور اصلاحی مشارب، فقہ کے چار مذاہب اور صوفیاء کرام کے چار اصلاحی سلسلے قطعاً فرقے نہیں ہیں بلکہ چاروں آئمہ مجتہدین امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد رحمہ اللہ اور ان کے پیروکار ومقلدین اہل السنت والجماعت ہیں☆ان کا آپس کا فقہی فروعی اختلاف مذموم نہیں بلکہ محمود اور رحمت ہے ان کے اختلاف کی حقیقت وحیثیت صرف مختلف تعبیرات اور تشریحات کی ہے اسی طرح اصلاحی سلاسل، نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ بھی مختلف فرقے نہیں بلکہ یہ سب حضرات اہل سنت والجماعت ہیں'' (صفحہ ۷۷)

اور دعویٰ کرتے ہیں کہ

> ''معمولی اختلاف کے باوجود یہ سب ایک ہیں اور سب اہل حق اور اہل سنت ہیں''
> (صفحہ ۷۸)

قارئین! یہ مُلّا جی کی صریح مغالطہ آرائی ہے۔ اہل سنت والجماعت وہی گروہ ہے جس کے لیے نبی ﷺ نے فرمایا کہ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَ اَصْحَابِیْ: یہ وہ لوگ ہیں جو اس راہ پر ہیں جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ اور ان فرقہ پرستوں کے عقائد واعمال ہرگز وہ نہیں جس پر اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام ﷢ تھے۔ نبی ﷺ نے اپنی قبر کو عرش الٰہی سے افضل قرار نہیں دیا، نہ ہی کسی صحابی نے یہ عقیدہ رکھا مگر یہ مسلک پرست یہی عقیدہ رکھ کر خود کو اہل سنت والجماعت قرار دیتے ہیں! اپنے عقائد ونظریات کو مسنونہ عقائد قرار دے کر یہ لوگ نبی ﷺ پر جھوٹ باندھتے ہیں جبکہ فرمان رسول ﷺ ہے:

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

(ترمذی: کتاب العلم، وغیرہ)

''جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں ڈھونڈ لے''

ایسی بہت سی مثالیں کتاب اسلام یا مسلک پرستی میں بیان کی گئی ہیں۔ من شاء فلیرجع الیہ لطیفہ یہ کہ صوفیاء کو بھی مُلّا تونسوی اہل سنت اور اہل حق گردانتے ہیں حالانکہ تصوف تو سرے سے ہی خلاف شرع ہے (اہل تصوف تو ویسے بھی اپنے آپ کو شریعت کے مقابلے میں ''طریقت'' کا پابند سمجھتے ہیں) اور اس کا دینِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ نبی ﷺ نے حلول، وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود، صحو وسکر، کشف، کرامات، تصرفات، شطحیات، وغیرہ کے متعلق کبھی کوئی تعلیم نہیں دی جبکہ یہ چیزیں دینِ تصوف کی مبادیات ہیں؛ کبھی پاس انفاس اور نفی واثبات والا ذکر نہیں بتایا جو سانس روک کر چھوڑ کر گردن اِدھر اُدھر کرکے یا ہو کی پکاریں لگا کر کیا جاتا ہے؛ کبھی کوئی ایسی عبادت نہیں بتائی جو کنویں میں الٹا لٹک کر یا ایک پیر پر کھڑے ہوکر، خود کو زنجیروں میں جکڑ کر، جنگلوں بیابانوں میں بھوکا پیاسا رہ کر کی جائے.......... تفصیل کے لیے ایمان خالص قسط اول ملاحظہ فرمایے۔

فقہ اربعہ کے لیے بھی مُلّا تونسوی دعویٰ کرتے ہیں کہ

> ''معمولی اختلاف کے باوجود یہ سب ایک ہیں اور سب اہل حق اور اہل سنت ہیں''
> (صفحہ ۷۸)

حالانکہ ان میں معمولی اختلاف نہیں بلکہ جائز وناجائز اور حلال وحرام کا فرق ہے۔ ایک کے نزدیک خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جائے گا اور نماز نہیں ہوگی اور اسی طرح پڑھنے یا نہ دہرانے پر گناہگار ہوگا، جبکہ دوسرے کے نزدیک اس کی کوئی ضرورت نہیں؛ ایک کہتا ہے کہ روزے کی حالت میں مسواک جائز نہیں جبکہ دوسرا کہتا ہے کہ کوئی حرج نہیں...... ان اختلافات کی ایسی سینکڑوں مثالیں ہیں جو ان کی کتب فقہ میں مل جائیں گے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ صرف ایک لفظ قروء کو لیجیے جس کی تشریح میں ان کا اختلاف کتنے سنگین نتائج کا سبب بنتا ہے: قرآن میں ہے کہ

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (البقرۃ: ۲۲۸)

''طلاق والیاں خود کو (نکاح ثانی سے) تین قروء تک روکے رکھیں''

حنفی کہتے ہیں کہ اس سے مراد حیض ہے جبکہ شافعی اور مالکی اس سے طہر یعنی دو حیضوں کا درمیانی عرصہ مراد لیتے ہیں جس سے عدت کا دورانیہ حنفیوں کے حساب سے اور بڑھ جاتا ہے۔ اس سے درج ذیل سنگین نتائج مرتب ہوتے ہیں:

☆ یہ صرف چار کی قید کیوں لگائی گئی؟ پانچواں فقہ جعفریہ کیوں شامل نہیں کیا گیا؟ وہ تو آپ کے ''امام اعظم'' کے بھی استاد کی طرف منسوب ہے اور اگر صرف تعبیر میں اختلاف جسے آپ رحمت کہتے ہیں، کی بنیاد پر ایک الگ ''مذہب'' وجود میں آنا عین حق پرستی کی علامت رہے تو پھر ان فرقوں کی تعداد چار تک کیوں مقید کرلی؟ اس کی تو کوئی حد ہی نہ ہونی چاہیے! ''صرف تعبیری وتشریحی اختلاف'' کے جس دروازے سے یہ ''مذاہب'' دین اسلام میں داخل ہوئے، وہ دروازہ صرف چار کے بعد کیوں بند ہوگیا جبکہ ان کے ائمہ کے ادوار میں تو احادیث بھی اس طرح مدون نہ تھیں، کتنے ہی فنون واصول دستیاب نہ تھیں جس طرح آج ہیں۔ اور ان کا یہ دعویٰ کہ امت کا ان چار پر اجماع ہوگیا ہے، ہرگز لائق استناد نہیں کیونکہ پانچویں فقہ کے ماننے والے بھی ہر دور میں لاکھوں رہے ہیں۔ اور خود ان ائمہ کے اپنے شاگردوں نے اپنے اساتذہ سے بارہا اختلاف رائے کیا۔ یہ تو بعد میں ایسے کٹر مقلد پیدا ہوگئے جو اپنے ائمہ کے قول سے ہٹنا گویا حرام اور ممنوع سمجھتے ہیں۔ آج کا مفتی اور ماہر قانون بھی جب کہ اس کے سامنے احادیث کے تمام مجموعے اور رجال کی تمام کتابیں موجود ہیں، اپنے امام کے قول سے چمٹنے پر مصر ہے جبکہ خود ان امام صاحب کا کہنا تھا کہ میرے قول کے خلاف کوئی حدیث ملے تو حدیث پر عمل کرنا، میرے قول کو دیوار پر مار دینا۔ مگر حیف اس اندھے مقلد پر کہ یہ امام کے قول پر اڑا رہتا ہے اور فرمان رسول ﷺ اس کے نزدیک قابل عمل نہیں!

فقہ حنفی	فقہ مالکی وشافعی
۱۔ تین حیض کے بعد عورت نکاح ثانی کر سکتی ہے	نہیں کر سکتی، اگر کرے گی تو نکاح ناجائز ہوگا، خالص بدکاری ہوگی، رجم کی حد لازم آئے گی
۲۔ اس نکاح سے ہونے والی اولاد جائز تصور ہوگی، اسے وراثت میں حصہ ملے گا	ناجائز وحرام تصور ہوگی جسے وراثت میں کوئی حصہ نہیں ملے گا
۳۔ ایسی عورت کی عدت گزرنے کے بعد اس کی بہن سے نکاح ہو سکتا ہے	نہیں ہو سکتا اگر کرے گا تو وہی نمبر ۱ اور ۲ والے نتائج مرتب ہوں گے
۴۔ ایسی عورت کے علاوہ اگر تین بیویاں اور ہوں تو اب اس عدت گزرنے پر چوتھی بیوی کی جا سکتی ہے	نہیں کی جا سکتی اگر کرے گا تو وہی اوپر والے نتائج مرتب ہوں گے
۵۔ عدت پوری ہونے پر مطلقہ سے رجوع کی گنجائش باقی نہیں رہی	رجعت ہو سکتی ہے کیونکہ ابھی عدت باقی ہے
۶۔ مطلقہ کے شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہوگا کہ اب رجوع کی گنجائش بھی نہیں رہی	واجب ہوگا کیونکہ ابھی عدت پوری نہیں ہوئی

یہاں اگر ہدایہ، عالمگیری، شامی، قدوری، درمختار، ردالمختار جیسی کتب فقہ کی وہ عبارتیں نقل کی جائیں جن کا قرآن وحدیث سے دور کا بھی واسطہ نہیں تو بلاشبہ کئی جلدیں تیار ہو جائیں مگر پھر بھی ان مسلک پرستوں کا اصرار ہے کہ یہ سب ”اہل سنت واہل حق“ ہیں۔

فرقہ بندی جس سے قرآن میں واضح طور پر منع کیا گیا ہے (آل عمران:۱۰۳) اور جسے شرک کہا ہے (الروم:۳۲) اور جس کے کرنے والوں سے نبی ﷺ کو لاتعلق رہنے کا حکم دیا گیا ہے (الانعام:۱۵۹)، اسی وقت وجود میں آتی ہے جب اصل سے فرق کیا جائے۔ اصلِ دین (قرآن وحدیث) پر قائم رہنے والے ہی ایک جماعت ہوتے ہیں جو کہ یہ مسلک پرست ہرگز نہیں ہیں خواہ وہ اس کے لاکھ دعوے کریں کیونکہ ان کا عقیدہ و عمل خود ان کے دعوے کو باطل ٹھہراتا ہے۔ قرآن وحدیث سے فرق کر کے یہ لوگ ایک علیٰحدہ فرقہ بن گئے ہیں جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں خواہ کیسے ہی خوشنما نام رکھ رکھ کر سامنے آئیں۔ ان کا اپنے فرقے ومسلک سے وابستگی ظاہر کرنے والا خود اختیاری شناختی نام بھی قرآن میں مذکور اللہ کے پسندیدہ نام سے مختلف ہے۔

(۵) پانچواں جواب یہ دیا ہے کہ نبی ﷺ کا گزر ایک مردہ جسد پر سے ہی ہوا تھا جس پر اس کے اہل رو رہے تھے اور اسی جسد کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس کو عذاب ہو رہا ہے اور دنیاوی جسد کو عذاب دیا جانا ڈاکٹر صاحب کے موقف کے خلاف ہے کیونکہ وہ تو گل سڑ جاتا ہے، جل کر راکھ ہو جاتا ہے، اسے درندے کھا جاتے ہیں تو اسے عذاب کیسے؟...... قارئین اس پر ہم کچھ عرض کرنے کے بجائے مُلّا تونسوی صاحب سے گزارش کریں گے کہ آپ کو جب بھی اس عنوان پر کوئی اشکال ہو تو ہماری کسی بات پر چیں بجبیں ہو کر کوئی گل افشانی کرنے کے بجائے، آپ اپنے اکابرین کے مذکور ماقبل ارشادات بغور پڑھ لیا کریں جن میں واضح طور سے بتایا گیا ہے کہ عذاب وراحت اس ناپائیدار دنیاوی جسدِ بے روح کو نہیں بلکہ روح اور ایک دوسرے جسم کے مجموعے کو دیا جاتا ہے۔

اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ نبی ﷺ کا گزر اسی دنیاوی جسدِ بے روح پر ہوا تھا نہ کہ عالم برزخ کے کسی جسم پر، تو عرض ہے کہ برزخ تو زندوں اور مُردوں کے درمیان ایک ناقابل عبور آڑ ہے جو قیامت تک باقی رہے گی (المومنون:۱۰۰) لہٰذا اس رکاوٹ کو عبور کر کے برزخی جسم تک نہیں جا سکتے تھے۔ غزوۂ احد میں ستر صحابہ شہید اور اتنے ہی زخمی ہو گئے تھے۔ مجروحین کی بڑی تعداد کی وجہ سے شہداء کی تدفین کے لیے ہر ایک کی علیٰحدہ علیٰحدہ قبر نہیں کھودی گئی بلکہ ایک ایک قبر میں دو دو شہیدوں کو دفنایا گیا۔ عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ اپنے داماد کے ساتھ دفنائے گئے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو یہ گوارا نہ ہوا کہ ان کے باپ کسی اور کے ساتھ دفنائے جائیں لہٰذا چھ مہینے بعد ان کی قبر کھود کر دوسری قبر میں منتقل کر دیا جبکہ ان کا جسم بالکل سلامت تھا سوائے کان کی لو کے۔

(بخاری: کتاب الجنائز، باب هل یخرج المیت من القبر واللحد لعلة)

اگر یہی مدفون جسم عذاب یا راحت پانے والا جسم ہو تو پھر اس حدیث کی تغلیط ہوگی جس میں فرمان نبوی بتایا گیا ہے کہ شہدائے احد کی روحیں اڑنے والے سبز جسموں میں ڈال دی گئیں جو عرش سے معلق قندیلوں میں قیام پذیر ہو گئے اور جنت کی نہروں پر آنا شروع کر دیا (مسلم/ابوداؤد) جبکہ اولین شہدائے احد کا حال اوپر بتا دیا گیا۔ اور اگر یہی دنیاوی قبر عالم برزخ ہو تو پھر جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما اپنے شہید والد کی قبر کھود کر وہاں سے ان کی لاش نکال نہیں سکتے تھے ورنہ پھر سورۃ المومنون کی مذکورہ بالا آیت کی نفی ہو جائے گی۔ چونکہ اس لاش کی منتقلی بخاری کی صحیح وصریح حدیث سے ثابت ہے اس لیے ثابت ہوا کہ یہ زمینی مدفن عالم برزخ نہیں اور نہ ہی وہ مقام جہاں قیامت تک عذاب وراحت کے مرحلے گزرتے ہیں۔

(۶) چھٹا جواب انہوں نے یہ دیا ہے کہ جس چیز کا واقع ہونا یقینی ہوتا ہے تو اسے وقوع سے ہی تعبیر کرتے ہیں خواہ حقیقت میں واقع نہ ہوا ہو اور اس کے لیے استدلال کیا ہے سورۃ القمر کی پہلی آیت سے کہ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ : یعنی قیامت نزدیک آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا۔ چونکہ قیامت کا آنا بالکل یقینی ہے اس لیے فرمایا کہ چاند ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا حالانکہ وہ تو قیامت میں ہی ہوگا۔ اس طرح یہودیہ کے عذاب قبر میں مبتلا ہو جانے کے یقین کی بناء پر فرمایا کہ اس کو عذاب ہو رہا ہے۔

قارئین! یہ بھی سراسر مغالطہ آرائی ہے۔ جس چیز کا مستقبل میں واقع ہونا یقینی ہوتا ہے تو اسے بتانے کے لیے قرآن میں ماضی کا صیغہ استعمال ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ القمر کی اسی محولہ آیت میں ہوا ہے☆ جبکہ یہودیہ کے عذاب میں مبتلا ہونے کی خبر مضارع اور وہ بھی زمانہ حال سے مخصوص صیغے میں دی گئی ہے جو مُلّا تونسوی کے استدلال کو رد کرنے کے لیے کافی ہے۔

(۷) اس آخری جواب میں بھی وہی پرانا راگ الاپا گیا ہے کہ خیر القرون اور پوری اسلامی تاریخ میں کسی ”سچے عالم دین“ نے بیان نہیں کیا کہ اس حدیث میں قبر سے مراد روح کی قبر ہے اور چونکہ آج تک کسی مسلمان نے حدیث کا یہ مطلب نہیں بیان کیا اس لیے یہ باطل ہے اور بدعت کی تعریف بھی اس پر صادق آتی ہے......... کیا مُلّا موصوف کی نظر میں ان کے اکابرین ”سچے عالم دین“ نہیں؟ تو پھر کاہے کو ان کے لیے بار بار ”علماء حق، علماء حق“ کا راگ الاپتے رہتے ہیں؟ یہاں ہم پھر مُلّا جی سے درخواست کریں گے کہ وہ اپنے اکابرین کے گزشتہ نقل کردہ ارشادات پر پھر ایک نظر ڈال لیں بلکہ

☆ قرآن ایسی مثالوں سے بھرا پڑا ہے جن کو بیان کرنا طوالت کا سبب بنے گا جس سے ہم حتی المقدور بچنا چاہتے ہیں۔ یہ معروف آیت تو آپ کے علم میں ضرور ہی ہوگی:
قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (المؤمنون:۱) ”بیشک مومن کامیاب ہو گئے“

وقتاً فوقتاً ڈالتے رہا کریں (جب بھی شیطان آپ کے دل میں وسوسہ ڈالے)، آپ کو اس کا جواب مل جائے گا کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ آپ کے نزدیک "سچا عالم دین" وہی ہے جو آپ کے جیسے عقائد ونظریات کا حامل ہو، اور یاد رکھیے! اکابرین کی کسی بات سے سرتابی، مسلک واکابر پرستوں کے لیے ناممکن ہوا کرتی ہے۔

دوموتوں دوزندگیوں والی آیات کا انکار

مُلاّ جی نے ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ پر ایک الزام یہ بھی لگایا ہے کہ وہ سورۃ البقرۃ کی آیت: كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ ......الخ (آیت ۲۸) اور سورۃ المؤمن کی آیت:
اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ ......الخ (آیت ۱۱) سے ثابتہ دوزندگیوں اور دوموتوں کے عقیدے کے خلاف تین زندگیوں اور تین موتوں کا عقیدہ رکھتے تھے، اور ثبوت میں ڈاکٹر صاحب کے کتابچے "عذاب برزخ" کے صفحات ۲، ۶ اور ۹ سے استدلال کیا ہے جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ عالم برزخ میں روح کو ایک جسم دیا جاتا ہے جو وہاں کے عذاب وراحت کو محسوس کرتا ہے۔ مُلاّ جی نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ دوسری زندگی ہے اور اس برزخی جسم سے روح نکال کر دنیاوی جسم کی طرف لوٹانا اس برزخی جسم کی موت اور دنیاوی جسم کی تیسری زندگی ہے۔ یہ خامہ فرسائی موصوف نے اپنے قبوری زندگی کے عقیدے کا دفاع کرتے ہوئے فرمائی ہے جس کے لیے "نوع من الحیات" کی اصطلاح اختراع کی گئی ہے۔ لکھتے ہیں:

> "ہمارے علماء اہل سنت والجماعت اس شبہے اور وسوسے کا جواب دے چکے ہیں کہ قبر کی زندگی کوئی مستقل حیات نہیں ہے بلکہ وہ نوع من الحیات ہے۔" (صفحہ ۱۳۶)

بتایا جائے کہ یہ اصطلاح قرآن کی کس آیت اور نبی ﷺ کی کس حدیث میں بیان ہوئی ہے؟ جب ہم آیات واحادیث سے اخذ کر کے عالم برزخ کے عذاب وراحت کو محسوس کرنے کے لیے مردے کو ایک "برزخی جسم" دیے جانے کی بات کرتے ہیں تو آپ طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کر کے اسی طرح جواب مانگتے ہیں۔ اب آپ جواب دیجیے۔ جو آپ کا جواب "نوع من الحیات" کا وہی ہمارا جواب "برزخی جسم" کا! اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آپ کے علماء اس کا جواب دے چکے ہیں تو عرض ہے کہ ان کی تحریروں میں بھی ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے۔ ثبوت کے لیے پہلے بیان کردہ اپنے اکابرین کے اقوال پر پھر ایک نظر ڈال لیں جن میں صاف وضاحت ہے کہ عالم برزخ میں روح کو ایک دوسرا جسم دیا جاتا ہے۔ کتاب اسلام یا مسلک پرستی میں حیات النبی ﷺ سے متعلق آب حیات، جمال قاسمی، عقائد علمائے دیوبند وغیرہ کی عبارات نقل کی جا چکی ہیں جن میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ کی قبری زندگی دائمی و مستقل ہے۔ وہیں ہم نے "اعلیٰ حضرت" جن کے ماننے والے انہیں "امام اہل سنت" کہہ کر اپنی عبادت گاہوں سے بکثرت سلام پیش کرتے رہتے ہیں، ان کے ملفوظات سے یہ اقتباس بھی نقل کیا تھا کہ نبی ﷺ کی قبری زندگی "حقیقی، حسی، دنیاوی ہے"۔

سورۃ البقرۃ اور سورۃ المؤمن کی زیر نظر آیات میں دوموتوں اور دوزندگیوں کی بات کی گئی ہے۔ موصوف کو کیا اتنی بھی سمجھ نہیں کہ زندگی اور موت کا تعلق اور ان کا شمار دنیاوی جسم کے حوالے سے ہے۔ اور یہ بات ان آیات کے علاوہ سورۃ المؤمنون کی آیات ۱۲ تا ۱۶ سے بھی صراحتاً واضح ہے جن میں اس جسم انسانی کی تخلیق اور موت کا بیان ہے۔ یہ جسم جب نہیں تھا تو اس کی عدم موجودگی کے عرصے کو موت قرار دیا گیا اور جب یہ وجود میں آیا تو اسے پہلی زندگی ملی، پھر جب دوبارہ یہ معدوم ہو جائے گا تو اس کو دوسری موت آجائے گی اور نفخ صور پر اس جسم کو دوسری زندگی مل جائے گی اور وہ زندہ ہو کر کھڑا ہو جائے گا۔ سورۃ البقرۃ اور سورۃ المؤمن کی محولہ بالا آیات میں یہی بات بیان کی گئی ہے اور اسی تناظر میں وفات النبی ﷺ کے موقعے پر عمر رضی اللہ عنہ کا یہ دعویٰ سن کر کہ اللہ کی قسم نبی ﷺ کی وفات نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو پھر ضرور زندہ کرے گا اور آپ ﷺ (منافق) لوگوں کے (جو خوشیاں منا رہے تھے) ہاتھ اور پیر ضرور کاٹ ڈالیں گے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے:

> فَكَشَفَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَبَّلَهٗ فَقَالَ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ طِبْتَ حَيًّا وَّ مَيِّتًا وَّالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُذِيْقُكَ اللّٰهُ الْمَوْتَتَيْنِ اَبَدًا ......(بخاری : کتاب المناقب/ کتاب المغازی)

نبی ﷺ سے چادر ہٹائی اور آپ ﷺ کے چہرے کو بوسہ دیا اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، زندگی اور موت دونوں میں آپ ﷺ پاکیزہ رہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اللہ آپ ﷺ کو دوموتوں کا مزہ نہ چکھائے گا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ ایک موت جو آپ کے لیے مقدر تھی، وہ آچکی اب دوسری موت کا آپ ﷺ مزہ نہ چکھیں گے، یعنی آپ ﷺ قبر میں زندہ کیے جائیں اور قیامت کے دن پھر موت آئے، یہ اب نہ ہوگا؛ اور یہ کہ نبی ﷺ اس دنیا میں پھر زندہ ہو جائیں گے اس کا مکمل رد ہو گیا ورنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے یہ کہنا کیا مشکل تھا کہ اے عمر! اس طرح بیقرار نہ ہو، تھوڑی دیر کی تو بات ہے، چند گھنٹوں کے بعد قبر میں دفن ہوتے ہی نبی ﷺ پھر زندہ ہو جائیں گے......!

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا موت وحیات دنیاوی جسم کے ساتھ مخصوص ہیں، اس میں روح ہے تو زندگی ہے، روح نہیں ہے تو موت ہے۔ اور روح کے اسی وجود وعدم کے لحاظ سے دو زندگیاں اور دو موتیں ہیں جس کا اقرار اہل جہنم بھی مذکورہ بالا آیات کے مطابق کریں گے۔ عالم برزخ دنیا اور آخرت کے درمیان کا ایک عبوری دور ہے، دائمی اور مستقل نہیں۔ یہاں دیا جانے والا عذاب یا راحت بھی دائمی اور مستقل نہیں بلکہ وقتی اور عارضی ہے۔ اس لیے اس عبوری دور میں روح کو عذاب وراحت محسوس کرانے کے لیے عارضی اور عبوری جسم ہی دیا گیا جو اس دور کے اختتام کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گا۔ شدید اور دائمی عذاب وراحت کا معاملہ بہرحال دنیاوی جسم کے ساتھ ہی ہوگا مگر آخرت میں عالم برزخ کے اختتام پر۔ اس لیے برزخی حیات کا نظریہ کوئی تیسری حیات نہیں دیتا جبکہ دفن کے بعد دنیاوی جسم میں روح لوٹانے کا عقیدہ جو کہ تمام مسلک پرستوں نے اپنایا ہوا ہے، اس جسم کو تیسری زندگی کا نظریہ فراہم کرتا ہے جو کہ سراسر خلاف قرآن وحدیث ہے۔

آیات واحادیث کا غلط مطلب بیان کرنے کی تہمت

آیات واحادیث میں تحریف کرنے کی تہمت کے بعد مُلاّ تونسوی نے یہ الزام بھی لگایا ہے کہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ آیات واحادیث کا غلط مطلب بیان کیا کرتے تھے۔ دراصل جن آیات واحادیث کو دین کے ان بیوپاریوں نے اپنے باطل استدلال کی خراد پر چڑھایا ہوا ہے، ان کا صحیح مطلب بیان کرنے پر ان لوگوں کا یہی انداز ہوا کرتا ہے کہ اپنے باطل سے رجوع کے بجائے اس پر ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور الٹا انہی لوگوں کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں جو حق بیان کرتے ہیں۔ لطیفہ یہ ہے کہ یہ فرقہ ومسلک پرست اپنے ہر باطل عقیدے ونظریے کو ثابت کرنے کے لیے فوراً اجماع امت کا دعویٰ کر دیتے ہیں اور اس مزعومہ اجماع کی مخالفت کرنے والوں کو گمراہ قرار دیتے

ہیں۔ حیرت ہوتی تھی کہ ایک دوسرے کے بالکل متضاد عقائد واعمال پر امت کیسے یکساں طور پر اجماع کر سکتی ہے جبکہ یہ لوگ حدیث بھی بیان کرتے ہیں کہ یہ امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہو سکتی (مسند احمد[مسند القبائل]حدیث نمبر ۲۵۹۶۶) کیونکہ مقلدین تقلید پر امت کے اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں اور غیر مقلدین اس کے ناجائز ہونے پر! مقلدین بیس رکعات تراویح پر اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں اور غیر مقلدین صرف آٹھ رکعات پر! اسی طرح مُلّا تونسوی نے بھی اپنے باطل عقائد ونظریات پر اجماع امت کا دعویٰ کیا ہے۔ سوچ بچار کے بعد یہ عقدہ کھلا کہ ''اجماع امت'' سے ان کی مراد خود اپنی دیوبندی یا بریلوی امت کا اجماع ہوتا ہے جو کہ اپنے اپنے مخصوص عقائد ونظریات پر باآسانی منعقد ہو جاتا ہے ورنہ اس دور میں جب آج کی طرح اطلاعات ونشریات ومواصلات کے وسائل موجود نہ تھے کروڑوں انسانوں کے کسی معاملے پر اتفاق یا اختلاف کا ایک دوسرے کے علم میں آنا ایک ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل امر ضرور تھا۔ کسی محدود علاقے یا مخصوص موقعے پر موجود افراد کا کسی امر پر متفق ہونا صرف انہی کا اجماع کہلائے گا نہ کہ ساری امت کا جیسے وفات النبی ﷺ کے موقع پر مدینے میں صحابہ کی ایک بہت بڑی تعداد جمع تھی اور وفات النبی ﷺ کے ثبوت میں قرآنی آیات کی روشنی میں کی جانے والی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقریر سے کسی نے اختلاف نہیں کیا یہاں تک کہ عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اس کا یقین آ گیا جو پہلے اپنی سمجھ کے مطابق اختلاف کر رہے تھے اور سارے صحابہ وہی آیات تلاوت کرنے لگے جن سے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وفات النبی ﷺ کو ثابت کیا تھا۔ اور اس کے بعد بھی کسی صحابی نے اس امر جامع سے اختلاف نہیں کیا لہٰذا اس پر صحابہ کا اجماع سمجھا جائے گا۔ چونکہ مسلک پرستوں میں اپنے اکابرین کی زبان وقلم سے نکلے ہوئے الفاظ سے اختلاف کا مادّہ ہی نہیں ہوتا خواہ ان کے خلاف شرع اور باطل ہونے کے دل سے گواہ ہوں (ورنہ پھر اکابر پرستی اور مسلک پرستی ختم ہی نہ ہو جائے!) اس لیے ان کے اس طرح چپ رہنے کو ہی ''اجماع'' قرار دے دیا جاتا ہے! ظاہر ہے کہ ایسے خود ساختہ مزعومہ کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی اور ان کو ہرگز ''اجماع امت'' نہیں قرار دیا جا سکتا۔

ڈاکٹر رحمہ اللہ کے لیے مُلّا تونسوی نے یہ موتی بکھیرے ہیں:

''کیپٹن صاحب قرآن مجید کا منکر تھا اور اس کا قرآن مجید پر ایمان ثابت ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ صرف مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے قرآن کو برائے نام استعمال کرتا تھا۔ درحقیقت اس کا مقصد سادہ لوح مسلمانوں کو قرآن کی تعلیمات سے منحرف کرنا تھا.....'' (صفحہ ۱۵۰)

اور ساتھ ہی یہ ''گل افشانی'' بھی فرمائی ہے کہ

''یہ شخص آیات قرآنیہ کا غلط مطلب بیان کرتا تھا اور من بھاتا معنی کر کے گمراہی کی گاڑی چلاتا تھا'' (ایضاً)

قارئین! مُلّا تونسوی کی پوری کتاب پڑھ کر دیکھ لیجیے، بلکہ ان کے اکابرین کا پورا لٹریچر دیکھ جائیے، یہ لوگ خود ہی ان اوصاف کے مالک نظر آئیں گے۔ مُلّا تونسوی نے جس فنکاری و چابکدستی سے قبر نبوی کو عرش وکرسی اور کعبۃ اللہ سے افضل قرار دینے کے کفریہ عقیدے کا دفاع کیا ہے، تعویذ گنڈے اور وسیلے کے شرک کو ثواب ثابت کیا ہے، دینی خدمات پر معاوضہ لینے کی حرمت کو حلت میں بدل دیا ہے، ایصال ثواب کو جائز کر کے جس طرح اپنے کھانے پینے کے سلسلے کو بند ہونے سے بچانے کی سعی کی ہے؛ اور ان کے ''حکیم الامت'' نے جس ''عالمانہ'' انداز میں قُلْ يٰعِبَادِيَ ...... الخ کی ضمیر کو نبی ﷺ کی طرف پھیر کر اللہ کے بندوں کو نبی کا بندہ ثابت کیا ہے (امداد المشتاق: صفحہ ۹۳)، تو یہ چند مثالیں یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ خط کشیدہ درج بالا ''کارنامے'' کس کے ہیں۔

مذکورہ صدر الزامات کے تحت مُلّا تونسوی نے اپنے زعم میں کچھ مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ پہلی مثال سورۃ البقرۃ کی اس آیت کی پیش کی ہے: وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا جس میں اللہ کی آیات بیچنے سے منع کیا گیا ہے۔ مُلّا تونسوی نے اسے اپنے ہم مسلکوں کی طرح یہود سے مخصوص کر کے یہ الزام عائد کیا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس کا غلط مطلب بیان کیا ہے کہ دینی امور پر اجرت کو ناجائز ٹھہرا دیا کیونکہ یہ اجرت تو بالکل جائز ہے بلکہ دین کو باقی رکھنے کی ضرورت ہے، اگر یہ اجرت نہ لی گئی تو دین ہی باقی نہ بچے گا لہٰذا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا!

قارئین! دینی امور پر معاوضے کے حرام ہونے کے بارے میں ''دین داری یا دکانداری'' کے نام سے ہمارا ایک مستقل کتابچہ موجود ہے؛ کتاب ''اسلام یا مسلک پرستی'' میں بھی اس پر کچھ عرض کر چکے ہیں؛ اس سے پہلے ''دینی امور پر اجرت'' نامی کتابچے میں بھی اس موضوع پر کچھ معروضات پیش کی تھیں اور رسالہ ہذا کے پچھلے شمارے میں ''فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ'' کے عنوان سے قدرے تفصیل سے ان دلائل کا تعاقب کیا گیا تھا جو یہ مسلک پرست اس حرام کو حلال کرنے کے لیے پیش کرتے ہیں جن میں مُلّا تونسوی کے بھی کچھ دلائل آ گئے تھے جس کو باقی رکھتے ہوئے علیٰحدہ سے مزید لکھا جائے گا۔ ان شاء اللہ

دوسری مثال مُلّا تونسوی نے سورۃ المومنون کی آیت: وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ ...... الخ کی دی ہے، جس سے ڈاکٹر صاحب نے یہ ثابت کیا تھا کہ مرنے والے اور دنیا والوں کے درمیان قیامت تک ایک آڑ رہتی ہے اور مرنے والے قیامت تک دنیا میں نہیں آ سکتے، عالم برزخ میں رہتے ہیں اور وہیں عذاب یا راحت کے مرحلوں سے گزرتے ہیں جنہیں محسوس کرنے کے لیے انہیں ایک دوسرا جسم بھی دیا جاتا ہے جیسا کہ شہدائے احد کو جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے اڑنے والے سبز جسم دیے گئے۔ مگر مُلّا تونسوی نے اسے قرآنی آیت کا غلط مطلب بیان کرنا قرار دیا اور دعویٰ جڑ دیا کہ:

''موت کے ساتھ آدمی بمع روح اور جسد کے عالم برزخ وقبر میں چلا جاتا ہے اب اس کو برزخ سے دنیا کی طرف دوبارہ واپس نہیں بھیجا جاتا چاہے وہ جتنی آرزو بھی کرے۔ تو معلوم ہوا کہ بندہ مرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں دنیوی زندگی کے ساتھ واپس نہیں آ سکتا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ مردہ انسان کو دوبارہ دنیا میں نہیں آنے دیتا ہاں قدرت اللہ علیحدہ ہے۔'' (صفحہ ۱۵۳)

قدرت اللہ کا پیوند شاید اس لیے لگایا گیا تا کہ اپنے اکابرین کے ان بے شمار واقعات کو درست ثابت کر سکیں جن میں وہ مرنے کے بعد عالم برزخ میں جا پہنچنے کے باوجود دنیا والوں کے حالات سے پوری طرح خبردار نظر آتے ہیں، ان کے پاس جسد عنصری (دنیاوی جسم) میں پہنچ جاتے ہیں، ان سے بات چیت کرتے ہیں، ماضی و مستقبل کی خبریں دیتے ہیں، کچھ چیزیں بھی دیتے ہیں جنہیں یہ لوگ اپنے پاس موجود پاتے ہیں جیسے اشرف علی تھانوی کے دادا کسی بارات میں ڈاکوؤں کی گولی سے ہلاک ہونے کے بعد مٹھائی کا ٹوکرہ لے کر رات کو ان کی دادی کے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا کہ اگر کسی پر ظاہر نہ کرو تو روز اسی طرح آیا کریں گے (اشرف السوانح: جلد ۱، صفحہ ۱۵)؛ ان سے پہلے شاہ ولی اللہ بھی انفاس العارفین میں اپنے دادا کا مرنے کے بعد اپنی بیمار پوتی کی

عیادت کرنے کے لیے دنیا میں آنے اور اسے چند گھنٹے بعد مرجانے کی خبر دینے کا واقعہ لکھ چکے ہیں (صفحہ ۸۳)؛ یا جیسے انہی تھانوی صاحب کے بقول ان کے پیر حاجی امداداللہ چشتی جو نو دن سے بھوکے تھے اور صرف آب زم زم پی کر گزارا کر رہے تھے، ان کے پاس چھ سو سال پہلے وفات پا جانے والے معین الدین چشتی صاحب نے عالم واقعہ میں آ کر ان کی دستگیری کی اور لاکھوں کا خرچہ دیا (امدادالمشتاق: صفحہ ۱۱۰)؛ یا جیسے انہی پیر صاحب کو مثنوی روم کے ایک شعر ؎ علم حق در علم صوفی گم شد...... ایں سخن کے باور مردم شود (؎ اللہ کا علم صوفی کے علم میں گم ہو گیا...... یوں کیسے کہ آدمی معلوم ہو گیا — معاذ اللہ) پر کچھ تردد ہوا تو فوراً ''مولانا روم'' نے عالم معاملہ میں تشریف لا کر صوفی بایزید کے قول ''مُلْکِیْ اَعْظَمُ مِنْ مُلْکِ اللّٰہِ'' (میری حکومت اللہ کی حکومت سے بھی بڑی ہے — معاذ اللہ) کے ذریعے اس کی وضاحت کر دی (امدادالمشتاق: صفحہ ۵۷)؛ یا جیسے قاسم نانوتوی صاحب نے مرنے کے عرصے بعد جسد عنصری کے ساتھ مولوی رفیع الدین صاحب کے پاس آ کر اپنے شاگرد محمود حسن دیوبندی کو فہمائش کرنے کے لیے کہا کہ وہ مُلّاؤں کے جھگڑے میں نہ پڑے (حکایات اولیاء: حکایت نمبر ۲۳۶، صفحہ ۲۲۲)۔ یاد رکھیے کہ ایسے واقعات کی کوئی حد نہیں؛ ان کے مسلکی لٹریچر میں یہ بے حساب بھرے پڑے ہیں جن میں سے کچھ کو کتاب اسلام یا مسلک پرستی میں بیان کیا گیا ہے۔

تیسری مثال میں حیاتِ شہداء سے متعلق دو آیات (البقرۃ: ۱۵۴، آل عمران: ۱۶۹) پیش کی ہیں☆ اور اللہ سے منسوب کر کے دعویٰ کیا ہے کہ شہید کا دنیاوی جسد عنصری اپنی دنیاوی قبر میں زندہ ہے، اسے مردہ نہیں سمجھنا چاہیے۔ (صفحہ ۱۵۴) قارئین! ان آیات میں کہیں ڈھونڈے سے بھی لفظ ''قبر'' نہیں ملے گا مگر مُلّا تونسوی ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

> ''آیات بیان کرتی ہیں کہ شہداء کرام کے جسد عنصری اپنی قبور میں زندہ ہیں''

اس سے پہلے ''ایک چیلنج'' کی جلی سرخی لگا کر خود ہی فرما چکے ہیں کہ

> ''میرا چیلنج ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت دکھائی جائے یا پھر حضور اکرم ﷺ کی ایک حدیث دکھائی جائے جس میں قبر کا لفظ استعمال کیا گیا اور اس سے روح کا مقام مراد لیا گیا ہو'' (صفحہ ۱۳۲)

مُلّا جی! یہ چیلنج آپ ہی کی طرف پھرتا ہے۔ ذرا دکھایئے کہاں ان آیتوں میں لکھا ہے کہ شہداء کے دنیاوی جسم دنیاوی قبروں میں زندہ ہیں؟ ان آیات میں لفظ ''قبر'' ہی دکھلا دیجیے! فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا تو پھر جان لیجیے کہ یہ آپ کا باطل استدلال ہے جو قرآن و حدیث کے بالکل خلاف ہے۔ سورۃ آل عمران کی اسی آیت جس کے الفاظ آپ نے بدل دیے، کی تفسیر میں نبی ﷺ نے بیان فرمایا کہ یہ شہداء احد سے متعلق ہے اور یہ کہ ان کی روحیں اڑنے والے سبز جسموں میں ڈال دی گئی ہیں اور وہ ان مخصوص جسموں کے ساتھ جنت میں اڑتے پھرتے ہیں، جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور عرش سے معلق قندیلوں میں قیام کرتے ہیں؛ اور انہی مخصوص جسموں سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور انہی مخصوص جسموں نے دوبارہ دنیا میں جانے کی تمنا ظاہر کی (مسلم / ابوداؤد)۔ اگر ان روحوں کا دنیاوی مقتول جسم سے کوئی تعلق رہتا تو پھر وہ ان میں جانے کی تمنا ہی نہ کرتے اور اگر ان دنیاوی جسموں میں روح باقی رہتی تو پھر ان جسموں میں روح لوٹائے جانے کی تمنا ایک عبث فعل ہوتا کہ پہلے سے موجود شے کو کیسے لوٹایا جاتا، لوٹائی تو وہ شے جاتی ہے جو غیر موجود ہو؛ نیز روح کے موجود ہوتے ہوئے وہ زندہ سمجھے جاتے اور انہیں اس وقت تک کوئی دفن نہ کرتا جب تک ان کے جسم ذرا سی بھی جان باقی رہتی۔

دنیاوی مقتول جسم روح سے خالی ہونے پر ہی دفنایا گیا اور ان کی دنیاوی زندگی کے ختم ہونے پر ان کی بیویاں بیوائیں کہلائیں جنہوں نے دوسرے نکاح بھی کیے اور ان شہداء کی میراث تقسیم ہوئی۔ مگر انہوں نے اپنی جان دے کر ایک ایسی حیات حاصل کر لی جس کا انسان کو شعور نہیں۔ یاد رکھیں! جس جسم میں روح کا خفیف سا بھی تعلق باقی رہتا ہے تو اگر کوئی ایسی بیماری نہ ہو تو وہ گلتا سڑتا نہیں ہے۔ یہ عمل روح سے خالی ہونے پر ہی ہوتا ہے۔ اور پہلے بیان کردہ حدیث بخاری گواہی دیتی ہے کہ احد کے پہلے شہید عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ کے کان کی لو دنیاوی قبر میں دفنانے کے بعد گل گئی تھی جس کا پتہ اس وقت چلا جب چھ مہینے بعد ان کے بیٹے جابر رضی اللہ عنہ نے انہیں دوسری جگہ اکیلے دفنانے کے لیے ان کی قبر سے نکالا۔

ان سب سے پتہ چلتا ہے کہ شہداء کی دنیاوی زندگی کے خاتمے پر ان کی دنیاوی قبروں میں دفن کیے جانے والے اجساد عنصری میں روح قطعاً باقی نہیں رہتی، ایک رمق بھی نہیں، اور وہ بے روح دفن کیے جاتے ہیں، ان کی روحوں کو عالم برزخ میں دوسرا جسم عطا ہوتا ہے جس سے وہ جنت کی نعمتوں سے حظ اٹھاتے ہیں؛ اور بہرحال ان کی دنیاوی زندگی ختم ہو جاتی ہے اور ان کی ایسی زندگی شروع ہو جاتی ہے جس کا ہمیں کوئی شعور نہیں۔

مُلّا تونسوی نے آیت مذکورہ کے الفاظ عِنْدَ رَبِّهِمْ کو اپنی پیشہ ورانہ مہارت سے مشتبہ بنا دیا اور بڑی فنکاری سے تین شبہے وارد کر کے درج بالا موقف کو غلط ٹھہرا دیا:

پہلا شبہ یہ کہ عِنْدَ رَبِّهِمْ کا تعلق احیاء سے نہیں بلکہ یُرْزَقُوْنَ سے ہے اور اس طرح انہوں نے اس آیت کا یہ مطلب کر دیا کہ

> ''شہداء کرام زندہ ہیں، ان کو اپنے رب کی طرف سے رزق ملتا ہے۔'' (صفحہ ۱۵۶)

ہمیں ان مُلّاؤں کی عربی دانی پر حیرت ہوتی ہے کہ ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں کہ اس تناقض پر آگاہ ہو سکے حالانکہ ساری عمر صیغوں اور گردانوں کی بحث میں گزار دیتے ہیں! ''عِنْدَ'' اسماء ظرف میں سے ہے جو زمان و مکان دونوں کے لیے استعمال ہوتا

☆ دونوں آیات کے آخری الفاظ بالکل مختلف ہیں مگر انہوں نے دونوں کو ایک ہی کر دیا ہے! سورہ آل عمران کی آیت کے الفاظ: بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ کی جگہ سورہ بقرہ کی آیت والے الفاظ: بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ہی لکھے ہیں۔ یہ فعل اگر ہم سے سرزد ہو جاتا تو کتاب کا مؤلف ''نور محمد''، ناشر ''نور اللہ'' اور کاتب ''نور حسین'' سبھی ہم پر بری طرح برستے کہ قرآن کی لفظی تحریف کا بھی ارتکاب کر ڈالا، اس کا تو قرآن پر ایمان ہی نہیں، قرآن کا منکر ہے، محرف ہے، یہ ہے، وہ ہے...... حیرت ہے کہ یہ ''نوری'' لوگ اتنے کور دیدہ اور ایسے اندھیروں میں رہنے والے ہیں کہ انہیں اتنی سنگین غلطی بھی نظر نہیں آتی جبکہ کتاب کے شروع میں دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ ''کتاب ہذا کی تیاری میں تصحیح کتابت کا خاص اہتمام کیا گیا ہے''۔ کتاب میں موجود سینکڑوں غلطیاں ان کے اس ''خاص اہتمام'' کا منہ چڑاتی ہیں۔ جو لوگ قرآن کی آیت کے الفاظ ہی بدل دیں ان سے کیا بعید نہیں کہ وہ دین اسلام کو ہی بدل دیں! جو لوگ کتاب کا نام تک صحیح نہ لکھ سکیں (کتاب کے سرورق کے بعد والے صفحے پر ہی کتاب کا نام ''ہوا پرستی'' لکھا ہوا ہے) وہ عقائد کو کیا صحیح بیان کریں گے؟

المنجد (دارالاشاعت)، المنجد (دارالمشرق، بیروت)، مصباح اللغات (میر محمد کتب خانہ)، لغات کشوری (میر محمد کتب خانہ)، القاموس الوحید (ادارہ اسلامیات)، القاموس الجدید (ادارہ اسلامیات)، قاموس القرآن (دارالاشاعت)، نور اللغات (دارالاشاعت)، فرہنگ فارسی (دارالاشاعت)، جامع اللغات (صابر پبلشرز)، بیان اللسان (دارالاشاعت)، فیروز اللغات (فیروز سنز)

ہے۔ ہم نے درج حاشیہ لغات دیکھیں مگر کسی ایک میں بھی اسے حرف جر کے طور پر ان معنوں میں نہیں بتایا گیا جن میں مُلّا تونسوی نے باور کرایا ہے بلکہ ہر جگہ اس کے معنی پاس، نزدیک اور قریب کے کیے گئے ہیں۔ کسی نے بھی اسے "طرف سے" کے طور پر استعمال نہیں کیا۔ اگر آیت میں "طرف سے" کے معنی ہوتے تو اس کے لیے عِنْدَ کا اسم ظرف نہیں بلکہ مِنْ یا عَنْ کے حروف جار استعمال ہوتے۔ تو مان لیجیے کہ عِنْدَ رَبِّهِمْ کا مطلب "اپنے رب کی طرف سے" نہیں بلکہ "اپنے رب کے پاس" ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا اسم ظرف ہونے کی وجہ سے یہ زمان و مکان دونوں کو مستلزم ہے۔ اگر اسے يُرْزَقُونَ سے منسلک رکھیں تب بھی معنی میں کوئی فرق نہیں کیونکہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔ اور ستم ظریفی تو یہ ہے کہ مُلّا موصوف عِنْدَ رَبِّهِمْ پر بحث کے ذریعے یہ ثابت کرنا چاہتے کہ گویا شہداء اللہ کے پاس زندہ نہیں بلکہ قبروں میں زندہ ہیں، تو ان کے اس باطل عقیدے کا رد تو حدیث میں ہی موجود ہے چنانچہ فرمایا کہ ان شہداء کے مسکن عرش الٰہی سے لٹکی قندیلیں ہیں یعنی ظرف مکان کی وضاحت کردی گئی کہ دنیاوی قبر نہیں ہے بلکہ ایک دوسری ہی جگہ ہے۔ اب بتایئے قرآن و حدیث کے مطابق آیت کا صحیح مطلب ہم نے بیان کیا ہے یا آپ نے؟ اور بتایئے کہ مَنِ الْكَذَّابُ ؟

دوسرا شبہ مُلّا تونسوی نے اللہ کی مکانیت کا ڈالا ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ کسی مخصوص مقام و محل میں نہیں رہتا بلکہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، چنانچہ قبریں بھی رب کے پاس ہی ہیں، ارواح بھی رب کے پاس ہیں اور تعلق کی وجہ سے دونوں حیاتیں قبر سے قائم ہیں ورنہ اگر شہداء کو اللہ کے پاس زندہ مانا تو اللہ کی مکانیت محدود ہو جائے گی اور دوسرے معنوں میں شہداء بھی لامکاں اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہو جائیں گے.........!

قارئین! یہ بھی مُلّاجی کی محض مغالطہ آرائی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کا کوئی محدود مکاں نہیں۔ قرآن و حدیث سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ وہ بذاتہ مستوی عرش ہے اور بصفاتہ ہر جگہ ہے کما قال : وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۔ اس کی کوئی مخصوص و محدود سمت نہیں پھر بھی قرآن و حدیث سے اشارہ ملتا ہے کہ اس کی طرف متوجہ ہونے کے لیے سمت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ءَأَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ۝ أَمْ أَمِنْتُمْ
مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ ۝

(ملک:۱۶،۱۷)

"کیا تم اس سے جو آسمان میں ہے بے خوف ہو کہ تم کو زمین میں دھنسا دے اور وہ زمین چل پڑے؟ کیا تم اس سے جو آسمان میں ہے نڈر ہو کہ تم پر کنکر بھری ہوا چھوڑ دے؟"

تحویل قبلہ کے لیے نبی ﷺ بار بار آسمان کی طرف منہ کرتے تھے جس کو قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا:

قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ
وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (البقرۃ:۱۴۴)

"(اے نبی!) ہم تمہارا آسمان کی طرف منہ پھیر پھیر کر دیکھنا دیکھ رہے ہیں۔ سو ہم تم کو اسی قبلے کی طرف جس کو تم پسند کرتے ہو منہ کرنے کا حکم دیں گے تو اپنا منہ مسجد حرام (خانہ کعبہ) کی طرف پھیر لو"

حدیث میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے اپنی لونڈی کی غلطی پر اس کو طمانچہ مارا۔ نبی ﷺ نے اس کو ناپسند فرمایا۔ لونڈی سے پوچھا: ایْنَ اللّٰہ "اللہ کہاں ہے؟" قَالَتْ فِي السَّمَاءِ: اس نے کہا آسمان میں۔ قَالَ مَنْ أَنَا: نبی ﷺ نے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ قَالَتْ أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ: کہنے لگی آپ اللہ کے رسول ہیں۔ قَالَ أَعْتِقْهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ : فرمایا اس کو آزاد کردو، یہ مومنہ ہے۔☆ (مسلم: کتاب المساجد باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ)

ایک حدیث میں نبی ﷺ نے سات آسمانوں اور ان کے درمیانی فاصلے کے بارے میں بتایا اور ساتویں آسمان کے اوپر عرش کو بتایا (ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ، باب بدء الخلق)۔ ایک حدیث میں ارشاد رسول ﷺ ہے کہ جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے بنائے گئے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان کے برابر فاصلہ ہے، اس کا وسطی اور سب سے بلند درجہ جنت الفردوس ہے اور اس کے اوپر عرش رحمٰن ہے۔ (بخاری: کتاب التوحید، باب وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ)

اور زیر بحث موضوع میں حدیث مسلم میں صاف بتادیا گیا کہ اسی عرش الٰہی سے شہداء کی قندیلیں لٹک رہی ہیں جن میں وہ بسیرا کرتے ہیں ان اڑنے والے مخصوص سبز جسموں کے ساتھ جن میں ان کی روحیں ڈال دی گئیں ورنہ ان کا دنیاوی جسد عنصری تو یہیں دنیا میں گل سڑ گیا (عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ کے صرف چھ مہینے میں کان گل جانے والی حدیث ذہن میں رہے) اور اس سے روح کا کوئی تعلق باقی نہیں رہا ورنہ پھر تا قیامت برزخ والی آڑ بے معنی ٹھہرے گی اور شہداء کا اپنی روحوں کو اپنے دنیاوی اجساد عنصری میں لوٹائے جانے کی تمنا عبث ثابت ہوگی کیونکہ مُلّا تونسوی کے مطابق تو وہ اپنی دنیاوی قبر میں جسد عنصری میں پہلے ہی سے موجود ہے۔ اب بتایئے قرآن کے مطابق کس نے مطلب بیان کیا اور مَنِ الْكَذَّابُ ؟

تیسرے شبہے میں بھی وہی پیشہ ورانہ فنکاری دکھائی ہے جس کا مظاہرہ مُلّا تونسوی نے پوری کتاب میں کیا ہے۔ شبہ ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ (آل عمران:۱۹) سے صرف یہ مراد نہیں کہ اللہ کے نزدیک تو دین اسلام ہو اور ہمارے نزدیک نہ ہو ؛ اسی طرح وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيهًا (الاحزاب:۶۹) کے تحت موسیٰ علیہ السلام صرف اللہ ہی کے نزدیک عزت والے نہیں بلکہ ہمارے نزدیک بھی عزت والے ہیں ؛ اسی طرح عِنْدَ رَبِّهِمْ میں شہداء صرف اللہ ہی کے نزدیک زندہ نہیں بلکہ ہمارے ہاں بھی زندہ ہیں اور اس کے علاوہ کچھ کہنا آیت کا غلط معنی و مطلب بیان کرنا ہے۔ قارئین! غور فرمایئے مُلّاجی کے غیر سنجیدہ اور لچر منطقی ڈھکوسلوں پر۔ ان کی یہ تاویل خدا ان تمام آیات کے اسی طرح دو دو معنی کردے گی جن میں لفظ عِنْدَ استعمال ہوا ہے۔ یاد رہے ایسی آیات تعداد میں دو سو کے قریب ہیں۔

مُلّاجی کی تاویل کے مطابق: مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ (البقرۃ:۶۲) جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان لائیں اور نیک عمل کریں تو اُن کے لیے اُن کے رب کے پاس ہی اجر نہیں بلکہ ہمارے پاس بھی ان کے لیے بہت اجر ہے![1]

اور اسی طرح وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خَاشِعِينَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ

☆ اس حدیث سے پتہ چلا کہ ایک مومن کا عقیدہ یہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اوپر ہے۔ [1] یہ پیشہ ور مولوی جو جنازہ پڑھانے کا کپڑے کا مصلیٰ تک تو چھوڑتے نہیں، کروڑوں انسانوں کو ایمان و عمل کا کیا اجر دیں گے!

أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ (آل عمران:۱۹۹) جو اہل کتاب بھی اللہ پر ایمان لائیں اور مسلمانوں کی طرف اور اپنی طرف نازل ہونے والے احکامات کو مانیں، اللہ سے ڈرتے رہیں، اللہ کی آیات کو تھوڑے مول نہ بیچیں (یعنی دین کو کمائی کا ذریعہ نہ بنائیں) تو ان کے لیے ان کے رب پاس ہی اجر نہیں بلکہ ہمارے پاس بھی ان کے لیے بہت اجر ہے![1]

اور لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِندَ رَبِّهِمْ (الانعام:۱۲۷) ان کے لیے ان کے رب کے پاس ہی جنت نہیں بلکہ ہمارے پاس بھی بہت جنت ہے! (معاذ اللہ!)

اور یہ کہ : إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ (الانعام:۱۰۹) آیات یا معجزات کا نزول صرف اللہ کے پاس سے ہی نہیں ہوتا بلکہ ہمارے پاس سے بھی خوب ہوتا ہے۔ (معاذ اللہ!)

قارئین! صرف ان چار آیات سے ہی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مُلّا تونسوی کی یہ تاویلی چھری قرآن کی کتنی آیات کے معنی بدل دے گی بلکہ پورے اسلام کی دعوت کو ہی یکسر بدل دے گی جس میں کفر و شرک کی کوئی حد باقی نہ رہے گی اور وہاں تک پہنچا دے گی جہاں پر مشرکین مکہ کو بھی پہنچنے کی جرأت نہ ہوئی ہوگی اور اس سے زیادہ اسلام کو نقصان پہنچائے گی جتنا کہ ان مسلک پرستوں کے اکابرین نے تصوف کے ہتھیاروں سے بھی نہ پہنچایا ہوگا کیونکہ یہ تو براہ راست قرآن پر حملہ ہے۔

لطیفہ یہ ہے کہ مولوی موصوف کے اکابرین کی متفقہ حقانی عقائد اسلام میں بھی عند کے وہی معنی بیان ہوئے ہیں جو ہم نے بیان کیے ہیں! (ملاحظہ فرمایئے صفحہ ۱۸۴) اب ذرا ہمت کریں اور لگائیں ان پر بھی فتویٰ کہ یہ لوگ............ یہ ہیں............ وہ ہیں......

مُلّا تونسوی نے صفحہ ۲۰۵ پر بڑی جلی سرخی لگائی ہے کہ کیپٹن صاحب کے پاس قرآن و حدیث نہیں بلکہ تاویل ہی تاویل ہے۔ قارئین کو اب تک کی اس تحریر سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ قرآن و حدیث کون پیش کرتا ہے اور باطل تاویلیں کون بیان کرتا ہے؟ یقین جانیے مُلّا جی نے اپنی پوری کتاب میں یہی حربہ آزما رکھا ہے اور اسی تاویلی ہتھکنڈے سے اپنے ہر غلط کو درست ثابت کرنے کی سعی نامراد کی ہے۔ کفریہ شرکیہ عقائد رکھنے والے دیوبندی فرقے کو نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہونے کو، مردے کو عالم برزخ میں برزخی جسم کے بجائے اسی دنیاوی قبر میں دنیاوی جسم کے ساتھ روح کے تعلق کے ساتھ عذاب و راحت دیے جانے کو، نبی ﷺ کی قبر کا اللہ کے عرش و کرسی و کعبہ سے بھی افضل ہونے کو، مُردوں کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنانے کو، نبی ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبروں پر آ کر ان سے شفاعت کی دعا کرانے کو، تعویذ گنڈے کو شرک کے بجائے ثواب بلکہ حکم رسول ﷺ ہونے کو، دینی امور پر معاوضہ لینے کو حرام کے بجائے حق و ثواب ہونے کو، ایصال ثواب کو قرآن و حدیث کے خلاف ہونے کے بجائے جائز و ثواب ہونے کو.......... مُلّا تونسوی نے کتاب اللہ کا مذاق اڑاتے ہوئے اسی باطل تاویلی بیساکھی کے سہارے ثابت کیا ہے۔

قرآنی آیات کا غلط مطلب بتانے کی تہمت کے تحت چوتھی مثال مُلّا تونسوی نے سورۃ النحل کی آیات ۲۱، ۲۲ کی دی ہے جن میں اللہ کے سوا دوسرے پوجے جانے والوں کو زندگی سے عاری مردہ محض اور بے شعور ثابت کیا گیا ہے مگر مُلّا تونسوی مصر ہیں کہ نہیں، ان میں زندگی ہے، یہ حیات سے بالکل خالی نہیں ہیں، بلکہ ان میں شعور بھی ہے! ذرا مُلّا جی کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے:

”کیپٹن صاحب نے اموات غیر احیاء کا ترجمہ ایک جگہ یہ کیا ہے: 'موت کے بعد وہ بالکل مردہ ہیں ان میں جان کی رمق باقی نہیں ہے۔' [وفات ختم الرسل ﷺ صفحہ ۲] اور دوسری جگہ اس کا معنی یہ کیا کہ 'مردہ ہیں نہ کہ زندہ' [یہ مزار یہ میلے: صفحہ ۳] یہ دونوں ترجمے اور دونوں مطلب صحیح نہیں ہیں۔ یہ اس کی اپنی اختراع ہے اور پہلا ترجمہ تو بہت زیادہ غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان آیات سے موت کے بعد کی زندگی کی نفی نہیں ہوتی بلکہ خود یہ آیت موت کے بعد ایک خاص قسم کی زندگی کی دلیل ہے کیونکہ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کو شعور نہیں کہ وہ قبروں ☆ سے کب اٹھائے جائیں گے۔ یعنی ان کو قبروں سے اپنے اٹھنے کا شعور نہیں۔ جزا و سزا شعور ہے اور یہ شعور حیات کو مستلزم ہے۔ دیکھئے کیپٹن صاحب جس آیت سے حیات قبر کی نفی کرنا چاہتا ہے وہ آیت حیات قبر کی دلیل ہے۔ اور کیپٹن صاحب کا یہ مطلب قرآن مجید کی پچاس سے زائد آیات کے بھی مخالف ہے جن سے قبر کی ایک خاص قسم کی زندگی ثابت ہوتی ہے۔“ (صفحہ ۱۵۷، ۱۵۸)

قارئین! جو حیاء و غیرت کو پس پشت ڈال دے، اس کے لیے تو دن کو رات اور رات کو دن کہنا بھی آسان ہو جاتا ہے! قارئین! یہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ پر مُلّا تونسوی کے لگائے جانے والے الزامات کی طویل فہرست میں اضافہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ کے ترجمے میں کوئی غلطی نہیں کی۔ اس کا ترجمہ ”مردہ ہیں نہ کہ زندہ“ ڈاکٹر صاحب کی اختراع نہیں بلکہ ہر مترجم نے اس کا یہی ترجمہ کیا جن میں مُلّا جی کے وہ اکابرین بھی شامل ہیں جنہیں یہ ”ہمارے علمائے اسلام“ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور تو اور خود مُلّا تونسوی نے بھی صفحہ ۱۵۷ پر اس کا یہی ترجمہ کیا ہے کہ ”مردے ہیں زندہ نہیں“۔ ؏ الزام دوسروں کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

ذیل میں بطور نمونہ صرف ۱۲ ترجمے دیے جا رہے ہیں ورنہ ان کی فہرست کافی طویل ہے:

”مردے ہیں نہیں زندے اور نہیں جانتے کب اٹھائے جائیں گے“ [شاہ رفیع الدین]

”مردے ہیں جن میں جان نہیں اور نہیں جانتے کب اٹھائے جائیں گے“ [شاہ عبدالقادر]

”مردے ہیں جن میں جان نہیں اور نہیں جانتے کب اٹھائے جائیں گے“ [محمود حسن دیوبندی]

”(وہ لاشیں ہیں بے جان۔ ان کو یہ بھی تو معلوم نہیں کہ اٹھائے کب جائیں گے“ [فتح محمد جالندھری]

”مردے ہیں جن میں جان نہیں اور نہیں جانتے کب اٹھائے جائیں گے“ [شفیع عثمانی]

”مردے ہیں زندہ نہیں اور ان کو خبر نہیں کہ مردے کب اٹھائے جائیں گے“ [اشرف علی تھانوی]

”مردے ہیں زندہ نہیں اور خبر نہیں لوگ کب اٹھائے جائیں گے“ [رضا خاں بریلوی]

”مردے ہیں زندہ نہیں، انہیں تو یہ بھی شعور نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے“ [محمد جونا گڑھی]

”مردے ہیں زندہ نہیں، انہیں تو یہ بھی شعور نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے“ [یوسف صلاح الدین]

”وہ مردہ ہیں جن میں جان نہیں اور وہ نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے“

[وحید الدین خاں]

---

[1] حالانکہ یہ لوگ تو خود دین کو کمائی کا ذریعہ بنائے بیٹھے ہیں، کبھی بھولے سے بھی ان سے چھوٹی کوڑی مسجد کے لیے نہیں نکلتی، الٹا بہانے بہانے سے دوسروں سے اینٹھتے رہتے ہیں، یہ دین کے بیوپاری دین کو پیشہ بنانے والوں کو کیا دے سکتے ہیں! ☆ مذکورہ آیات میں کہیں بھی قبر کا لفظ نہیں آیا۔ یہ مُلّا تونسوی کی اپنی اختراع بلکہ قرآن کی معنوی تحریف ہے۔ کتاب اللہ میں اس طرح کی ہیر پھیر یہود کیا کرتے تھے۔ (البقرۃ:۷۵، النساء:۴۶، المائدۃ:۱۳، ۴۱) مُلّا جی وہ چیلنج اپنے ذہن میں پھر دہرا لیں جو وہ دوسروں کو دیتے پھرتے ہیں کہ قرآن کی کسی ایک آیت میں لفظ قبر دکھایا جائے.......... ذرا آپ بھی ان آیات میں لفظ قبر دکھا دیجیے! نیز ساتھ ہی ان الفاظ کی نشاندہی بھی ان آیات میں کر دیجیے جن کا ترجمہ یہ ہو کہ ان مُردوں کو شعور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو صاف نفی فرما دی کہ مَا يَشْعُرُونَ ”انہیں شعور نہیں“؟ اور اس اختراع کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتے وقت کسی حافظ سے وہ آیات بھی سن لیں جن میں اس فعل پر وعید وارد ہوئی ہے۔ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ

"مردہ غیر زندہ، اوران کو احساس بھی نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے"

[امین احسن اصلاحی]

"مردہ ہیں نہ کہ زندہ اوران کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب (دوبارہ زندہ کرکے) اٹھایا جائے گا" [ابوالاعلیٰ مودودی]

قارئین! یہ ترجمے پڑھ کر آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب پر اختراع و افتراء کے الزام کی کیا حقیقت ہے۔ رہا معاملہ پہلے ترجمے کے "بہت زیادہ" غلط ہونے کا جس میں بتایا گیا کہ اللہ کے سوا پوجے جانے والے یہ جھوٹے الٰہ "موت کے بعد بالکل مردہ ہیں، ان میں جان کی رمق بھی باقی نہیں ہے" تو آیت پر نظر کرنے سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس کے عربی الفاظ میں اس ترجمے کی رعایت موجود ہے کیونکہ ان معبودان باطلہ کو اَمۡوَاتٌ یعنی مردہ کہنے کے بعد غَيۡرُ اَحۡيَآءٍ کہنا بطور تاکید کے بتاتا ہے کہ ان میں زندگی کا کوئی شائبہ بھی موجود نہیں۔ اور غَيۡرُ اَحۡيَآءٍ کے یہ الفاظ مستقبل میں واقع ہونے والے کسی فعل کی غمازی نہیں کرتے جیسا کہ مُلّا توتسوی کے منقولہ بالا اقتباس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ ان ہستیوں کو موت آئے گی بلکہ یہ الفاظ ماضی میں ہوچکنے والے وقوعہ کو ظاہر کرتے ہیں یعنی انہیں موت آچکی ہے، زندگی کا ایک ایک ذرہ ان سے سلب کیا جاچکا ہے اور اب وہ بالکل بے شعور ہیں۔ مُلّا توتسوی کا یہ دعویٰ کہ ان کو جزا و سزا کا شعور ہے اور شعور چونکہ حیات کو مستلزم ہے لہٰذا وہ زندہ ہیں، قرآن کی معنوی تحریف کی بدترین مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَمۡوَاتٌ غَيۡرُ اَحۡيَآءٍ بے جان مردے ہیں، اور یہ فرماتے ہیں کہ نہیں وہ تو زندہ ہیں! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ "انہیں شعور نہیں"، یہ فرماتے ہیں کہ نہیں انہیں تو شعور ہے! بتایئے قرآن کی آیات کا ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی کے ساتھ انکار کون کر رہا ہے؟ کون ان کے غلط معنیٰ و مطلب بیان کر رہا ہے؟ اور مَنِ الۡكَذَّابُ ؟

قادیانیوں کی تائید کس نے کی؟

اپنی اسی یاوہ گوئی میں مُلّا توتسوی نے یہ ہانک بھی لگادی کہ ڈاکٹر رحمۃ اللہ علیہ نے آیت مذکورہ کا مندرجہ بالا ترجمہ کرکے قادیانیوں کی حمایت کی ہے ملّاجی کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے:

"کیپٹن صاحب نے آیت مذکورہ کا غلط ترجمہ کرکے مرزا غلام احمد قادیانی کی تائید کی ہے کیونکہ مرزا کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پاچکے ہیں اور دلیل میں یہ آیت پیش کرتا ہے کہ آیت مذکورہ میں من دون اللہ عام ہے اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی داخل ہیں اور عیسائی ان کو معبود سمجھ کر ان کو پکارتے بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو پکارتے ہیں وہ سب مردہ ہیں لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام بھی مردہ ہیں یہ مرزا اور مرزائیوں کی پوری پوری تائید و تصدیق ہے جس کا کیپٹن صاحب ارتکاب کر رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ کیپٹن صاحب نے آیت کا غلط معنیٰ و مطلب کیا ہے۔" (صفحہ ۱۵۸)

اس بات کا فیصلہ تو قارئین ہی کریں گے کہ مذکورہ صدر ترجمہ کرنے کی بناء پر قادیانیوں کی حمایت کی تہمت صرف ڈاکٹر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ پر ہی لگے گی یا ان سب مترجمین پر جنہوں نے یہی ترجمہ کیا ہے اور جن میں خود مُلّا توتسوی اور انکے اکابر بھی شامل ہیں۔ البتہ اتنی وضاحت ہم ضرور کریں گے کہ قرآن میں دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا ہے:

اِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنۡتُمۡ لَهَا وٰرِدُوۡنَ ۝ لَوۡ كَانَ هٰۤؤُلَاۤءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوۡهَا ؕ وَكُلٌّ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۝ لَهُمۡ فِيۡهَا زَفِيۡرٌ وَّهُمۡ فِيۡهَا لَا يَسۡمَعُوۡنَ ۝ (الانبیاء:۹۸تا۱۰۰)

"(اے کافرو! اس روز) تم اور جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر بندگی کرتے تھے، جہنم کا ایندھن ہوگے (اور) تم (سب) اس میں داخل ہو کر رہو گے۔ اگر یہ لوگ معبود ہوتے تو اس میں داخل نہ ہوتے۔ اور یہ سب اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں اُن کو چیخنا چلانا ہوگا اور شنوائی نہ ہوگی۔"

قادیانی کافروں کی مذکورہ تاویل کی رو سے تو عیسائیوں کا معبود ہونے کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اس انجام سے دوچار ہونے پڑے گا (معاذ اللہ!) [شاید اسی سے بچنے کے لیے رضا خاں بریلوی نے ہمیشہ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ کا ترجمہ "بت" کیا ہے] مگر جس طرح اس سے اگلی ہی آیت میں عیسیٰ علیہ السلام اور ان جیسے مخلصین کو اس سے مستثنیٰ کردیا گیا:

اِنَّ الَّذِيۡنَ سَبَقَتۡ لَهُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰٓى ۙ اُولٰۤئِكَ عَنۡهَا مُبۡعَدُوۡنَ ۝

(الانبیاء: آیت ۱۰۱)

"جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے پہلے بھلائی مقرر ہو چکی ہے، وہ اس سے دور رکھے جائیں گے"

اسی طرح

وَمَا قَتَلُوۡهُ وَمَا صَلَبُوۡهُ ...... بَلۡ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيۡهِ ؕ (النساء:۱۵۷،۱۵۸)

"ان (یہودی) لوگوں نے نہ تو (عیسیٰ علیہ السلام کو) قتل کیا، نہ ہی سولی چڑھایا.........

بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا"

یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اَمۡوَاتٌ غَيۡرُ اَحۡيَآءٍ سے مستثنیٰ کردیا ہے۔ کسی نبی نے بھی اپنی بندگی کی دعوت نہیں دی بلکہ اللہ ہی کی خالص بندگی کی طرف بلایا ہے۔ (آل عمران:۷۹)☆ قادیانی کافروں کے اس کفریہ عقیدے کا رد کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی مرچکے ہیں، ہم تفصیل سے اپنے اس رسالے کے شمارہ ۲۲ میں ایک مضمون بعنوان "منارۃ البیضاء سے عیسیٰ خان کے مزار تک" میں کرچکے ہیں۔ من شاء فلیرجع الیہ

ہم پر قادیانی کافروں کی حمایت کی تہمت دھرنے سے پہلے مُلّا توتسوی تحذیر الناس وغیرہ میں درج اپنے اکابرین کی ان عبارتوں پر تو ایک نظر ڈال لیتے جو کتاب "اسلام یا مسلک پرستی" میں نقل کی گئی ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور اگر بالفرض کوئی اور نبی بھی آگیا تو اس سے خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور یہ بعینہٖ وہی موقف ہے جو قادیانی کافروں نے اختیار کیا ہوا ہے اور وہ مرزا مردود کو نبی ماننے کے باوجود آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی مانتے ہیں۔ اب بتایئے قادیانیوں کی تائید کون کر رہا ہے؟

قادیانی کافروں کے ساتھ ساتھ مشرک قبر پرستوں کی حمایت کی توفیق بھی ان مسلک پرستوں کو ہی ملی ہے۔[1] قبر کے مُردوں کو زندہ اور باشعور ماننا مشرکوں کا عقیدہ ہے اور اسی عقیدے کے تحت ہی قدیم و جدید مشرکین ان قبر والوں کے نام نذرانے چڑھاتے تھے/ ہیں ﴿لِيُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلۡفٰى﴾ تاکہ وہ انہیں اللہ کے نزدیک کردیں اور دہائیاں دیتے ہیں، ان کے سامنے اپنی بپتا پیش کرتے ہیں، کوئی "عقیدتمند" تو ان سے

☆ یہ تو مسلک پرست ہیں جو کہ نبی کا وارث ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں پھر بھی اللہ کے بندوں کو نبی کا بندہ بنادیتے ہیں جیسا کہ اشرف علی تھانوی اور ان کے پیر امداد اللہ صاحب نے قرار دیا۔ (امداد المشتاق: صفحہ ۹۳)

[1] مُلّا توتسوی اور ان کے حواری تو شاید اس پر الحمدللہ کہہ کر یہ آیت پڑھتے ہوں گے کہ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ!

ہی مانگنے لگتا ہے[1]:

ع بابا شاہ جمال پتر دیویں رتا لال ع یا بہاء الحق بیڑہ دھک

ے گرداب بلا افتاد کشتی .... امداد کن یا معین الدین چشتی

اور کوئی ان کو مستجاب الدعوات سمجھ کر ان سے دعا کراتا ہے کہ اللہ سے میری سفارش کردیں.......... اور یہ سب خالص مشرکانہ عقائد واعمال اسی ایک تصور کی پیداوار ہیں کہ قبر میں پڑا مردہ حیات سے خالی وعاری نہیں بلکہ پوری طرح شعور رکھتا ہے جیسا کہ مُلّا تونسوی کی مذکورہ بالا عبارت میں دعویٰ کیا گیا ہے۔

اس بات کا فیصلہ بھی ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ قبر کے مردے کو قرآن و حدیث کے مطابق مردہ محض اور تمام حواس وشعور سے عاری ماننے کا ہمارا عقیدہ قبر پرستی کے شرک کی جڑ کاٹ دیتا ہے یا نہیں اور اس مردے کو زندہ (خواہ کسی مخصوص قبری حیات کے ساتھ ہی سہی) اور باشعور ماننے کا قرآن وحدیث کے خلاف مسلک پرستانہ عقیدہ قبر پرستی کے شرک کی بنیاد فراہم کرتا ہے یا نہیں؟

ایک اور مغالطہ آرائی

زیر نظر آیت کے مزعومہ "غلط ترجمہ" کے حوالے سے مُلّا تونسوی نے یہ مغالطہ آرائی بھی کی ہے اور اس کو حسب عادت بڑی جلی سرخی کے ساتھ نمایاں کیا ہے کہ "کیپٹن صاحب کا معنی خود کیپٹن صاحب کے معنی کے مخالف ہے" اور مثال اس کی یہ دی ہے کہ:

> "آیت مذکورہ میں اموات کا لفظ آیا ہے جو میت کی جمع ہے کیپٹن صاحب نے اپنے رسالہ وفات ختم الرسل میں اور رسالہ یہ مزار یہ میلے☆ میں اس کا معنی کیا ہے کہ مردہ ہیں جبکہ اپنے رسالہ وفات ختم الرسل کے سرورق پر قرآن مجید کی آیت انک میت و انھم میتون کا یہ معنی کیا "اے (صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک آپ کو بھی مرنا ہے اور ان لوگوں کو بھی موت آنی ہے دیکھئے ایک ہی لفظ ہے صرف واحد اور جمع کا فرق ہے۔ یعنی میت واحد ہے اور اموات اس کی جمع ہے۔ کیپٹن صاحب کہیں اس کا معنی کرتے ہیں مردہ ہیں اور کہیں اس کا معنی کرتے ہیں کہ مرنا ہے یعنی آپ پر موت نے آنا ہے۔"
>
> (صفحہ ۱۵۸، ۱۵۹)

ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ مُلّا تونسوی نے کس بناء پر اپنے نام کے ساتھ "علامہ" لگا رکھا ہے جبکہ وہ اتنی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتے کہ سورۃ النحل اور سورۃ الزمر کی محولہ بالا آیات مکے میں نازل ہوئیں اور ان کے نزول کے وقت نبی ﷺ کے علاوہ زمین پر دوسرا کوئی نبی موجود نہ تھا اسی لیے سورۃ النحل کے "اموات" سے گزشتہ انبیاء مراد لیتے ہوئے لکھا کہ وہ مردہ ہیں جبکہ سورۃ الزمر کی آیت میں نبی ﷺ کو "میت" کہا گیا جو کہ اس وقت تک زندہ تھے (قرآن کی کوئی آیت نبی ﷺ کی وفات کے بعد نازل نہیں ہوئی کیونکہ اس کے نزول کی تکمیل نبی ﷺ کی عین حیات میں ہو چکی تھی) اس لیے لکھا کہ آپ کو بھی مرنا ہے۔ اور مولوی صاحب کے اکابرین سمیت تقریباً ہر مترجم نے اسی طرح استقبالی معنوں میں ترجمہ کیا ہے۔ اب بتایئے قرآنی آیات کا غلط ترجمہ کون کرتا ہے؟ اور کیا مُلّا موصوف بحث برائے بحث کا انداز نہیں اختیار کیے ہوئے؟

پانچویں مثال غلط معنی بیان کرنے کی سورۃ یونس کی یہ آیت بتائی ہے:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً (صفحہ ۱۵۹)

جس کے حوالے سے یہ بتایا گیا تھا کہ فرعون کی لاش کو اللہ تعالیٰ نے برائے عبرت محفوظ کر لیا یعنی اس کو سمندر میں غرق ہونے، گلنے سڑنے سے بچا لیا گیا (جو قاہرہ کے عجائب گھر میں درس عبرت کے لیے آج بھی موجود ہے) لیکن سورۃ المومن کی آیت:

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا

میں بتایا گیا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جہنم کی آگ پر صبح وشام پیش کیا جاتا ہے۔ جب دنیاوی جسم یہیں دنیا میں رہ گیا تو لامحالہ جہنم پر کسی دوسرے جسم کے ساتھ ہی پیش کیا جاتا ہوگا۔ لیکن مُلّا تونسوی اسے غلط قرار دیتے ہیں* اور مصر ہیں کہ اس کا دنیاوی جسم ہی آگ کے عذاب پر پیش ہوتا ہے مگر ہمیں نظر نہیں آتا کیونکہ "غیب" کا معاملہ ہے۔ (صفحہ ۱۶۰) مُلّا تونسوی ہمارے موقف کو جو کہ قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے، زمین وآسمان کے قلابے ملانا اور عقلی ڈھکوسلہ قرار دیتے ہیں حالانکہ سامنے موجود مردے کو عالم غیب میں بتا کر خود ایک ایسا ہوائی قلعہ تعمیر کیا ہے، جس کی بنیاد قرآن وحدیث نہیں بلکہ یہی زمین وآسمان کے قلابے ملانا اور عقلی ڈھکوسلے ہیں!

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ

یہ بھی خوب غیب ہے کہ سامنے لاش پڑی ہے اور فرما رہے ہیں کہ غیب میں ہے! غیب تو غائب ہوتا ہے نہ کہ حاضر۔ قرآن وحدیث سے دور اور تصوف کے مارے ایسی ہی بے معنی باتیں بنایا کرتے ہیں۔ ایسوں ہی کے لیے قرآن کا فیصلہ ہے

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ

(الحج:۴۶)

"دراصل آنکھیں ہی اندھی نہیں بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں، جو سینوں میں ہیں"

لغات سے لفظ غیب کی تشریح کر کے ہم قارئین کا مزید وقت لینا نہیں چاہتے ورنہ اس موضوع پر کہنے کے لیے بہت کچھ ہے۔

اپنے انہی عقلی ڈھکوسلوں میں ایک قدم آگے بڑھا کر برزخی جسم کے رد میں مُلّا تونسوی یہ مغالطہ بھی دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ آل فرعون تو جسد عنصری تھے نہ کہ جسد برزخی اور چونکہ اصل مجرم تو جسد عنصری ہوتا ہے نہ کہ جسد برزخ اس لیے شریک کار ہونے کی وجہ سے جسد عنصری کو ہی عذاب ہونا چاہیے ورنہ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت ہوگی کہ جرم کسی جسم نے کیا اور سزا کسی اور جسم کو ملی۔ کیا مُلّا موصوف یہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بھول جاتے ہیں کہ عالم برزخ کے دورانیے میں ارواح کو اُن جسموں کے ساتھ وہ احساسات عطا کردیے جائیں!

یہاں ہم تونسوی صاحب سے یہ نہیں کہیں گے کہ برزخی جسم سے متعلق اپنے اکابرین کے اقوال پڑھیں کیونکہ ہم کئی باران کی توجہ اس طرف مبذول کرواچکے ہیں اور برزخی جسم کے مخالف تونسوی صاحب کی ہرزہ سرائی کے جواب میں ہر دفعہ ایسا کرنا ہمیں اچھا بھی نہیں لگتا! البتہ اتنا ضرور عرض کریں گے کہ اللہ کی ذات کو خود پر قیاس نہ کیا جائے۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا، عالم برزخ عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان کا ایک عارضی اور عبوری دور ہے اس لیے یہاں دیا جانے والا عذاب وراحت بھی عارضی وعبوری ہے اور آخرت کے دائمی عذاب وراحت کا پیش خیمہ اسی لیے اس عالم برزخ

[1] اس موضوع کو تفصیل سے کتاب "اسلام یا مسلک پرستی" میں دیوبندیوں کے اس عقیدے کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ "قبروں سے فیض پہنچتا ہے"۔

☆ افسوس کہ "صحیح کا خاص خیال" رکھنے کا دعویٰ کرنے والے دیکھ کر بھی کتاب کا نام درست نہیں لکھ سکتے! ہر جگہ اس کو "یہ مزار یہ میلے" لکھا ہے جبکہ اصل نام "یہ مزار یہ میلے" ہے۔ ایسے لوگوں سے کیا کوئی علمی خدمت ہوگی!

* اس موقف کو غلط قرار دینے اور اُن "القابات" سے نوازنے سے پہلے کہ جن کے صحیح مستحق آپ خود ہی ہیں، اس برزخی جسم کے بارے میں منقول ماقبل اپنے اکابرین کے ارشادات پر ایک دفعہ پھر نظر ڈال لیجیے۔

کے عذاب کو بیان کرنے کے بعد سورۃ المومن کی مذکورہ بالا آیت ہی میں آگے فرمایا کہ:

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ (المومن:۴۶)

''جس روز قیامت قائم ہوگی تو (حکم ہوگا کہ) آل فرعون کو شدید عذاب میں داخل کردو''

جسد عنصری عالم برزخ میں داخل ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے برزخ کو قیامت تک کے لیے آڑ قرار دیا ہے (المومنون:۱۰۰) مگر مُلّا توتسوّی کا اصرار ہے کہ بوقت موت یہ جسد عنصری مع روح عالم برزخ میں داخل ہوتا ہے (صفحہ ۱۶۳)۔

اگر ان کے دعوے کے مطابق یہ جسد عنصری ہی روح کے ساتھ عالم برزخ میں ہو اور یہ دنیاوی قبر ہی عالم برزخ ہو تو پھر آیت ہٰذا کی تکذیب لازم آئے گی کیونکہ جابر ﷛ نے اپنے والد کو ایک قبر سے نکال کر جس میں ان کا کان گل گیا تھا، دوسری قبر میں چھ مہینے بعد دفنا دیا تھا یعنی وہ برزخ کو پار کر کے عالم برزخ میں داخل ہو کر اپنے والد کی لاش نکال لانے میں کامیاب ہو گئے بلکہ دوبارہ عالم برزخ میں داخل ہو کر ان کو دوسری قبر میں دفن بھی کر آئے! نیز روح دنیاوی جسموں میں ہونے کے باوجود شہداء احد کا اپنے دنیاوی جسموں میں روح لوٹانے کی تمنا کرنا بالکل عبث اور بے معنی ٹھہرے گا!

احمق کون؟

قبر پرستی کے شرک کو بنیاد فراہم کرنے والے قبوری حیات کے عقیدے کے علمبردار مُلّا توتسوّی قرآن و حدیث کے مذکورہ بالا موقف کو ''حماقت'' قرار دیتے ہوئے گل افشانی فرماتے ہیں:

''کیپٹن صاحب قبر اور اس میں مدفون جسد عنصری کو دنیا کی چیز سمجھتا ہے حالانکہ یہ اس کی حماقت ہے کیونکہ قبر اور مردہ دونوں عالم برزخ کی چیزیں ہیں اگرچہ دنیا والوں کو نظر بھی آ رہی ہیں کیونکہ برزخ ایک مقام اور جگہ کا نام نہیں ہے اور برزخ وقت اور زمانے کو کہتے ہیں جو کہ موت سے لے کر قیامت تک کو شامل ہے اور آدمی مرنے کے بعد روح مع الجسد عالم برزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ خواہ چارپائی پر ہمارے سامنے کیوں نہ پڑا رہے دیکھیے جب آدمی سو جاتا ہے تو وہ نیند کی حالت میں عالم خواب میں چلا جاتا ہے حالانکہ وہ ہمارے سامنے چارپائی پر پڑا ہوتا ہے لیکن وہ عالم خواب میں سمجھا جاتا ہے اسی طرح اگرچہ مردہ اور اس کی قبر ہمیں نظر آتے ہیں لیکن ہیں عالم برزخ میں لہٰذا کیپٹن صاحب کا یہ کہنا کہ فرعون کی لاش عالم دنیا میں ہے بہت بڑی حماقت ہے۔ فرعون ہمیں نظر آنے کے باوجود عالم برزخ میں ہے اور قبر و برزخ کی جزا و سزا اس کو مل رہی ہے البتہ غیب کی چیز ہے ہمیں نظر نہیں آتی......'' (صفحہ ۱۶۳)

یعنی مرغے کی وہی ایک ٹانگ! مُلّا توتسوّی نے اپنی کتاب میں یہی کیا ہے یعنی ایک ہی بات کو بیسیوں جگہ دہرا دہرا کر صفحات کی تعداد میں اضافہ کیا ہے۔ مردے کو کسی محو خواب شخص سے تشبیہ دینا اور اس کو عالم برزخ میں دیے جانے والے عذاب کو خواب میں کسی تکلیف دہ امر سے دوچار ہونے کے مشابہ قرار دینا سوء فہم ہے کیونکہ سوئے ہوئے شخص پر خواب میں گزرنے والے حالات محض تخیلاتی ہوتے ہیں اور ان کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا جبکہ عالم برزخ کا عذاب و راحت تو اٹل حقیقت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سوئے ہوئے شخص میں روح، حواس، دوران خون وغیرہ ہونے کے باوجود خواب میں ایکسیڈنٹ ہونے یا قتل ہونے پر ایک قطرہ خون نہیں نکلتا، کوئی زخم نظر نہیں آتا، قاتل پر کوئی حد نہیں لگتی، خواب میں کیا جانے والا جرم کوئی جرم نہیں قرار پاتا اور اس پر کوئی گرفت نہیں ہوتی، اسی طرح خواب میں کیا جانے والا گناہ قابل مواخذہ نہیں ہوتا! اگر خواب میں بیوی کو طلاق دی جائے تو طلاق نافذ نہیں ہوتی! اگر اپنا قرض خواب میں چکا دے تو ادا نہیں ہوتا! خواب میں قسم توڑنے سے حانث نہیں ہوتا! خواب میں کیے جانے والے کسی کام پر بیداری میں کوئی حکم نہیں لگتا مثلاً خواب میں صحبت کرنے پر بیدار ہو کر غسل واجب نہیں ہوتا جب تک کہ احتلام نہ ہو اور اس کی تری کپڑے پر لگی نظر نہ آئے............ کیا خواب میں مولوی صاحب کو تنخواہ ادا کر دینے سے تنخواہ ادا ہو جاتی ہے؟ چندہ دینے سے چندہ وصول ہو جاتا ہے؟ قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان مثالوں کی کوئی حد نہیں لیکن جبرئیل و میکائیل ﷥ نے نبی ﷺ کو گناہگاروں کو قیامت تک دیے جانے والے جن عذابات کا مشاہدہ کرایا، ان کا اثر نبی ﷺ نے ان کے جسموں پر دیکھا تھا یعنی جھوٹی باتیں پھیلانے والے کے گال کانوں تک چرتے دیکھے، کتاب اللہ سے غافل عالم کا سر کچلتے دیکھا، سود خور کو خون کے دریا میں غرق ہوتے اور پتھر کھاتے دیکھا، بدکاروں کو تنور میں الٹتے دیکھا۔ (بخاری: کتاب الجنائز)

اگر مُلّا توتسوّی کے دعوے کے مطابق مرنے کے بعد آدمی کا جسدِ عنصری روح سمیت عالم برزخ میں داخل ہو جاتا ہے تو پھر وہی سابقہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ جس کا یہ جسد عنصری ہی باقی نہ بچے، جل کر خاک ہو جائے یا درندوں کی غذا بن کر ان کے جسم میں تحلیل ہو جائے تو پھر روح کون سے جسد میں عالم برزخ میں داخل ہوگی؟؟ اگر برزخی جسم کو مان لیا جائے تو مسئلہ ہی حل ہو جائے ورنہ اگر مسلک پرستوں والا جواب دیا جائے کہ سوختہ و خوردہ لاش کی راکھ کے ذرے اور درندوں کی غذا بن کر ان کے جسم میں تحلیل و جذب ہو جانے یا فضلہ بن کر خارج ہو جانے اور براز خور پرندوں کی غذا بن کر ان کے جسم میں جذب ہو جانے والے مردے کے جسد عنصری کا جو جو حصہ جہاں جہاں اور جس جس کیفیت اور حالت میں ہوگا وہی اس کا عالم برزخ ہوگا تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ کیا روح بھی تقسیم در تقسیم ہو جاتی ہے تاکہ ہر ذرے میں موجود ہو؟ مُلّا توتسوّی اور ان کے ہم مسلک قبر پرستوں سے بعید نہیں کہ اس کا جواب بھی اثبات میں دے دیں! اور اس طرح ہندوؤں کے عقیدہ تناسخ یا آواگون کی بھی تائید کر دیں!

حق کو باطل ثابت کرنے کے ''مبارک جہاد'' میں مُلّا توتسوّی ایک وار اور کرتے ہیں کہ:

''کیپٹن صاحب کا یہ کہنا کہ فرعون اور آل فرعون کو آگ پر پیش نہیں کیا جا رہا در حقیقت قرآن کا انکار ہے'' (صفحہ ۱۶۴)

حاشا للہ! یہ صریح تہمت ہے۔ ڈاکٹر صاحب ﷫ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ فرعون اور آل فرعون کو آگ پر پیش نہیں کیا جا رہا کیونکہ یہ تو بالکل واضح طور سے قرآن میں بتا دیا گیا ہے کہ

النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا (المومن:۴۶)

''(وہ جہنم کی) آگ ہے جس پر وہ (فرعونی) صبح شام پیش کیے جاتے ہیں''

بعض چالاک مولوی اس آیت کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ آگ ان فرعونیوں پر صبح شام پیش کی جاتی ہے۔ شاید مولوی توتسوّی بھی یہی کچھ لکھنا چاہ رہے تھے مگر لکھ کچھ اور دیا! ایسا کہنا تو بلاشبہ اس آیت کا انکار ہوگا۔ ایسی صریح تہمت کی جرأت تو کوئی انصاف پسند حیادار انسان نہیں کر سکتا مگر کفریہ شرکیہ عقائد رکھنے والا مسلک پرست چونکہ ایمان سے خالی ہوتا ہے اور فرمان نبوی ہے کہ

اَلْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ ''حیاء ایمان کا حصہ ہے''

(بخاری: کتاب الایمان، باب الحیاء من الایمان)

اس لیے ایمان سے تہی داماں ہو کر انسان حیاء کی نعمت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، پھر اسے اجازت ہوتی ہے کہ جو چاہے کرتا پھرے، کہتا پھرے:

بقیہ صفحہ 108 پر

توہین رسالت پر اللہ کا قہر

پچھلے دنوں ارضِ وطن میں توہین رسالت کا بہت غلغلہ رہا۔ توہین آمیز خاکوں کے ذریعے ہالینڈ اور ڈنمارک نے اس کی جسارت کی اور "اسلامی ممالک" کے احتجاج کے جواب میں بڑی ڈھٹائی سے بار بار انہیں چھاپا گیا۔ ان کے اس فعل شنیع کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ اللہ کے آخری نبی محمد ﷺ سے جو انس و محبت کا تعلق ایک مومن کو ہوتا ہے اور اللہ کے پسندیدہ دین کا وقار اس کے دل میں جاگزیں ہوتا ہے، وہ اس کا متقاضی ہے کہ یہ مذمت صرف لفظی بیانات تک محدود نہ رہے۔ "عشقِ نبوی" کے دعویداروں نے "ناموس رسالت" اور "بقائے اسلام" کا خوب خوب "حق" ادا کیا: دھواں دھار تقریریں کیں، لمبے چوڑے بیانات داغے، نعروں سے دیواریں سیاہ کیں، جلوس اور ریلیاں نکالیں، ہڑتالیں بھی کیں...... اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان ممالک نے دینِ اسلام اور اس کے پیغمبر کے خلاف ایک پوری فلم ہی بنا ڈالی اور اسے انٹرنیٹ کے ذریعے ساری دنیا میں پھیلا دیا۔ اور اسلام کے ان نام لیواؤں کے سارے دعوے ہوا میں بکھر کر رہ گئے۔ ایک کافر و مشرک یوں بھرے بازار ان "مسلمانوں" کے منہ پر کالک مل کر دندناتا ہوا چلا گیا! اللہ تعالیٰ نے اپنی سچی کتاب میں بالکل سچ فرمایا کہ

وَمَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍؕ
(الشوریٰ: ۳۰)

"تم پر جو بھی مصیبت آتی ہے، وہ تمہارے کرتوت کے سبب ہی ہوتی ہے، اور بہت سے (قصور) تو وہ معاف ہی کر دیتا ہے۔"

انہیں اس نہج پر ان کے اپنے ہاتھوں نے پہنچایا ہے۔ انہوں نے ان کفار و مشرکین کو خود یہ موقع فراہم کیا ہے کہ وہ اس طرح سے ناموس رسالت پر حملے کرتے رہیں۔ رشدی ملعون کو The Satanic Verses لکھنے کے لیے مواد ان کے اپنے اکابرین کی تحریروں سے ملا۔ ان کے شیعہ مورخین طبری و ابن اثیر نے اپنی اپنی تاریخوں میں ایسی باتیں لکھی ہیں جن کی بنیاد پر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ آج توہین رسالت پر گونجنے اور گھٹنے سے پہلے ذرا اپنے اکابرین کے لکھے ہوئے پر نظر ڈال لیں، پتہ چل جائے گا کہ یہ کفار و مشرکین اس گھناؤنے جرم کے ارتکاب میں اکیلے نہیں ہیں بلکہ وہ ہستیاں بھی برابر کی شریک ہیں جن کی تعریف کرتے کرتے زبانیں نہیں تھکتیں! ممکن ہے کسی کے پاس یہ کتابیں دستیاب نہ ہوں تو ہم آپ کے سامنے اس توہین رسالت کے ارتکاب کی کچھ مثالیں پیش کرتے ہیں، خود ہی فیصلہ کر لیجیے گا:

تبلیغی نصاب میں یہ جھوٹ لکھا گیا ہے کہ آدم علیہ السلام سے جب گناہ سرزد ہو گیا تو نبی ﷺ کے وسیلے سے دعا مانگی، اللہ نے ان کی دعا قبول کی (فضائل ذکر: صفحہ ۱۱۱)۔ یعنی آدم علیہ السلام پر گناہ کرنے اور نبی ﷺ کا وسیلہ پکڑ کے شرک کرنے کی تہمت لگائی گئی ہے۔ بلکہ اس جھوٹ کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے منسوب کر کے اس میں اللہ رب العزت اور نبی محترم ﷺ پر بھی تہمت لگائی گئی ہے۔ تبلیغی نصاب کے مصنف "شیخ الحدیث" زکریا صاحب نے صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر اتہام طرازی میں تمام حدود سے تجاوز کر دیا! اپنی کتاب فضائل درود کی ایک حکایت میں نبی ﷺ پر تہمتیں لگائی ہیں ایک سود خور کے سیاہ ہو جانے والے منہ پر ہاتھ پھیر کر اس کے منہ کو درست کر دیا، ایک گناہگار عورت کے سیاہ ہو جانے والے منہ اور پھول جانے والے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر درست کر دیا! غور فرمایئے، کیسا شدید حملہ کیا ہے ناموسِ رسالت پر! کہاں ہیں وہ لوگ جو عیسائیوں کی جانب سے توہین رسالت کے قانون کو ختم کرنے کے مطالبے پر جان کی بازی لگا دینے اور ناموس رسالت پر مر مٹنے کا عہد کرتے ہیں؟ کیا ان شیخوں اور علاماؤں کے دل میں ذرا بھی احترام ہے ناموسِ رسالت کا، یا یہ محض لفاظی اور بیان بازی ہی ہوتی ہے؟ یہ ایک مزید لطیفہ ہے کہ اس توہینِ رسالت کے قانون کے دفاع میں آواز بلند کرنے والے انہی "شیخ الحدیث صاحب" کے مسلک کے پیروکار ہوتے ہیں مگر انہیں اپنے شیخ کی یہ کھلی توہین توہین ہی نظر نہیں آتی بلکہ الٹا نشاندہی کرنے والے کے مخالف ہو جاتے ہیں! فاضل مصنف کی تاریخ مشائخ چشت، فضائل درود، فضائل حج؛ اشرف علی تھانوی کی کتاب حکایات اولیاء، جمال الاولیاء، قصص الاولیاء؛ صوفیوں کی سوانح و سیر اور کرامات کی کتابوں میں درج سینکڑوں ہزاروں حکایتیں پڑھ لیں؛ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے کیسا تمسخر کر رہی ہیں، توحید کے پرخچے اڑا رہی ہیں، شریعت کی دھجیاں بکھیر رہی ہیں، اللہ کے پسندیدہ دین اسلام کے پرزے پرزے کر کے اس کی ایک اور ہی شکل پیش کر رہی ہیں جس کا کتاب و سنت سے کوئی تعلق نہیں!

نہ جانے کہاں سے لوگ اتنا دل گردہ لے آتے ہیں کہ معصوم انبیاء علیہم السلام پر بھی شرک و کفر کی تہمت لگا دیتے ہیں! ایک اور صاحب جنہیں داعی

حق گردانا جاتا ہے، محمد بن عبدالوہاب نجدی حنبلی، جن کے مناقب اور مدح و تعریف میں مسلک پرستوں نے باقاعدہ کتابیں تصنیف کی ہیں (خاص طور پر اہل حدیث مسلک کا تو ہر داعی اور لکھنے والا انہیں مرد مجاہد، مجدد دین، توحید کا علمبردار، وغیرہ گردانتا ہے)، انہوں نے اپنی تصنیف ''کتاب التوحید'' میں ایک انتہائی مکروہ بات تحریر کی ہے۔ انہوں نے قرآنی آیت:

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ

(الاعراف:۱۹۰)

''جب اُس نے ان دونوں کو ایک تندرست بچہ دیا تو انہوں نے اُس کی اس عطا میں اس کے شریک ٹھہرالیے۔ سو اللہ ان کے شرک سے برتر ہے''

نقل کر کے غیر اللہ کی عبودیت کے نام مثلاً عبد عمر، عبد کعبہ وغیرہ رکھنا حرام قرار دیا؛ پھر اس آیت کی تفسیر میں ایک غیر ثابتہ روایت کے ذریعے آدم وحوا ؑ کو اس کا مصداق ٹھہرایا۔ لکھتے ہیں کہ جب حوا حاملہ ہوئیں تو شیطان نے آکر انہیں ڈرایا کہ تم اس بچے کا نام عبدالحارث رکھنا وگرنہ میں ایسا کردوں گا ویسا کردوں گا، انہوں نے نہ مانا، بچہ پیدا ہوکر مرگیا۔ دو دفعہ ایسا ہوا، تیسری دفعہ جب حوا حاملہ ہوئیں تو شیطان نے آکر پھر وہی مطالبہ کیا۔ اس دفعہ انہیں بچے کی محبت آگئی اور انہوں نے اس کا نام عبدالحارث رکھ دیا۔ اور اس طرح انہوں نے اطاعت کا شرک کیا، عبادت کا نہیں (کتاب التوحید: صفحات ۱۳۵ تا ۱۳۷)۔ نجدی صاحب کو اتنی جرأت کیوں نہ ہوتی اور وہ کیوں نہ ایسا کفر بکتے جبکہ ان کے امام اور مقتداء، احمد بن حنبل صاحب (جن کے عقیدے کو اختیار کرنا یہ بہت بڑی نعمت سمجھتے تھے جیسا کہ ان کی اسی کتاب التوحید کے مترجم مقدمے کے صفحہ ۱۹ پر درج ہے) انہوں نے بھی، اپنی ضخیم مسند میں نبی ﷺ سے یہ جھوٹی روایت منسوب کی ہے کہ آدم وحوا ؑ نے بچہ مرجانے کے خوف سے اس کا نام عبدالحارث رکھ دیا، اور یہ سب شیطان کے حکم سے ہوا۔ (مسند احمد: ۵/۱۱)

انبیاء ؑ پر تہمت اور الزام تراشی کی انتہا تو ان صاحب نے کی جنہیں یہ مسلک پرست لوگ ''داتا گنج بخش'' کہتے ہیں جن کا اصل نام علی ہجویری حسن جلابی تھا۔ ہجویری صاحب نے اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں جس کی تعریف میں مسلک پرست رطب اللسان رہتے ہیں، انتہائی جرأت و بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے داؤد ؑ پر یہودیوں اور نبی ﷺ پر منافقوں کی طرف سے لگائے گئے جھوٹے الزامات کو درست ثابت کر کے ان محترم انبیاء علیہما الف الف صلوٰۃ وسلام کی شان میں انتہائی گھناؤنی باتیں لکھی ہیں۔

علمائے بنی اسرائیل نے اپنے محسن انبیاء ؑ پر طرح طرح کے جھوٹے الزامات لگا کر ان کے کردار کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے اور انہیں اپنی کتب مقدسہ میں درج کردیا ہے تاکہ اپنی بدکرداری اور اللہ کی نافرمانی کو جواز مل جائے کہ ہمارے انبیاء ہی اس کردار کے تھے اس لیے ہم اگر ایسے ہیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے! چنانچہ آج بھی جو توریت عہد نامہ عتیق یا قدیم کے نام سے بائبل کے پہلے حصے میں پائی جاتی ہے اس میں جہاں دوسرے متعدد انبیاء ؑ مثلاً آدم، نوح، ابراہیم، لوط، یعقوب، ہارون اور سلیمان ؑ وغیرہم کے کردار پر بڑے رکیک اور انتہائی شرمناک جھوٹے الزامات لگائے گئے ہیں (بائبل: کتاب پیدائش، باب ۲، آیت ۲۵، باب ۹، آیت ۲۰ وغیرہ، باب ۱۳، آیت ۹/ باب ۱۲، آیت ۱۰ تا ۲۰، وغیرہ، باب ۱۹، آیت ۳۰ وغیرہ، باب ۲۷، آیات ۱ تا ۴۰، کتاب خروج، باب ۳۲، آیت ۱ تا ۶/ کتاب گنتی، باب ۱۲، آیات ۱ تا ۳، کتاب سلاطین اول، باب ۲، آیت ۲۳ وغیرہ، باب ۱۱ آیت ۱ تا ۱۳) وہیں داؤد ؑ جیسے اللہ کے عبادت گزار اور اللہ سے ڈرنے والے اپنے محسن کا دامن کردار بھی انہوں نے ایک بہت بڑے الزام سے داغدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہرچند کہ نقل کفر کفر نہ باشد، لیکن عصمت انبیاء و عظمت انبیاء کے پیش نظر اسے نقل کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ بطور اشارہ خلاصتاً اتنا کافی ہوگا کہ ان ظالموں نے اتنے برگزیدہ پیغمبر کو ایک عام آدمی سے بھی گیا گزرا بنادیا، ان پر اتہام عائد کیا کہ وہ اپنے ایک فوجی کی بیوی سے ملوث ہوئے اور پھر اس سے شادی کے لیے اس کے شوہر کو ایک حیلے سے مروادیا۔ جو شخص اس واقعے کی تفصیل جاننا چاہے وہ بائبل، کتاب سموئیل دوم، باب ۱۱ اور ۱۲ پڑھ لے۔ بنی اسرائیل چونکہ اپنے انبیاء ؑ پر فحش قسم کے الزامات عائد کرنے میں بڑے بے باک تھے اور ایسی ایسی باتیں جو ایک عام سطح کے شریف آدمی سے منسوب کرتے ہوئے بھی انسان کو حیاء اور جھجک محسوس ہوتی ہے، وہ بغیر ہچکچاہٹ کے اپنے برگزیدہ نبیوں اور عالی ظرف محسنوں کی طرف بے محابا منسوب کردیتے تھے۔ چنانچہ انہی لچر خرافات میں سے ایک یہ بھی واقعہ ہے، جس کو بائبل میں نمک مرچ لگا کر بیان کیا گیا ہے۔

مدینے کے منافقوں نے بھی اسی طرح کی حرکت آخری نبی مکرم ومحترم محمد ﷺ کے ساتھ کی اور زینب ؓ کے ساتھ آپ ﷺ کی شادی کی بڑی مکروہ وجہ بتائی جس کو طبری اور ابن اثیر نے اپنی تاریخ کی کتابوں میں بڑے رنگ آمیزانہ انداز میں پیش کیا۔ من شاء فلیرجع الیهما! قرآن میں سورۃ الاحزاب کی آیات ۳۶ تا ۴۰ میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کی تفصیل بیان کرکے ان اعتراضات والزامات کی تردید فرمائی اور اپنے رسول ﷺ کے دامن کو ان جھوٹے الزامات کے داغ سے صاف کردیا۔

قرآن وحدیث کی تعلیمات کے ذریعے انبیاء ؑ کے مقام و مرتبے، مناقب وفضائل، ان کی سیرت و کردار کی بلندی، اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں ان کے اخلاص واستقامت اور اللہ کی بارگاہ میں جوابدہی اور ہر حال میں اسی سے رجوع کرنے کے احساس ذمہ داری کو واضح کرکے ان کو انسانیت کے لیے اللہ کی بندگی کا ایک قابل تقلید نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اس قدر واضح تصریحات کے باوجود ایسے شقی القلب دعویداران ایمان واسلام کی جرأت وجسارت دیکھیے کہ ان نفوس قدسیہ کی عصمت اور ان کے کردار کو داغدار کرنے والے اعتراضات والزامات کے سلسلے میں کتاب وسنت کی بجی

تعلیمات اور ان کے محکم دلائل سے رجوع کرنے کے بجائے اسرائیلی روایات اوران میں بیان کیے گئے من گھڑت قصے کو اپنی جھوٹی اور نفس پرستانہ تاویلات کی بنیاد بناتے ہیں! ہجویری صاحب کی جرأت ملاحظہ کیجیے کہ یہود اور دوسرے دشمنانِ اسلام کی طرف سے داؤد علیہ السلام اور اللہ کے آخری رسول ﷺ پر لگائے جانے والے مذکورہ بالا الزامات کو نہ صرف درست تسلیم کیا ہے بلکہ تصوف کی اصطلاحات کے ذریعے ان کی دل پسند تاویل بھی کردی تاکہ ان کے اندھے عقیدت مند ان کی گستاخانہ جرأت پر بدمزہ ہونے کے بجائے، ان کی متصوفانہ تاویل اور گمراہ کن موشگافی پر جھوم جھوم جائیں!

(کشف المحجوب: باب محو و سکر، صفحہ ۳۴۹)

ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص ان باتوں کو تاریخ کی دروغ گوئی سمجھ کر درخور اعتنا نہ جانے لیکن اس کو کیا کیجیے کہ جو لوگ اپنی پہچان ہی ''حدیث'' کو قرار دیتے ہیں وہ تک ان ابلیسی خرافات کو بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ نام نہاد اہلحدیثوں کے مقتدا محمد ابن قیم صاحب نے بھی اپنی کتاب ''الجواب الکافی'' (صفحات ۳۵۲، ۳۵۳) میں داؤد علیہ السلام اور نبی ﷺ کے حوالے سے یہ دونوں باتیں عورتوں سے عشق کے استدلال میں بیان کی ہیں۔ مگر جس طرح شاہ اسماعیل دہلوی کی ''تقویۃ الایمان'' نامی کتاب میں تصرف کر کے ان کے معتقدوں نے ''یا اللہ کچھ دے شیخ عبدالقادر کے واسطے'' کے الفاظ نکال دیے ہیں تاکہ اپنے ممدوح کے بیان کردہ وسیلے کے شرک پر پردہ ڈالا جاسکے، اسی طرح ابن قیم کی مذکورہ کتاب کے مترجم ندوی صاحب نے تصرف فرماتے ہوئے صفحہ ۳۵۲ پر زینب رضی اللہ عنہا کے واقعے کے ساتھ ''غلط واقعہ'' کی سرخی اپنی طرف سے بڑھا دی جبکہ دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان کی مطبوعہ اصلی عربی کتاب کے صفحہ ۱۸۱ پر ایسی کوئی سرخی موجود نہیں، نہ ہی مصنف نے اسے ''غلط واقعہ'' قرار دیا ہے۔ اسی طرح مترجم صاحب نے صفحہ ۳۵۳ پر اُوریا حتی کے واقعے کا ترجمہ کرتے ہوئے ''یہود کی دسیسہ کاری'' کی سرخی جمادی ہے جبکہ اصل کتاب کے مذکورہ صفحے پر اس کا کوئی وجود نہیں۔ مترجم صاحب نے ابن قیم کے قصور پر پردہ ڈالنے کی کوشش میں ایک مزید تصرف کرتے ہوئے صفحہ ۳۷۲ پر داؤد علیہ السلام کے مذکورہ واقعے کے آخر میں اپنی طرف سے ان الفاظ کا اضافہ کردیا کہ ''دراصل یہ واقعہ سرے ہی سے بناوٹی اور اسرائیلی روایات کا ملغوبہ ہے'' جبکہ اصل کتاب میں ایسا کوئی بیان نہیں (ملاحظہ فرمایے اس کا صفحہ ۱۸۹)۔ اسی طرح مترجم موصوف نے صفحہ ۳۷۳ پر زینب رضی اللہ عنہا کے واقعے کے بارے میں یہ الفاظ بڑھا دیے کہ

''بس یہ ہے تمام واقعہ، نہ اس میں قلب ونگہ کی بات ہے، نہ عشق و معاشقہ کی'' جبکہ ابن قیم نے ایسی کوئی بات سرے سے لکھی ہی نہیں بلکہ انہوں نے تو ان دونوں واقعات کو بالکل درست جانتے ہوئے عورتوں سے محبت ہوجانے کے ثبوت میں پیش کیا ہے (ملاحظہ فرمایے اس کا صفحہ ۱۸۹)۔ یہ ان کے اندھے معتقدین (بلکہ مقلدین) ہیں جو اپنے اسلاف کے دفاع میں اُن کی غلطیوں کی پردہ پوشی کررہے ہیں اور اپنی اس باطل کوشش میں انبیاء علیہم السلام کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں!

مذکورہ صدر کشف المحجوب میں زلیخا کے حوالے سے یوسف علیہ السلام کے متعلق ناگفتہ بہ باتیں کی گئی ہیں جو عصمت انبیاء علیہم السلام کے پیش نظر صریح توہین کے زمرے میں آتی ہیں اور کوئی حیادار شریف آدمی انہیں اپنی زبان پر لانا پسند نہیں کرے گا۔ (ملاحظہ فرمایے صفحہ ۵۰۴ اور ۵۳۴)

اسی طرح ''تقویۃ الایمان'' نامی کتاب لکھ کر چاردانگ عالم میں توحید کا درس دینے والے شاہ اسماعیل نے اپنی دوسری کتاب ''صراط مستقیم'' میں لکھا کہ ان کے پیر صاحب کو علی رضی اللہ عنہ نے غسل دینے کے بعد ان کا بدن پونچھا اور رسول اللہ ﷺ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کپڑے پہنائے۔ (صفحہ ۲۲۱)

مسیح علیہ السلام کی توہین میں ہمارے علامہ صاحب بھی کسی سے کم نہیں۔ ہماری مراد شاعر علامہ اقبال سے ہے جن کی برسی و پیدائش کے دنوں پر شائع ہونے والے خصوصی ایڈیشنز، رسائل و جرائد و کتب میں ان کی دینداری و دینی خدمات کے بارے میں کیسے کیسے بلند آہنگ دعوے کیے جاتے ہیں، مگر دہلی میں ایک صوفی کے مزار پر جا کر جو کچھ انہوں نے فرمایا وہ ان دعووں کو باطل ٹھہراتا ہے۔ موصوف نے نظام الدین اولیاء کی شان میں فرمایا:

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تیری، فیض عام ہے تیرا
تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

(روزنامہ جنگ، مورخہ ۲۵ اپریل ۲۰۰۲ء، صفحہ ۷، نفیس صدیقی کا کالم التجائے مسافر)

اپنے پیر صاحب کی تعریف میں مبالغہ کرتے کرتے توہین رسالت کر جانے میں توحید کے دعویدار بھی پیچھے نہیں رہے۔ یہ المیہ ہے کہ دوسروں کے لیے جن باتوں پر کفر و شرک، بدعت و ضلالت و معصیت کے فتوے دیے جاتے ہیں، وہی باتیں ان کے اکابرین کے لیے، عین ایمان و یقین، توحید و سنت، ہدایت و معرفت، اجر و ثواب ٹھہرائی جاتی ہیں! کربلا کے شہداء کے لیے مرثیہ گوئی پر شیعوں کے لیے کیا کچھ نہیں کہا جاتا، مگر جب رشید احمد گنگوہی صاحب اس دارفانی سے اپنے مقام ابدی کی طرف کوچ فرماتے ہیں تو ان کے عقیدت مند مرید محمود حسن صاحب مرثیہ لکھتے ہوئے زمین و آسمان کے قلابے ملادیتے ہیں اور توہین رسالت کا ارتکاب کرتے ہوئے یہ تک فرمادیتے ہیں کہ

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں
عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی
مسیحائے زماں پہنچا فلک پر چھوڑ کر سب کو
چھپا چاہ لحد میں وائے قسمت ماہ کنعانی
وفات سرور عالم کا نقشہ آپ کی رحلت
تھی ہستی گر نظیر، ہستی محبوب سبحانی

ے مُردوں کو زندہ کیا زندہ کو مرنے نہ دیا
اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم

(بحوالہ الدیوبندیت از عبدالعزیز مرادآبادی، مکتبہ فکر رضا، کھیوڑہ)

اور ان پیر صاحب نے اور ان کے دوسرے مرید باصفا اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنے پیر صاحب امداداللہ صاحب کا فرمان اس طرح نقل کیا کہ انہوں نے دیکھا: اللہ کے نبی ﷺ نے ان کی بھاوج سے جو ان کے مہمانوں کے لیے کھانا پکا رہی تھی کہا کہ اٹھ تو اس قابل نہیں کہ امداداللہ کے مہمانوں کا کھانا پکائے، اس کے مہمانوں کا کھانا تو میں پکاؤں گا۔

(تذکرۃ الرشید: حصہ اوّل، صفحہ ۴۶/امدادالمشتاق: صفحہ ۱۷، ۲۴)

یوسف بنوری کے والد زکریا بنوری کے مرض الوفات میں ان کا نوکر بادشاہ خان ان کی خوب خدمت کرتا تھا، ان کی ناک تھوک صاف کرنے سے لے کر ان کو استنجا و رفع حاجت کروانے تک ہر خدمت بصد شوق بجالاتا۔ نبی ﷺ نے آکر اس سے کہا کہ تو ہی زکریا کی خدمت نہیں کر رہا، یہ کام تو میں بھی کر رہا ہوں۔ (معاذ اللہ!) (ملاحظہ فرمایے: بینات، اگست ۱۹۷۵ء)

آج کل ملک میں توہین رسالت کے قانون کا بہت شور ہے۔ جہاں عیسائی حلقے اور ان کے اعوان وانصار انسانی حقوق، آزادئ نسواں اور معذور بچوں کی تعلیم وفلاح و بہبود کے نام پر چہار جانب سے کروڑوں ڈالرز کے فنڈز ہڑپ کرنے والی مذہب بیزار NGOs اس کے منسوخ کیے جانے کا مطالبہ کرتی ہیں، وہاں بعض مسالک اس کے باقی رکھنے پر مصر ہیں۔ ناموسِ رسالت کی حفاظت تقاضۂ ایمان ہے اور اس قانون کو باقی رکھنے کا مطالبہ بالکل جائز اور حق بجانب ہے لیکن یہ قانون تو خود ان مسلک پرستوں کے ہاتھوں کھیل بنا ہوا ہے۔ معاندین اپنے مخالف پر توہینِ رسالت کا جھوٹا مقدمہ قائم کرا کر جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈلوا دیتے ہیں۔ قرآن وحدیث کی تعلیمات سے بے بہرہ اہلِ اقتدار اس قانون کی حدود وقیود، اس کے اطلاق و نفاذ سے لاعلم، ہاتھ میں ڈنڈا لے کر ان کے پیچھے ہو لیتے ہیں:

☜ اگر نبی ﷺ کو قرآن وحدیث کے فیصلے کے مطابق بشر کہہ دیا تو مقدمہ قائم!

☜ اگر حدیث نبوی پیش کی جائے کہ حشر میں سب لوگ بے لباس اٹھیں گے اور سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا، فوراً مقدمہ قائم!

☜ اگر نبی ﷺ کو از روئے قرآن وحدیث بشر مانا جائے، عالم الغیب نہ مانا جائے تو فوراً مقدمہ قائم!

غرضیکہ اپنے مسلکی بغض وعناد کے اظہار کا ایک اچھا ذریعہ ان کے ہاتھ آ گیا ہے۔ حالانکہ ان کے لٹریچر کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اپنے حریف مسالک کے ساتھ ساتھ، جن کی مثالیں اوپر دی گئی ہیں، توہین رسالت کے یہ لوگ خود مرتکب ہیں اور یہ خود سب سے بڑے گستاخ رسول ہیں۔ ثبوت کے لیے حدائق بخشش (حصہ سوم، صفحہ ۳۷) میں درج وہ اشعار پڑھیے جو بریلوی مذہب کے مجدد صاحب نے حرم نبوی اور مومنوں کی ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں کہے ہیں، جنہیں کوئی حیادار آدمی زبان پر بھی نہیں لاسکتا۔ اور یہ مجدد صاحب یہ بھی کہتے تھے کہ نبی ﷺ نے ان کی اقتداء میں نمازِ جنازہ پڑھی۔ (ملفوظات حصہ دوم، صفحہ ۲۷) اسی مذہب کا فتویٰ ہے کہ

''حضرت مسیح علیہ السلام پہلی آمد میں ناکامیاب رہے اور یہود کے ڈر کے مارے کام تبلیغ رسالت سرانجام نہ دے سکے''

(جامع الفتاویٰ انوار شریعت: جلد ۳، صفحہ ۳۸)

ایک بریلوی پیر صاحب کا طائر فکر اپنے پیر صاحب کی تعریف میں تمام حدود سے تجاوز کر جاتا ہے۔ ذرا ان کی جرأت ملاحظہ ہو:

ے لاکھوں جلائے آپ نے ٹھوکر کے زور سے
اٹھتا نہیں مسیح سے مارا فرید کا

(دیوان محمدی: صفحہ ۱۲۴)

اور ایک دوسرے صاحب یوں خامہ فرسائی فرماتے ہیں:

ے خادم ہیں تیرے سارے جتنے حسیں جہاں کے
یوسف سے تجھ پہ قرباں شیریں مقال والے

(انوار علی پور: صفحہ ۱۰)

اور یہ بات تو ان کی کتابوں تفریح الخاطر، کرامات غوث اعظم، اخبار الاخیار وغیرہ میں عام لکھی ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی صاحب کی محفل وعظ میں تمام انبیاء علیہم السلام اپنے جسموں اور روحوں کے ساتھ شرکت فرماتے تھے، یعنی شیخ صاحب منبر پر بیٹھ کر وعظ فرماتے اور تمام انبیاء علیہم السلام نیچے بیٹھ کر سماعت فرماتے! کیا یہ واقعات توہینِ رسالت کے زمرے میں نہیں آتے؟ کیا ان واقعات کی اشاعت وتبلیغ کرنے والوں کے خلاف توہین رسالت کا مقدمہ نہ قائم کیا جائے؟ کیا اس کا ارتکاب کرنے والے اب بھی اس بات کے مستحق ہیں کہ ان سے کوئی تعلق برقرار رکھا جائے؟ ان کے نعرے بلند کیے جائیں، انہیں انبیاء کا وارث قرار دیا جائے!

اللہ کے رسول ﷺ سے محبت بے شک ایمان کا جزو لازم ہے جس کے بغیر ایمان معتبر ہی نہیں۔ جس کے دل میں اپنے والدین اور اولاد سے زیادہ نبی ﷺ کے لیے محبت نہ ہو، وہ شخص مومن ہی نہیں۔ (بخاری: کتاب الایمان) دوسری حدیث میں بتایا کہ جو اللہ اور اس کے رسول سے سب سے زیادہ محبت کرے تو وہ ایمان کی حلاوت کو پا لیتا ہے۔ (ایضا) رسول سے بھی پہلے اللہ سے تعلق ہے، ایک ایمان والے کو اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ محبت ہوتی ہے جیسا کہ قرآن میں بتایا گیا:

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (البقرۃ: ۱۶۵)

ایمان والوں کا اللہ سے یہ تعلق اس بات کا متقاضی ہے کہ توہین رسالت کے فعل شنیع پر اس کے مرتکبین کے ساتھ شدید نفرت وبیزاری کے ساتھ ساتھ ان لوگوں سے بھی قطعاً کوئی عقیدت ومحبت، تعلق ووابستگی نہ ہو جو اللہ کی شان میں گستاخی سے بھی نہیں چوکتے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ ان مسلک پرستوں

کے اکابرین کی تحریروں میں توہین رسالت کے ساتھ ساتھ اہانت باری تعالیٰ کا بھی ارتکاب کیا گیا ہے:

اسی کشف المحجوب میں صوفیوں کے حالات بیان کرتے ہوئے بایزید کے بارے میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ کسی شخص نے ان کے گھر کے باہر سے پکارا کہ

هل ابویزید فی البیت: کیا بایزید گھر میں ہیں؟

فقال ابویزید مافی البیت الا اللہ:

''تو حضرت بایزید نے جواب دیا: گھر میں سوائے خدا کے کوئی نہیں''۔

(صفحات ۴۴۶، ۴۴۷)

اور ''حضرت عبدالحق محدث دہلوی'' نے اپنی حدیث دانی کا ثبوت اللہ تعالیٰ کو صوفیوں کی گود میں دے کر فراہم کیا! صوفیوں کے حالات پر لکھی گئی ''اخبار الاخیار'' نامی کتاب میں صفحہ ۲۸۳ پر شیخ ملاوہ کے حالات کے تحت انہوں نے لکھا ہے کہ (معاذ اللہ) موصوف اپنی گود میں اللہ تعالیٰ کو لے کر ناچنے لگے۔

ایک دوسرے ''محدث دہلوی'' شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب انفاس العارفین (صفحہ ۴۹) میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے والد سے ملنے کے لیے ان کے گھر تشریف لایا؛ ایک دفعہ جب ان کی طبیعت بہت بے چین ہو رہی تھی تو ایک عورت کی شکل میں ان کے پاس چلا آیا جس کو دیکھ کر ان کی آتش شوق بھڑک اٹھی اور قرب کی خواہش پیدا ہوئی، جس پر وہ عورت ان کے قریب آ گئی اور یہ اس سے ہم آغوش ہو گئے؛ (معاذ اللہ)

اور ان ''اعلیٰ حضرت'' نے تو (معاذ اللہ) حسب روایت اپنے سب سے ''اعلیٰ'' ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے ایک صوفی کو اللہ تعالیٰ کی بیوی تک بنا ڈالا! (تفصیل جاننے کے لیے ان کے ملفوظات میں نوری سہاگ کا واقعہ پڑھ لیا جائے)

یوسف بنوری نے اپنے والد کی وفات پر ان کے کارنامے بیان کرتے ہوئے لکھا کہ ان کے والد شادی نہیں کرتے تھے، مگر جب ان پر خواب میں یہ ''حقیقت'' واضح کر دی گئی کہ علی ﷺ نے عرش الٰہی پر بیٹھ کر ان کا نکاح فلاں فلاں عورت سے کر دیا ہے تو پھر انکار ختم کر دیا اور ''ازدواجی زندگی میں قدم رکھ ہی لیا''۔ (بینات، اگست ۱۹۷۵ء)

ان یوسف بنوری کے جانشین ایک دوسرے یوسف کو ان کے مخالفین نے قتل کر دیا۔ اس واقعے پر اسی رسالے بینات کا ایک خاص مجلہ ''شہید نمبر'' شائع کیا جس میں ان کے معتقدین نے اپنے اپنے مضامین میں ان موصوف کے کارنامے بھی حسب روایت بڑھا چڑھا کر بیان کیے۔ اس میں ان کی بیٹی نے بھی ''میرے ابا جی'' کے عنوان سے اپنے تاثرات لکھے اور بتایا کہ

''جس دن ابا جی کو شہید کیا گیا اسی دن بہاولپور کے سلسلہ قادریہ کے ایک بزرگ نے دوپہر کے وقت قیلولہ میں خواب میں دیکھا کہ زمین و آسمان فرشتوں سے بھرا ہوا ہے اور دو مختلف رنگ ولباس کے فرشتے آسمان سے اتر رہے ہیں اور زمین سے کسی چھوٹے سے قد کی ہلکی سی میت کو اٹھائے ہوئے ہیں اور تمام فرشتے قطار در قطار کھڑے مرحبا، مرحبا کے نعروں سے استقبال کر رہے ہیں۔ اسی حالت میں وہ دو فرشتے اس میت کو اٹھا کر آسمان کی طرف لے جا رہے ہیں اور فرشتے اونچی آواز سے مرحبا مرحبا پکار رہے ہیں، بزرگ نے بیدار ہو کر اپنے احباب کو جمع کر کے کہا کہ: آج کسی بہت بڑے اللہ والے کو دنیا سے لے جایا گیا ہے۔ شام کو اطلاع ملی کہ حضرت کو شہید کر دیا گیا۔ اس بزرگ نے ہمارے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کے والد بہت بڑے اللہ والے تھے اور پھر اپنا خواب بیان فرمایا اور یہ بھی کہ اللہ رب العزت نے تین دن تک مرحبا سے ان کا استقبال کیا ہے۔'' (بینات، شہید نمبر، دسمبر ۲۰۰۰ء، صفحہ ۴۹۶)

اللہ کے جس عرش پر علی ﷺ کے ساتھ یوسف بنوری کے باپ کو بٹھا دیا گیا، وہ عرش جس کی عظمت و کرامت خود اللہ رب العزت نے اپنی کتاب میں بیان فرمائی ہے (التوبہ: ۱۲۹، المومنون: ۱۱۶) اور جس کی تعظیم مومنوں کے تقوے کی نشانی ہے (الحج: ۳۲)، ان مسلک پرستوں کے نزدیک نبی ﷺ کی قبر اس سے بھی افضل ہے۔ (عقائد علمائے دیوبند اور حسام الحرمین، صفحہ ۲۱۹) یہ بات تو تحریراً موجود ہے ورنہ تبلیغی جماعت والے تو اپنے بیانات میں عرشِ الٰہی کو نبی ﷺ کی جوتی کے برابر بھی نہیں سمجھتے اور دعویٰ کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی جوتی اللہ کے عرش سے بھی افضل ہے (معاذ اللہ) کیونکہ اس جوتی نے ان کی طرح تبلیغی سفر کر کے چلے کاٹے ہیں!

اسی مکرم و معظم عرش الٰہی کو صوفی بایزید بسطامی اپنا جنازہ قرار دیتا تھا!
(راحت القلوب - ملفوظات خواجہ فریدالدین گنج شکر مرتبہ نظام الدین اولیاء، صفحہ ۲۱۵)
بلکہ اس سے بھی بڑھ کر وہ تو یہ بھی دعویٰ کرتا تھا کہ

سُبْحَانِيْ مَا أَعْظَمُ شَانِيْ ''میں ہوں پاک ذات، میری بلندیٔ شان کا کیا پوچھنا''

خُضْتُ بَحْراً وَوَقَفَ الْأَنْبِيَاءُ بِسَاحِلِهٖ

''میں نے تو بحر (معرفت) میں غوطہ لگا لیا اور انبیاء اس کے ساحل پر کھڑے رہے''

مُلْكِيْ أَعْظَمُ مِنْ مُلْكِ اللّٰهِ ''میری بادشاہی اللہ کی بادشاہی سے عظیم ہے''

مَافِيْ جُبَّتِيْ إِلَّا اللّٰهُ ''میرے جبہ میں اللہ کے علاوہ کچھ نہیں''

لِوَائِيْ أَرْفَعُ مِنْ لِوَاءِ مُحَمَّدٍ ''میرا جھنڈا محمد کے جھنڈے سے بلند ہے''

اعاذنا اللہ! ان صریح کلمات کفر کو ان مسلک پرستوں نے درست و بجا سمجھا ہے اور ان سے برأت و بیزاری کے بجائے ان کی تشریح و توضیح کر کے ان کو روا رکھنے کی کوشش کی ہے جیسے علی ہجویری صاحب فرماتے ہیں کہ یہ کہنا اُن کی گفتار کا نشانہ ہے اور در حقیقت یہ کہنے والا حق تعالیٰ ہی پردۂ عبد میں ہے (کشف المحجوب: صفحہ ۳۳۳؛ نیز ملاحظہ فرمایئے انفاس العارفین، امداد المشتاق وغیرہ)۔ صوفی منصور حلاج کے قول ''أنا الْحق'' (میں اللہ ہوں) کو بھی اسی طرح تشریح کر کے جائز ٹھہرا لیا گیا یعنی کسی نے اس کو توہین نہ سمجھا؛ کوئی ایک زبان بھی اس کے خلاف نہ کھلی! اب اگر یہ کلمات بھی اللہ اور اس کے رسول کی توہین نہیں کرتے تو پھر توہین اور ہے کیا؟

عجیب ستم ظریفی ہے کہ الوہیت کے ان دعویداروں کو تمام مسلک پرست ''اولیاء اللہ'' بنائے ہوئے ہیں جب کہ قرآن کی آیت: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ (یونس: ۶۳) کے مطابق تو اللہ سے ڈرنے والے اہل ایمان ہی اللہ کے ولی ہو سکتے ہیں نہ کہ اللہ و رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے! کیا یہ سب رب ذوالجلال کے اس قہر و غضب کو بھڑکانے کا سبب نہیں جس میں آج یہ کلمہ گو امت اس بری طرح مبتلا ہے؟

قافلہ ہے رواں دواں

امیر تنظیم ورفقاء کا دورۂ سرحد

اکتوبر ۲۰۰۰ء میں امیر تنظیم نے صوبہ سرحد کے علاقوں کا دس روزہ دورہ کیا جس کے لیے ایک قافلہ ۱۸ تاریخ کی رات کو خیبر میل سے روانہ ہوا جو ۲۰ تاریخ کو دوپہر سے پہلے پشاور پہنچ گیا۔ یہاں سرحد کے امیر نیاز اللہ صاحب اپنے ہمراہیوں کے ساتھ استقبال کے لیے پہلے سے موجود تھے۔ مقامی ساتھیوں کے علاوہ ملحقہ علاقوں سے بھی بڑی تعداد میں لوگ یہاں وزیر کالونی کی مسجد توحید میں جمع ہوگئے تھے۔ آج جمعہ تھا۔ صلوٰۃ الجمعہ سے پہلے ہی ساتھیوں کی ضیافت کا بندوبست کر دیا گیا جس کا اہتمام دورے کے ہر مقام پر کیا گیا۔ صلوٰۃ الجمعہ کی امامت امیر محترم نے فرمائی جس سے پہلے محمدی گل صاحب نے سورۃ الکہف کی آیات ۱۳ تا ۱۶ کے حوالے سے پشتو میں تقریر کی۔ دورے کی دیگر تقاریر بھی پشتو زبان میں ہوئیں۔

صلوٰۃ الجمعہ کے بعد امیر تنظیم نے ایک گھنٹے تک سوالوں کے جواب دیے۔ اس کے بعد ساتھیوں کا تعارف ہوا۔ مقامی شوریٰ کے ساتھ تفصیلی مشاورت ہوئی اور وہاں کے مسئلے مسائل نوٹ کر لیے گئے۔ ہر دورے کی طرح ہر مقام پر اس طرح کی مشاورت کی گئی۔ صلوٰۃ العصر کے بعد ساتھی پشاور کے علاقے پبی کے لیے روانہ ہوگئے۔ قافلے کے ہمراہ بہت سے مقامی ساتھی بھی ساتھ ہو لیے جو آخر تک دورے میں ساتھ رہے۔

قافلہ پبی کی مسجد توحید مغرب سے کچھ پہلے پہنچ گیا جہاں اٹک سے بھی کچھ ساتھی آئے ہوئے تھے۔ صلوٰۃ العشاء کے بعد شرافت اللہ صاحب نے سورۃ النحل کی آیات ۵۱ تا ۶۰ کے حوالے سے درس قرآن دیا جس کے بعد امیر تنظیم نے سوالوں کے جواب دیے۔ رات کا قیام اسی مسجد میں ہوا۔

صلوٰۃ الفجر کے بعد کتیاڑی کے نوجوان ساتھی عرفان نے سورۃ یوسف کی آیات: ۱۰۵ تا ۱۰۷ کے حوالے سے بہت اچھی تقریر کی۔ ناشتے سے فارغ ہو کر قافلہ خیشگی پایاں کی مسجد توحید کے لیے روانہ ہوگیا۔

یہاں بھی ملحقہ علاقوں سے کافی ساتھی جمع ہوگئے تھے۔ ظہر کے بعد کتیاڑی کے ساتھی زاہد خان صاحب نے اسی سورۃ کے آخری رکوع پر تقریر کی۔ اس دوران امیر تنظیم نے مقامی نظم کے ساتھ طویل مشاورت کی اور وہاں کے مسائل حل کیے۔ صلوٰۃ العصر کے بعد قافلہ نزدیکی بستی شاہ بڑا کے لیے روانہ ہوگیا۔

صلوٰۃ العصر مسجد توحید شاہ بڑا میں ادا کر کے درس قرآن دیا گیا۔ مدرس محمدی گل صاحب تھے۔ موضوع سورۃ عبس کی ابتدائی ۱۲ آیات تھیں۔ درس کے آخر میں سوال و جواب کا پروگرام ہوا جس کا پشتو ترجمہ امیر سرحد نیاز اللہ صاحب نے کیا۔ ہر مقام کی طرح یہاں بھی ساتھیوں کی بڑی تعداد جمع ہوگئی تھی جن میں سے، کچھ قافلے کے ساتھ آگے بھی گئے۔ اس کے بعد قافلہ خیشگی کی مسجد توحید واپس آگیا جہاں رات بسر کی گئی۔

صلوٰۃ الفجر کے بعد شرافت اللہ صاحب نے سورۃ الشعراء کی آیت: وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ......... کے حوالے سے اسوہ ابراہیمی پر سیر حاصل تقریر کی۔ ناشتے سے فراغت کے بعد قافلہ اگلی منزل گل آباد کے لیے روانہ ہوگیا۔

دس بجے صبح گل آباد کی مسجد توحید میں امیر سرحد نیاز اللہ صاحب نے سورۃ الاحقاف کی ابتدائی آیات کے حوالے سے تقریر کرتے ہوئے عقیدہ توحید کو اجاگر کیا اور شرک کی مختلف اقسام کی نشاندہی کی۔ اس کے بعد سوالوں کے جواب دیے۔ بعد ازاں قافلہ الیاسے کی مسجد توحید کے لیے روانہ ہوگیا۔

صلوٰۃ العصر کے بعد مسجد توحید الیاسے میں گل آباد کے عطاء اللہ صاحب نے سورۃ الانعام کے ساتویں رکوع کے حوالے سے درس قرآن دیا جس کے بعد سوالوں کے جواب دیے گئے۔ مغرب کے بعد قافلہ مورہ باڈہ کے لیے روانہ ہوگیا۔

صلوٰۃ العشاء کے بعد مسجد توحید مورہ باڈہ میں محمدی گل صاحب نے سورۃ النحل کی آیت: أَفَمَن يَخْلُقُ كَمَن لَّا يَخْلُقُ......... کے حوالے سے تقریر کی جس کے بعد سوالوں کے جواب بھی دیے گئے۔ رات کا قیام اسی مسجد میں تھا۔

صلوٰۃ الفجر کے بعد شرافت اللہ صاحب نے سورۃ الاعراف کے حوالے سے ہود علیہ السلام کی دعوت اور ان کی قوم کے ردعمل پر تقریر کی جس کے بعد قافلہ آگے روانہ ہوگیا۔ راستے میں ملاکنڈ ایجنسی کے تاریخی علاقے تل میں کمال گل صاحب سے ملاقات کی گئی۔ یہاں بدھ مت وغیرہ کے آثار قدیمہ پائے جاتے ہیں جن کی باقیات لوگوں کے گھروں پر لگی ہوئی دیکھی جاسکتی ہیں۔ پوری بستی میں ایک کمال صاحب کا ہی گھرانہ موحد ہے باقی علاقہ توحید کے کٹر مخالفوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہاں سے قافلہ کتیاڑی کی مسجد توحید پہنچا جو کہ صوبہ سرحد میں ہمارا سب سے بڑا مرکز ہے۔ اس کے نزدیک سیری اور شاہان میں بھی ہماری دو مساجد ہیں۔

ظہر کے بعد شاہان کی مسجد توحید میں درس قرآن کا پروگرام تھا جہاں دیگر علاقوں سے کافی ساتھی جمع ہو گئے تھے۔ سورۃ الانعام کی آیت : وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ ...... کے حوالے سے محمدی گل صاحب نے درس دیا۔ درس کے بعد امیر محترم نے سوالوں کے جواب دیے۔

صلوٰۃ المغرب کے بعد مسجد توحید کتیاڑی میں درس قرآن ہوا۔ مدرس افضل خان صاحب تھے جنہوں نے سورۃ الحجرات کے دوسرے رکوع کے حوالے سے مومنوں کے آپس کے تعلقات پر بڑی مؤثر تقریر کی۔ اس کے بعد امیر تنظیم نے سوالوں کے جواب دیے۔ رات کا قیام یہیں تھا۔

فجر کے بعد صوابی کے نوجوان ساتھی مشتاق محمد نے سورۃ یٰس کی آیت : اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ .... کے حوالے سے تقریر کی اور جنت میں ایمان خالص کے انعام میں ملنے والی لازوال نعمتوں کو بڑے مؤثر انداز میں بیان کیا۔

ناشتے کے بعد ساتھی نزدیکی مسجد سیرئی چلے گئے جہاں ظہر کے بعد شرافت اللہ صاحب نے سورۃ الکہف کے آخری رکوع کے حوالے سے ردّ شرک میں تقریر کی جس کے بعد منور سلطان نے سوالوں کے جواب دیے جن کا پشتو ترجمہ خیشگی کے ناظم بخت بلند صاحب نے کیا۔

عصر سے پہلے قافلہ مسجد توحید درگئی کے لیے روانہ ہو گیا جہاں مسلسل سفر کر کے صلوٰۃ العشاء کے وقت قافلہ پہنچا جہاں بڑی تعداد میں ساتھی قافلے کے منتظر تھے۔ عشاء کے بعد محمدی گل صاحب نے سورۃ البقرۃ کی آیات ۲۶ تا ۲۸ کے حوالے سے تقریر کی جس کے بعد سوال و جواب بھی ہوئے۔
قافلے نے رات یہیں قیام کیا۔

صلوٰۃ الفجر کے بعد شرافت اللہ صاحب نے سورۃ ابراہیم کے دوسرے رکوع کی آیات پر درس قرآن دیا۔ ناشتے کے بعد قافلہ خنجرا نوکلے کے لیے روانہ ہو گیا۔ یہاں دو مسجد توحید ہیں۔ پہلی مسجد میں ظہر کے بعد افضل خان صاحب نے سورۃ النمل کی آیت: قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى .... پر تقریر کی۔ اس کے بعد سوالوں کے جواب دیے گئے۔ دوسری مسجد میں مغرب کے بعد محمدی گل صاحب نے سورۃ الفیل پر خطاب کیا جس کے بعد سوالوں کے جواب بھی دیے گئے۔ رات یہیں قیام کیا گیا۔

فجر کے بعد گل آباد کے ساتھی عطاء اللہ صاحب نے سورۃ ابراہیم کے پہلے رکوع کے حوالے سے درس قرآن دیا۔ ناشتے کے بعد ساتھی کٹی گڑھی کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہاں پہنچ کر ساتھیوں نے غسل وغیرہ کر کے کچھ دیر آرام کیا۔ ظہر کے بعد محمدی گل صاحب نے سورۃ البقرۃ کی آیت: يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ کے حوالے سے تقریر کی جس کے بعد منور سلطان نے سوالوں کے جواب دیے۔

یہاں سے قافلہ نارنجی کے لیے روانہ ہو گیا۔ راستے میں باجا بام خیل میں ملک کریم کے ڈیرے پر تھوڑی دیر رک کر ساتھیوں سے ملاقات کی گئی۔ عشاء کے وقت قافلہ نارنجی کی مسجد توحید پہنچا جہاں شرافت اللہ صاحب نے سورۃ ھود کی آیات: ۱۱۱ تا ۱۱۹ کے حوالے سے تقریر کی جس کے بعد سوالوں کے جواب دیے گئے۔ رات اسی مسجد میں گزاری گئی۔

فجر کی صلوٰۃ کے بعد افضل خان صاحب نے سورۃ المؤمن کی آیات: ۳۸ تا ۴۶ پر درس قرآن دیا۔ ناشتے کے بعد ساتھی چھوٹا لاہور ضلع صوابی کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہاں کیاڑی کے ساتھی صاحبزادہ صاحب کے بیٹے کا ولیمہ تھا۔ آج جمعہ تھا، ساتھیوں نے غسل وغیرہ کر کے جمعہ کی تیاری کی۔ یہاں کے مرکز میں صلوٰۃ الجمعہ ادا کی گئی جس میں ولیمے کے مدعوئین بھی شریک ہوئے۔ امامت امیر محترم نے کی جس سے پہلے محمدی گل صاحب نے سورۃ یٰس کی آیت: وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَاۗءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ .... کے حوالے سے تقریر کی۔

یہاں سے قافلہ گندف کے لیے روانہ ہو گیا جہاں مغرب سے پہلے پہنچے۔ مغرب کے بعد محمدی گل صاحب نے سورۃ البقرۃ کی آیت: وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ...... پر سیر حاصل تقریر کی جس کے بعد سوالوں کے جواب بھی دیے گئے۔ رات کو یہیں قیام کیا گیا۔

صلوٰۃ الفجر کے بعد مشتاق محمد نے سورۃ لقمان کے دوسرے رکوع کے حوالے سے درس قرآن دیا جس کے بعد ناشتہ کیا گیا اور اگلی منزل چنئی کے لیے کوچ کیا جو دشوار گزار طویل راستوں پر واقع ہے۔ یہاں ساتھی ظہر کے وقت پہنچے۔ یہاں بھی ان شاء اللہ عنقریب مسجد توحید تعمیر ہو جائے گی۔

صلوٰۃ الظہر کے بعد محمدی گل صاحب نے سورۃ البقرۃ کی آیت : لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ڐ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ...... کے حوالے سے طاغوت کی مختلف شکلوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کا بڑے جامع اور مدلل انداز میں ردّ کیا جس کے بعد قافلہ اٹک کے لیے روانہ ہو گیا۔

جس وقت قافلہ کامل پور ویسا کی مسجد توحید پہنچا تو مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ صلوٰۃ کے بعد منور سلطان نے سورۃ الحجر کے آخری رکوع کے حوالے سے تقریر کی۔ رات کو یہیں قیام کیا گیا۔

علی الصبح ناشتے کے بعد اٹک کی دوسری مسجد واقع حاجی شاہ گاؤں پہنچے جہاں امیر محترم نے دورے کی آخری تقریر کی۔ آپ کی تقریر کا عنوان بھی ردّ طاغوت تھا جس کے لیے سورۃ البقرۃ کی آیت: فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ ...... کا انتخاب کیا گیا اور دیگر قرآنی حوالوں سے طواغیت کی نقاب کشائی کرتے ہوئے ان سے برأت و بیزاری پر زور دیا گیا۔

صوبہ سرحد کے دورے کا یہ آخری مقام تھا۔ یہاں سے قافلہ راولپنڈی کے لیے روانہ ہو گیا جہاں سے دیگر ساتھیوں کی معیت میں اگلے روز سرگودھا میں ہونے والے کل پاکستان اجتماع میں شرکت کے لیے روانگی تھی۔ یہ دورہ بہت کامیاب تھا۔ دورے کے ہر مقام پر کھل کر دعوت توحید پیش کی گئی اور شرک کا ردّ کیا گیا؛ طاغوت کی مختلف شکلوں کی پہچان کراتے ہوئے ان

کا کفر کرنے، ان سے مجتنب و لاتعلق رہنے اور ان سے نفرت کرنے پر زور دیا گیا؛ ساتھ ہی ساتھ مومنوں کے اوصاف، اخلاق و عادات، سیرت و کردار کو قرآن و حدیث کی روشنی میں نکھارنے کی ضرورت و اہمیت بھی بیان کی گئی۔ ہر مقام پر مقامی نظم کے ساتھ مشاورت کی گئی اور ان کے مسائل حل کیے گئے۔

کل پاکستان سالانہ اجتماع

یہ اجتماع اکتوبر کی ۲۹ اور ۳۰ تاریخ کو بروز پیر اور منگل حسب معمول مسجد توحید، ڈیرہ جدید، سرگودھا میں ہوا جس کے لیے ساتھی بڑی تعداد میں اتوار کی شام سے ہی جمع ہو گئے تھے۔ امیر تنظیم بھی اپنے دورۂ سرحد کے اختتام پر عصر کے وقت قافلے سمیت پہنچ گئے تھے۔

معمول کے مطابق اجتماع کا آغاز فجر کی صلوٰۃ کے بعد درس قرآن سے ہوا۔ سرگودھا کے ناظم ماسٹر عبدالعزیز صاحب نے سورۃ آل عمران کی آیت: لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ...... کے حوالے سے انفاق فی سبیل اللہ پر درس دیا۔

ناشتے کے وقفے کے بعد اجتماع کے افتتاحی کلمات ادا کیے گئے جو حسب پروگرام آزاد کشمیر کے امیر آزاد خان صاحب کو ادا کرنے تھے مگر علالت کے سبب ان کی عدم شرکت کی وجہ سے امیر محترم نے یہ کلمات ادا فرمائے۔ آپ نے سورۃ الانعام کی آیت: وَإِن يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ...... کے حوالے سے ایمان کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اجتماع کی غرض و غایت بیان کی اور اس سے کما حقہ مستفیض ہونے کے لیے ہدایات دیں۔

اس کے بعد چکلالہ کے ناظم قاری خلیل الرحمٰن صاحب نے اصول تجوید و قرأت قرآن کا پروگرام کیا اور ساتھیوں کو اصول و قواعد سکھائے اور قرأت کروا کر مشق بھی کروائی۔

اس کے بعد کراچی کے ساتھی منور سلطان نے سورۃ النسآء کی آیت: بَل رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ کے حوالے سے رفع عیسیٰ علیہ السلام کے موضوع پر تقریر کی۔

مختصر وقفے کے بعد فہم القرآن کا پروگرام ہوا جس کا موضوع اسوہ ابراہیم علیہ السلام تھا۔ اس میں تقریر کرنے کے خواہش مندوں کی بڑی تعداد کے سبب قرعہ ڈالا گیا جس کے نتیجے میں پنجاب سے چونیاں کے عبداللہ اور فیصل آباد کے شہباز نے تقریر کی؛ آزاد کشمیر کی نمائندگی محمد عباس نے کی؛ سرحد کی نمائندگی کرتے ہوئے پشاور کے عمر زادہ نے تقریر کی؛ شمالی علاقہ جات کی نمائندگی اشرف نے کی؛ سندھ کی نمائندگی سکھر کے دوا خان اسماعیل نے کی۔ بلوچستان سے کسی ساتھی نے فہم القرآن کے پروگرام میں حصہ نہیں لیا جس کی جگہ قرعہ میں کراچی کے مشتاق محمد کا نام آیا۔ مقررین نے قرآن و حدیث کے حوالوں سے مزین بڑی اچھی اچھی تقریریں کیں اور بڑے موثر انداز میں اپنا حاصل مطالعہ پیش کیا۔ لاہور کے معراج الدین اور کراچی کے منور سلطان اس پروگرام کے نگراں تھے۔ منور سلطان نے آخر میں تقاریر کا محاکمہ کرتے ہوئے مقررین کی کوششوں کو سراہا اور بعض کوتاہیوں کی نشاندہی کی۔

ساتھیوں کی کثیر تعداد کی بناء پر ظہر اور عصر کے درمیان کھانے کا وقفہ رہا۔ عصر کے بعد قاری خلیل الرحمٰن صاحب نے سورۃ ابراہیم کی آیت: قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ...... کے حوالے سے بشریت انبیاء علیہم السلام پر سیر حاصل تقریر کی۔

مغرب کے بعد محمد گل صاحب کی تقریر تھی۔ سورۃ یٰس کی آیت: أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ...... کے حوالے سے آپ کی تقریر کا موضوع تھا: شیطان کی بندگی۔

عشاء کے بعد سوال و جواب کی ایک طویل نشست ہوئی۔ امیر تنظیم نے ایک تھکا دینے والے دورے، طویل طویل مشاورتی میٹنگوں کے باوجود رات گئے تک مستعدی اور دلجمعی کے ساتھ ان ساتھیوں کے سوالوں کے جوابات دیے جو بہت بڑی تعداد میں آئے ہوئے تھے۔

اجتماع کے دوسرے روز فجر کی صلوٰۃ کے بعد امیر پنجاب حکیم محمد رمضان صاحب کا خطاب تھا۔ آپ نے سورۃ النمل کی آیت: قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ ...... کے حوالے سے علم غیب کے موضوع پر موثر اور مدلل تقریر کی اور اس عنوان سے کیے جانے والے اعتراضات کا بڑے جامع انداز میں احاطہ کیا۔

اس کے بعد اصول تجوید و قرأت کی دوسری نشست ہوئی جس میں قاری خلیل الرحمٰن صاحب نے گزشتہ کل کی طرح قواعد و ضوابط کے ذریعے قرأت قرآن کی مشق کروائی۔

اگلی تقریر محمد منیر صاحب کی تھی جن کا موضوع تھا: بدعت کے اسباب و محرکات۔ سورۃ الشوریٰ کی آیت: أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ ...... اور متعدد دیگر آیات و احادیث کے حوالے سے انہوں نے بڑی پر اثر تقریر کی۔

اس کے بعد کراچی کے عبدالغفار صاحب نے جبری شفاعت کے عنوان پر ایک جامع اور مدلل تقریر کی۔ سورۃ الانعام کی آیت: وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ لَقَد تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنكُم مَّا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ کو بنیاد بناتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں اس موضوع کا احاطہ کیا۔

اجتماع کی آخری تقریر آزاد کشمیر کے ساتھی عتیق الرحمٰن صاحب کی تھی۔ آپ نے سورۃ الشوریٰ کی آیت: وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ...... کے حوالے سے شورائیت کی اہمیت کو بیان کیا۔ قرآن و حدیث اور آثار صحابہ کی روشنی میں آپ نے حاضرین کے سامنے اس بات کو اجاگر کیا کہ ایمان والوں کے نظم میں مطلق العنانیت نہیں ہوا کرتی بلکہ یہ شورائیت سے چلا کرتے ہیں۔

اجتماع کا خاتمہ امیر تنظیم کے اختتامی کلمات پر ہوا۔ آپ نے پورے اجتماع کا محاکمہ کرتے ہوئے شرکاء اجتماع پر زور دیا کہ وہ صرف سننے سنانے پر اکتفا نہ کریں بلکہ اپنے اپنے مقام پر جا کر اس دعوت کا عملی نمونہ پیش کریں

اور اس تحریک کو بے غرضی اور بے لوثی کے جذبے کے تحت مخلصانہ اور دیانت دارانہ کوششوں کے ذریعے جاری رکھنے کی حتی المقدور سعی و جہد کریں اور تمام فتنہ انگیزیوں سے دور رہیں جن کی کوشش بلا زندگی کا مقصد اولین مومنوں کی جمعیت میں رخنہ اندازی ہوتی ہے جس [illegible] ذریعے ہی قابو پایا جا سکتا ہے۔

امیر تنظیم و رفقاء کا دورۂ شمالی علاقہ جات و آزاد کشمیر

ماہ جون میں امیر تنظیم نے رفقاء کے ساتھ ملک کے شمالی علاقہ جات اور آزاد کشمیر میں واقع مراکز و مساجد کا دورہ کیا۔ سفر کا آغاز ۱۲ جون کو ہوا۔ کراچی سے پانچ ساتھی بلوڈائمنڈ کوچ کے ذریعے لاہور پہنچے۔ بلال گنج کی مسجد توحید میں رات کو قیام کیا۔ فجر کے بعد محمدی گل صاحب نے سورۃ البقرۃ کے چوتھے رکوع: وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً .... پر درس دیا۔

ناشتے کے بعد گوجرانوالہ کی مسلم مسجد کے لیے روانگی ہوئی۔ آج جمعہ تھا۔ صلوٰۃ الجمعہ سے پہلے محمدی گل صاحب نے سورۃ الشوریٰ کی آیات کے حوالے سے تقریر کی۔ مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی اور سخت گرمی کا عالم تھا۔ ضیافت کے بعد قافلہ منڈی بہاء الدین کی مسجد توحید کے لیے روانہ ہوا۔

یہاں سے قافلے میں شمالی علاقہ جات کے امیر اشرف صاحب اور دیگر بارہ ساتھی شامل سفر ہو گئے۔ توحید آباد، آدہ اسٹیشن کی مسجد توحید میں مغرب کے بعد درس قرآن ہوا جس میں اطراف و جوانب کے علاقوں سے بڑی تعداد میں ساتھی جمع ہو گئے تھے۔ سورۃ النساء کی آیات پر محمدی گل صاحب نے تقریر کی اور بعد میں سوالوں کے جواب دیے۔ مقامی نظم کے ساتھ مشاورت ہوئی اور رات کو یہیں قیام کیا گیا۔

فجر کے بعد عبدالغفار صاحب نے سورۃ یاسین کے حوالے سے درس قرآن دیا۔ ناشتے کے بعد قافلہ اگلی منزل جلال پور جٹاں کے لیے روانہ ہو گیا۔ یہاں ظہر کے بعد رفعت نواب صاحب نے سورۃ البقرۃ کی آیات کے حوالے سے درس قرآن دیا اور اس کے بعد سوالوں کے جواب دیے گئے۔ جس کے بعد قافلہ پنجاب سے ملحق آزاد کشمیر کے زیریں علاقے بھمبر (دھنڈر) کے لیے روانہ ہو گیا۔

بھمبر کی مسجد توحید میں قاری خلیل الرحمٰن نے عصر کے بعد درس قرآن دیا۔ بعد میں سوالوں کے جواب امیر تنظیم نے دیے۔ اس کے بعد قافلہ بھمبر کوٹلی کے لیے روانہ ہو گیا یہاں کی مسجد توحید میں عشاء کے بعد عبدالغفار صاحب نے درس قرآن دیا۔ پھر سوالوں کے جواب دیے گئے۔ قیام شب اسی مسجد میں ہوا۔ فجر کے بعد برنالہ کی مسجد توحید کے لیے روانگی ہوئی۔ یہاں شرکاء قافلہ کے لیے ناشتے کا انتظام کیا گیا تھا جس کے بعد رفعت نواب صاحب نے درس قرآن دیا۔

برنالہ سے قافلہ واپس بھمبر آیا جہاں سورۃ البقرۃ کی آیات کے حوالے سے کراچی کے محمد جاوید نے درس قرآن دیا۔ یہاں سے قافلہ میرپور کے علاقے شکر یلہ مونہ پہنچا۔ ظہر سے پہلے محمد اشرف صاحب نے درس قرآن [illegible] دیا اور صلوٰۃ کے بعد قافلہ چکوال کے علاقے جویا میر کے لیے روانہ ہوا۔ [illegible] کے بعد محمدی گل صاحب نے سورۃ المائدۃ کے آخری رکوع کے حوالے سے درس قرآن دیا جس کے بعد سوالوں کے جواب دیے گئے۔ ہر مقام کی طرح یہاں بھی مقامی نظم کے ساتھ مشاورت ہوئی۔ قیام شب اسی مسجد میں تھا۔

فجر کے بعد قاری خلیل الرحمٰن نے سورۃ آل عمران کی آیات کے حوالے سے درس قرآن دیا۔ آپ نے بتایا کہ مومنوں کی زندگی کیسے بسر ہونی چاہیے، رشتے ناتے مومنوں میں ہی ہونے چاہئیں، مومنہ عورت کسی صورت مشرک کے نکاح میں نہ دی جائے۔

ناشتے کے بعد ملحقہ علاقوں بالکسر اور تالیاں کا دورہ بھی کیا گیا۔ بالکسر میں عبدالغفار صاحب نے درس قرآن دیا اور سورۃ الانعام کے حوالے سے مولویوں کی فریب کاریوں اور فرقہ پرستوں کے باطل عقائد کا احاطہ کیا گیا۔

یہاں سے قافلہ کوہ خان کے علاقے چاری وکیال کے لیے روانہ ہوا۔ مسجد توحید چکری وکیال میں ظہر کے بعد رفعت نواب صاحب نے سورۃ الواقعۃ کے حوالے سے درس قرآن دیا۔

اس کے بعد قافلے کی اگلی منزل گنگال کی مسجد توحید تھی۔ یہاں پہنچ کر عشاء کے بعد محمدی گل صاحب نے سورۃ الانعام کی آیات کے حوالے سے درس قرآن دیا۔ اس کے بعد امیر تنظیم نے سوالوں کے جوابات دیے۔ مقامی نظم کے ساتھ مشاورت ہوئی اور رات کو یہیں قیام کیا گیا۔

فجر کے بعد محمد اشرف صاحب نے سورۃ الانعام کے حوالے سے درس قرآن دیا۔ ناشتے کے بعد قافلہ بالاکوٹ کے لیے روانہ ہو گیا۔ بالاکوٹ میں مختلف مقامات پر محمدی گل صاحب، امیر تنظیم اور عبدالغفار صاحب نے دعوت الی اللہ کی تقاریر کیں۔ عصر کے بعد قافلہ مانسہرہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ یہاں قاری خلیل الرحمٰن نے دعوت الی اللہ کی تقریر کی۔

یہاں سے قافلہ واہ کینٹ کے لیے روانہ ہوا۔ واہ کینٹ کی مسجد توحید میں قیام شب کر کے، فجر کے بعد درس قرآن دیا گیا۔ مقرر صابر علی صاحب تھے۔ آپ نے سورۃ البقرۃ کے حوالے سے تقریر کی۔

واہ کینٹ سے قافلہ مسجد توحید چکلالہ کے لیے روانہ ہوا۔ ظہر کے بعد عبدالغفار صاحب نے درس قرآن دیا۔ اس کے بعد سوالوں کے جواب امیر تنظیم نے دیے۔ ضیافت کے بعد نزدیک واقع جبی کی مسجد توحید بھی گئے اور مشاورت کے بعد قافلہ راولپنڈی مری چوک کی مسجد توحید کے لیے روانہ ہو گیا۔ یہاں مغرب کے بعد محمدی گل صاحب نے درس قرآن دیا۔ سوالوں کے جواب امیر تنظیم نے دیے۔ مشاورت کے بعد قیام شب کیا گیا۔

فجر کے بعد امیر تنظیم نے سورۃ المومنون کی ابتدائی آیات کے حوالے سے مومنوں کے اوصاف پر درس دیا اور ساتھیوں کو ان اوصاف کا حامل بننے پر زور دیا۔ ناشتے کے بعد قافلہ آزاد کشمیر کے پہاڑی علاقے کے لیے روانہ ہو گیا۔

اس دفعہ منزل نمرالہ بنگوئی کی مسجد توحید تھی۔ دشوار گزار راستوں میں تین گھنٹوں سے زیادہ سفر کر کے اور پہاڑی گزرگاہوں میں پیدل چلتے ہوئے یہ قافلہ اپنی منزل پر پہنچا۔ صلوٰۃ الظہر کے بعد محمد ی گل صاحب نے درس قرآن دیا۔ اس کے بعد امیر تنظیم نے سوالوں کے جواب دیے اور مقامی نظم کے ساتھ مشاورت کی۔

عصر کے بعد قافلہ علی سوجل کے لیے روانہ ہوا۔ راستے میں تھوڑی دیر کے لیے راولاکوٹ کی مسجد توحید میں قیام کیا جہاں ساتھیوں نے قافلے والوں کی ضیافت کا انتظام کر رکھا تھا۔ تقریباً پانچ گھنٹوں کے کٹھن سفر کے بعد قافلہ علی سوجل کی مسجد توحید پہنچا۔ یہاں بارش کے بعد موسم خنک ہو گیا تھا۔ عشاء کے بعد عبدالغفار صاحب نے سورۃ الکہف کے آخری رکوع کے حوالے سے درس قرآن دیا۔ قیام شب یہیں ہوا۔

اگلے روز جمعہ تھا۔ صلوٰۃ الجمعہ کے لیے امیر تنظیم ایک جماعت کے ساتھ راولاکوٹ روانہ ہو گئے، دوسری جماعت محمدی گل صاحب کے ساتھ تنگی گلہ چلی گئی اور باقی ساتھی اشرف صاحب کے ساتھ علی سوجل میں جمعے کے لیے رہ گئے جو جمعے کے بعد راولاکوٹ چلے گئے۔

تنگی گلہ میں محمدی گل صاحب نے صلوٰۃ الجمعہ سے پہلے بھی تقریر کی اور مغرب کے بعد بھی تقریر کی اور اس کے بعد راولاکوٹ روانہ ہو گئے جہاں ناظمین کا سالانہ اجتماع ہونے والا تھا۔

طلبہ ناظمین کا کل پاکستان سالانہ تربیتی اجتماع

۲۲ جون ۲۰۰۸ء کو ناظمین کے اجتماع سے پہلے ملکی سطح کا طلبہ اجتماع بھی ہوا جس کا آغاز صلوٰۃ الفجر کے بعد کٹ گڑھی، صوبہ سرحد کے نوراللہ کے درس قرآن سے ہوا۔ ناشتے کے بعد منصور آزاد صاحب نے افتتاحی کلمات ادا کیے۔ اس کے بعد کراچی کے خالد عزیز نے اصول تجوید کا پروگرام کیا اور ساتھیوں کی مشق کروائی۔ اس کے بعد لاہور کے ناصر اور کراچی کے عبداللہ عمر کی نگرانی میں فہم القرآن کا پروگرام ہوا۔ آیت موضوعہ سورۃ الواقعہ کی آیت ۱۰ اور ۱۱ تھی جس میں سبقت لے جانے والوں کا ذکر ہے۔ اس کے بعد سوال و جواب کا کوئز پروگرام ہوا جس کے نگراں پاکستان طلبہ ناظم سجاد حسین اور لاہور کے معراج الدین تھے۔ دعوۃ القرآن کی تفسیر سورۃ آل عمران کے ابتدائی دس رکوع سے سوالات پوچھے گئے۔ ظہر کے بعد دعوت الی اللہ کے لیے راولاکوٹ کے یاسر اور علی سوجل کے مشتاق کی زیر نگرانی دو گروپ تشکیل دیے گئے جنہوں نے راولاکوٹ بازار میں مختلف مقامات پر دعوت الی اللہ کی تقاریر کیں۔ اس کے بعد رفع عیسیٰ ﷺ کے موضوع پر فیصل آباد کے رفعت نواب کی تقریر ہوئی۔ اس کے بعد ساتھیوں کا باہمی تعارف ہوا جس میں ساتھیوں نے دعوت توحید قبول کرنے سے متعلق اپنے احوال و تاثرات بیان کیے۔ عصر کے بعد کراچی کے محمد جاوید نے سورۃ البقرۃ کی آیت : اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً کے حوالے سے تقریر کرتے ہوئے اسلامی دعوت کے معاشرتی پہلوؤں کا احاطہ کیا اور مدلل انداز میں ایمان کے تقاضوں کو بیان کیا۔ اختتامی کلمات ناظم طلبہ سجاد حسین صاحب نے ادا کیے اور ساتھیوں پر زور دیا کہ وہ ان اجتماعات سے پوری طرح فائدہ اٹھائیں، توجہ، دھیان اور شوق سے اس میں شرکت کریں اور پورے نظم وضبط کا خیال رکھیں۔

کل پاکستان سالانہ تربیتی اجتماع برائے ناظمین

پیر ۲۳ جون کی صبح سے اس اجتماع کا آغاز ہوا۔ فجر کے بعد درس قرآن سرگودھا کے ناظم ماسٹر عبدالعزیز صاحب نے دیا۔ سورۃ الانفال کی آیت ۲۵: وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ...... کے حوالے سے تقریر کرتے ہوئے آپ نے دعوت دین کے احساس و ذمہ داریوں کو بیان کیا۔

ناشتے کے بعد افتتاحی کلمات راولاکوٹ کے ناظم ارشد ظفر صاحب نے ادا فرمائے۔ اس کے بعد قاری خلیل الرحمٰن نے اصول تجوید و قرأت قرآن کا پروگرام کیا اور مثالوں کے ذریعے ان کی مشق کروائی۔

اس کے بعد کراچی کے نوجوان ساتھی عبداللہ عمر نے سورۃ الانعام کی آیت ۱۵۱: قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَیْكُمْ ...... کے حوالے سے اسلام کے نظام حلت و حرمت کو بیان کیا۔

اس کے بعد فہم القرآن کا پروگرام ہوا جس کے نگراں ماسٹر عبدالعزیز تھے۔ عنوان سورۃ العنکبوت کی دوسری آیت : اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ .... تھی جس میں بتایا گیا ہے کہ ایمان کے ساتھ آزمائش شرط لازم ہے۔ ہر صوبے سے ایک ایک مقرر کو موقعہ دیا گیا۔ مقررین نے اپنا حاصل مطالعہ موثر انداز میں پیش کیا اور واضح کیا کہ ایمان لانے کے بعد اس کے خالص یا ناخالص ہونے کی جانچ کو اللہ تعالیٰ مختلف انداز سے آزماتا ہے، جو مخلص ہوتا ہے وہ کامیاب ہو جاتا ہے اور ناخالص لوگ خس و خاشاک کی طرح علیحدہ ہو جاتے ہیں۔

ظہر کے بعد رفعت نواب صاحب نے سورۃ الجن کی آیت:
قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا کے حوالے سے پکار کے شرک کو بیان کیا۔

اس کے بعد راولپنڈی کے انور طالب صاحب نے عربی کے اسباق کی تعلیم دی اور ساتھیوں کے سامنے عربی زبان کے ابتدائی قواعد بیان کیے۔

عصر کے بعد قاری خلیل الرحمٰن صاحب نے سورۃ البقرۃ کی آیت:
تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ...... کے حوالے سے تقریر کرتے ہوئے ایصال ثواب کے باطل نظریے کی حقیقت بیان کی۔

مغرب کے بعد محمدی گل صاحب کی تقریر تھی۔ سورۃ الصّٰفّٰت کی آیت: اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ کی روشنی میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے بتایا کہ آخرت میں کس طرح جہنمی لوگ ایک دوسرے سے جھگڑیں گے اور ایک دوسرے پر الزام عائد کریں گے کہ اس کے بہکانے سے وہ راہ حق سے دور ہوا۔

عشاء کے بعد امیر تنظیم نے شرکاء اجتماع کے پوچھے گئے سوالوں کے مفصل و مدلل جواب دیے۔ جس کا سلسلہ رات گئے تک جاری رہا۔

اگلے روز فجر کے بعد امیر پنجاب حکیم رمضان صاحب نے سورۃ التغابن کی آیت: اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ...... پر تقریر کرتے ہوئے سامعین کو بتایا کہ مال و اولاد کس طرح انسان کے لیے فتنہ بن جایا کرتے ہیں اور کس طرح ان کا وجود پسندیدہ بن جاتا ہے۔

اس کے بعد قاری خلیل الرحمٰن نے اصول تجوید کا پروگرام دوبارہ کیا اور ساتھیوں کے سامنے اس کی اہمیت و ضرورت کو بیان کرتے ہوئے ان کی مزید مشق کروائی۔

اس کے بعد آزاد کشمیر تنگی گلہ کے ناظم عتیق الرحمٰن صاحب کی تقریر ہوئی جس کا عنوان انفاق فی سبیل اللہ تھا۔ سورۂ بقرہ کی آیت: مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ...... کے حوالے سے تقریر کرتے ہوئے آپ نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے ثمرات کو بیان کیا۔

اس کے بعد راولاکوٹ کے ساتھی محمد الطاف صاحب نے اطاعت کے اوپر تقریر کی اور سورۃ النساء کی آیت: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰۗىِٕكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ...... کی روشنی میں بتایا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کامل اطاعت ہی اصل دین ہے۔

اس کے بعد فتح جنگ کے محمد منیر صاحب کی تقریر تھی۔ سورۃ المائدۃ کی آیت: قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاۗءَ ...... کے حوالے سے تقریر کرتے ہوئے مقرر نے دین میں غلو کرنے کے نقصانات کو بیان کیا اور وہ سنگین نتائج بھی سامعین کو بتائے جو اس سے پیدا ہوتے ہیں۔

اس کے بعد امیر تنظیم نے اختتامی کلمات کہے جس کے ساتھ ہی یہ اجتماع اپنے اختتام کو پہنچا۔ اپنی مختصر تقریر میں امیر تنظیم نے ہمیشہ کی طرح ساتھیوں پر زور دیا کہ وہ اپنے اندر قرآن فہمی کا شغف پیدا کریں اور دوران اجتماع ہونے والی انتہائی مفید تقاریر سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے اندر تجوید و عربی قواعد کی اتنی استعداد تو ضرور ہی پیدا کریں کہ قرآن کو درست انداز سے پڑھ سکیں اور کم از کم اس کا مفہوم سمجھ سکیں، اور اپنے اپنے مراکز پر جا کر ان کی مسلسل مشق کرتے رہیں اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے، رکے نہیں کہ دین کی تحریک میں ٹھہراؤ نہیں ہے، اس کا جمود تو اس کی موت ہے۔

صوبائی دورے و اجتماعات

امیر تنظیم نے گزشتہ مہینوں میں پنجاب کے شہروں رحیم یار خان، بہاولپور، ڈیرہ غازی خان، ملتان وغیرہ، اور بلوچستان میں پشین، رکھنی اور کوڈی کے دورے کیے جہاں مختلف انتظامی امور انجام دیے گئے۔ بعض شہروں کا کئی دفعہ دورہ کیا گیا۔ کراچی سے نزدیک ہونے کی بناء پر اندرون سندھ کے اضلاع کے دورے وقتاً فوقتاً جاری رہتے ہیں۔ حیدرآباد، بدین (بڈھو قمبرانی)، میرپور خاص، لنڈھو (سانگھڑ) میں صلوٰۃ الجمعہ کی امامت کے لیے کراچی سے ساتھی جاتے رہتے ہیں۔ ان علاقوں میں مختلف دعوتی اور تربیتی پروگرام رکھے جاتے ہیں جن میں کراچی سے ٹیمیں جاتی ہیں۔ پچھلے دنوں سکھر، کندھ کوٹ، میرپور خاص میں اسطرح کے پروگرام کیے گئے۔

عید کی چھٹیوں سے استفادہ کرتے ہوئے نوجوانوں کا ایک قافلہ زیریں سندھ کے علاقوں میں دعوت الی اللہ کے پروگرام کرنے کراچی سے روانہ ہوا۔

عید کی شام کو اٹھارہ ساتھی ایک شہزور ٹرک میں روانہ ہوئے۔ رات گئے میرپور خاص پہنچ کر عبداللطیف پنہور صاحب کے مرکز پر قیام کیا۔ صبح ناشتے کے بعد پنہور صاحب اور ان کے صاحبزدگان کی معیت میں قافلہ روانہ ہوا۔ جیمس آباد، ڈگری، سامارو، کنری اور عمرکوٹ کے شہروں میں قافلے نے رُک کر بازاروں میں دعوت الی اللہ کی تقریریں کیں اور بڑی تعداد میں لٹریچر تقسیم کیا۔ ڈگری میں بدین کے علاقے بڈھو قمبرانی سے ایک دوسرا قافلہ بھی شامل سفر ہوگیا۔ عمرکوٹ کے بس اسٹینڈ پر جہاں لوگوں کا اژدھام تھا، منور سلطان نے سندھی میں تقریر کی۔ وہاں سے قافلہ واپس میرپور خاص پہنچا جہاں پریس کلب چوک اور دو دیگر مقامات پر دعوت الی اللہ کی تقاریر کی گئیں اور لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ صبح کے قریب قافلہ واپس کراچی پہنچ گیا۔

اسی طرح کا ایک اور پروگرام ربیع الاوّل کی چھٹیوں میں بھی کیا گیا جس کا دائرہ بڑھا کر ان علاقوں تک بھی کر دیا گیا جو پچھلے پروگرام میں رہ گئے تھے۔ اس دفعہ اٹھائیس ساتھیوں کا قافلہ جمعرات کو کیماڑی مرکز سے گیارہ ربیع الاوّل کو صلوٰۃ العشاء کے بعد کرائے کی ایک کوسٹر میں روانہ ہوا۔ ساری رات سفر کرتے ہوئے فجر سے ایک گھنٹہ پہلے لنڈھو کی مسجد توحید پہنچے۔ دو گھنٹے آرام کیا اور ناشتے کے بعد پہلا پروگرام شروع کیا۔ بارہ ربیع الاوّل کی چھٹی ہونے کی وجہ سے مسجد میں ہی درس قرآن کیا گیا۔ صابر علی صاحب نے سورۃ یوسف کی آیات: يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ...... کے حوالے سے عقیدہ توحید اور اس کے مقتضیات کو بالتفصیل بیان کیا۔ اس کے بعد منور سلطان نے سامعین کے سوالوں کے جواب دیے۔

یہاں سے قافلہ میرپور خاص کے لیے روانہ ہوگیا۔ راستے میں شہداد پور اور دوسرے بڑے قصبوں میں رک کر مختلف ٹیموں نے لٹریچر تقسیم کیا۔ میرپور خاص پہنچ کر عبداللطیف پنہور صاحب کے مرکز پر قیام کیا۔

آج جمعہ تھا۔ صلوٰۃ الجمعہ کا خطبہ اور امامت منور سلطان کے ذمے آئی۔ اس کے بعد آگرہ تاج کے جاوید نے سورۃ الحشر کے آخری رکوع کی ابتدائی آیات پر درس دیا۔ درس کے بعد ساتھیوں کی ضیافت کی گئی۔

عصر کے بعد قافلہ بدین بڈھو قمبرانی کے لیے روانہ ہوگیا اور اسی طرح درمیان میں پڑنے والے شہروں میں لٹریچر تقسیم کرتے ہوئے گئے۔ مغرب کے بعد قافلہ اپنی منزل پر پہنچا۔ عشاء کے بعد منور سلطان نے سورۃ الانعام کے آخری رکوع کے حوالے سے درس قرآن دیتے ہوئے توحید و شرک کے فرق کو واضح کیا اور طاغوت کا رد کرتے ہوئے مختلف فرقوں کے لٹریچر کے حوالے دیتے ہوئے ان کے عقائد و اعمال کی خرابیاں اجاگر کیں۔

رات کو اسی گاؤں میں قیام کیا گیا۔ ساتھیوں کے قیام و طعام کا مقامی ساتھیوں نے بہت اچھا انتظام کر رکھا تھا۔ صبح فجر کے بعد ناشتہ کر کے قافلہ آگے روانہ ہوگیا جس کے ساتھ مقامی ساتھی بھی ہم رکاب ہوگئے۔

اگلی منزل ٹنڈو جان محمد کا شہر تھا۔ شہر کے بازار میں دو مقامات پر محمد امین اور محمد ارشد نے دعوت الی اللہ کی تقاریر کیں۔ بعد میں پورے بازار میں لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ یہاں سے قافلہ جھڈو پہنچا۔ یہ ایک بڑا شہر ہے اس لیے اس کے تین مقامات پر خالد عزیز، ناظم محمود اور فیصل افضل نے دعوت الی اللہ کی تقاریر کیں اور بڑی تعداد میں لٹریچر تقسیم ہوا۔ قافلہ راستے میں ایک چھوٹے سے قصبے روشن آباد میں بھی رکا جہاں صابر علی نے دعوت الی اللہ کی تقریر کی اور کچھ لٹریچر بھی تقسیم ہوا۔ مٹھی جاتے ہوئے قافلہ نواں کوٹ کے شہر سے گزرا۔ یہاں بس اڈے پر منور سلطان نے اور آگے بازار میں محمد جاوید نے دعوت الی اللہ کی تقاریر کیں۔ آج ہندوؤں کی ہولی تھی۔ ہندو سر بازار ہولی کھیل رہے تھے جس سے تقریر بھی متاثر ہوئی۔ یہاں سے قافلہ مٹھی پہنچا اور یہاں واقع عبداللطیف پنہور صاحب کے مکان پر قیام کیا۔ ہولی کی وجہ سے تقریباً سارا شہر بند تھا۔ اس لیے قافلہ اگلے شہر اسلام کوٹ روانہ ہوگیا۔ یہاں جزوی صورتحال تھی۔ بہر حال بازار میں دو مقامات پر عبداللہ عمر اور محمد ارشد نے تقاریر کیں اور بازار میں ان لوگوں کو دعوتی کتابچے دیے جن پر ہولی کا رنگ نہیں لگا ہوا تھا۔ مغرب کے وقت قافلہ واپس مٹھی لوٹ آیا اور قیام شب یہیں کیا۔

صبح مٹھی شہر پوری طرح کھل گیا۔ ناشتے کے بعد یہاں چار مقامات پر دعوتی تقاریر ہوئیں۔ خالد عزیز، عبداللہ عمر اور جہانزیب نے شہر کے بازار میں مختلف مقامات پر تقاریر کیں۔ مٹھی چوک پر بڈھو قمبرانی کے نوجوان ساتھی اللہ ڈنو نے سندھی میں تقریر کی۔ مٹھی ضلع کا دورہ کر کے قافلہ بدین کی طرف روانہ ہوگیا۔ یہاں ٹنڈو باگو کے مصروف بازار میں پانچ مقامات پر تقاریر ہوئیں جو منور سلطان، محمد ارشد، فیصل افضل، محمد امین اور محمد جاوید نے کیں۔ یہاں کافی تعداد میں لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ ضلع بدین کے اگلے دو شہروں تلہار اور ماتلی میں بھی چار چار مقامات پر دعوت الی اللہ کی تقاریر ہوئیں اور لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ یہ تقاریر بالترتیب صابر علی، نور الامین، جہانزیب، ناظم محمود اور منور سلطان، محمد ارشد، محمد امین، محمد جاوید نے کیں۔ یہاں سے بڈھو قمبرانی کے ساتھی واپس ہوگئے اور باقی قافلہ ٹنڈو محمد خان روانہ ہوگیا جہاں تین مقامات پر خالد عزیز، فیصل اور عبداللہ عمر نے تقاریر کیں۔

وقت کافی ہو جانے کے سبب حیدرآباد کا دورہ نہیں کیا جاسکا تاہم وہاں کے ساتھیوں کے اصرار پر صلوٰۃ العشاء اور طعام کے لیے قافلہ یہاں یونیورسٹی آف ایسٹ (سابق پرسٹن یونیورسٹی) کے مرکز میں تقریباً ایک گھنٹے کے لیے رک گیا۔ یہاں کافی نئے ساتھی جمع ہوگئے تھے، کچھ دیوبندی بھی آئے ہوئے تھے جنھوں نے ہالینڈ اور ڈنمارک کی توہین رسالت کے ارتکاب پر ناموس رسالت کے تحفظ کے بارے میں سوالات کیے جن کے جوابات منور سلطان نے دیے اور مسلک پرستوں کی اپنی تحریروں کے حوالے سے بتایا کہ یہ لوگ خود توہین رسالت کے مرتکب ہیں بلکہ رب تعالیٰ کی توہین کے فعل شنیع میں بھی ملوث ہیں، اگر بائیکاٹ کرنا ہے تو ان سب کا بائیکاٹ کریں۔ صلوٰۃ اور طعام کے بعد قافلہ واپس کراچی روانہ ہوگیا۔ آدھی رات کے بعد ساتھی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ یہ دورہ بہت کامیاب رہا جس میں دروس کے علاوہ دعوت الی اللہ کی تیس تقاریر ہوئیں اور ہزاروں کی تعداد میں دعوتی لٹریچر تقسیم کیا گیا۔

مارچ کے آخری اتوار کو سہ ماہی کل سندھ تربیتی اجتماع کنڈھ کوٹ کی مسجد توحید میں ہوا جس میں پورے صوبے سے مومن ساتھیوں نے شرکت کی۔ کراچی سے ایک پوری بس بھر کر ساتھی اس پروگرام کے لیے ہفتے کی رات کو ہی نکل گئے اور صبح پروگرام شروع ہونے سے پہلے پہنچ گئے۔ تربیتی پروگرام حسب معمول سابقہ طرز پر ہی ہوا جس کے احوال ساتھیوں کے سامنے پہلے کئی بار پیش کیے جاچکے ہیں۔

یکم مئی کی چھٹی میں کراچی سے متصل بلوچستان کے شہروں بیلہ، ونڈر، اوتھل وغیرہ کا ایک دورہ کیا گیا جس میں مختلف مقامات پر دعوت الی اللہ کی ۱۳ تقاریر ہوئیں اور ساڑھے سات ہزار کے قریب دعوتی کتابچے تقسیم کیے گئے۔

ماہ جولائی میں ایک دورہ سانگھڑ شہر کا بھی کیا گیا۔ یہاں بحریہ کالج کے استاد شفقت صاحب نے کالج کے طلبہ کے لیے درس کا بندوبست کیا تھا۔ کراچی سے نوجوان ساتھیوں کی کافی تعداد عازم سفر ہوئی۔ بس سے سفر کر کے ساتھی رات گئے سانگھڑ پہنچے۔ بقیہ رات کالج میں ہی بسر کی اور صبح ناشتے کے بعد کچھ دیر آرام کر کے تقریباً دس بجے درس قرآن ہوا۔ منور سلطان نے سورۃ العصر پر تقریر کی اور قرآنی آیات کی روشنی میں تفصیل سے ایمان کے مقتضیات بیان کیے، ساتھ ساتھ مختلف فرقوں کے باطل عقائد اور طاغوتی شخصیات کے کارنامے بھی سامعین کے سامنے رکھے اور ان سے اجتناب کرنے پر زور دیا۔ اس کے بعد کافی دیر تک سوالوں کے جواب بھی دیے جو عذاب قبر وغیرہ سے متعلق تھے۔ درس کے بعد صلوٰۃ الظہر ادا ہوئی اور طعام کے بعد ساتھیوں نے سانگھڑ شہر کے مختلف مقامات پر دعوت الی اللہ کی تقاریر کیں اور بڑی تعداد میں لٹریچر تقسیم کیا۔ شام ڈھلے یہ قافلہ کراچی کے لیے بس میں سوار ہوگیا۔ اس

دورے میں شفقت صاحب نے ساتھیوں کے قیام وطعام کے لیے بڑی خوش اسلوبی سے انتظامات کیے تھے اور سارا وقت تندہی سے ان کی خاطر مدارت میں لگے رہے۔ اللہ تعالیٰ اجر کثیر سے نوازے۔ آمین

عیدالفطر کی چھٹیوں میں درس و دعوت کا ایک بڑا پروگرام زیر پنجاب اور بالائی سندھ کے علاقوں [illegible]
کوسٹر میں کراچی سے پچیس ساتھی روانہ [illegible]
حیدر آباد کالی موری میں کیا گیا اور دو مقامات پر تقاریر ہوئیں اور پورے علاقے میں لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ سکھر سے پہلے راستے میں کئی بڑے شہروں میں اتر کر دعوت الی اللہ کی تقاریر کیں اور لٹریچر تقسیم کیا۔ سکھر بائی پاس پہنچ کر گاڑی کا ٹائر برسٹ ہو گیا اور چونکہ فاضل ٹائر بھی درست حالت میں نہیں تھا، ناچار ایک ویگن کرائے پر لے کر ساتھی شکار پور روانہ ہو گئے اور مغرب کے بعد سراج احمد ابڑو کے گھر پہنچے۔ جہاں انہوں نے ساتھیوں کے لیے اکل وشرب کا بندوبست کر رکھا تھا۔

اس کے بعد سراج صاحب کی معیت میں ساتھی گڑھی یاسین روڈ پر عبدالوہاب یمن کی مسجد توحید پہنچے۔ یہ موصوف دعوت توحید سے پوری طرح متعارف ہیں۔ انہوں نے ہمارے لٹریچر کی آیات بھی انداز سے مسجد کے باہر لکھوا رکھی ہیں جن کو دور سے ہی پڑھا جا سکتا ہے۔ انہوں نے یہاں اپنے ہم خیالوں کی ایک بڑی تعداد تیار کر رکھی ہے (بتاتے ہیں کہ یہ دو سو سے زائد افراد ہیں) لیکن یہ کھل کر ساتھ نہیں دیتے اور مدرسہ تعمیر کرنے پر زور دیتے ہیں۔

یہاں عشاء کی صلوٰۃ کے بعد منور سلطان نے ردِ طاغوت پر تقریر کی۔ تقریر کی آواز سن کر کافی مجمع اکٹھا ہو گیا تھا جس کے سامنے کھل کر طاغوت کی نشاندہی کی گئی۔ تبلیغی جماعت والے بھی وہاں آ گئے تھے اور انہوں نے سوالات میں حصہ لیا۔ منور سلطان نے انہی کی زبان میں تبلیغی جماعت کے نظریہ و شرکیہ عقائد مختصراً بتائے۔ عبدالوہاب صاحب کے معترضانہ سوالات کے تفصیلی جوابات کے سبب یہ نشست رات بارہ بجے کے بعد بھی جاری رہی۔

آج جمعہ تھا۔ صلوٰۃ الجمعہ کے لیے کئی جماعتیں بنادی گئیں جو میرپور برڑو، کندھ کوٹ، صادق آباد اور رحیم یار خان کے لیے روانہ ہو گئیں۔ میرپور برڑو میں عبداللہ عمر نے صلوٰۃ الجمعہ کے خطبے اور امامت کے فرائض ادا کیے اور اس کے بعد بازار میں دعوت الی اللہ کی تقریر بھی کی۔ کندھ کوٹ میں ناظم محمود نے خطابت وامامت کی ذمہ داری ادا کی۔ صادق آباد میں مطہر شاہ نے جمعہ پڑھایا۔ رحیم یار خان میں جمعے کی ذمہ داری منور سلطان کی تھی مگر گاڑی کی وجہ سے دیر ہو گئی اور بروقت نہ پہنچ سکے۔ تاہم ساتھی منتظر تھے۔ ڈاکٹر اسرار کی تنظیم کے کچھ لوگ بھی آئے ہوئے تھے۔ منور سلطان نے یہاں بھی ردّ طاغوت پر تقریر کی اور ان سے اجتناب کرنے پر زور دیا۔ صلوٰۃ المغرب کے بعد قافلہ صادق آباد روانہ ہو گیا جہاں بقیہ ساتھی بھی جمع ہو گئے تھے۔

عشاء کے بعد صابر علی نے تقریر کی جس میں توحید کا اثبات اور رد شرکیت

کارڈ کیا گیا۔ اس کے بعد سوال و جواب کی ایک طویل نشست ہوئی جس میں منور سلطان نے ساتھیوں کے سوالوں کے تفصیلی جواب دیے۔ وہاں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو فتنہ انکار حدیث کا شکار نظر آ رہے تھے، اس لیے اس عنوان سے بھی گفتگو کی گئی۔

ناشتے کے بعد صادق آباد شہر کے سات مقامات پر دعوت الی اللہ کی تقاریر ہوئیں اور بڑی تعداد میں دعوتی لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ ایک مقام پر پولیس والے آ گئے اور تقریر کو ختم کروادیا۔ یہاں سے قافلہ ڈھرکی میں وزیر سومرو کے ہوٹل پر پہنچا۔ یہاں ظہر اور عصر کی صلوٰۃ ادا کی گئیں اور کھانے کے بعد قافلہ سکھر روانہ ہو گیا۔

سکھر میں مغرب کے بعد آمد ہوئی۔ یہاں بھی چار پانچ مقامات پر دعوت الی اللہ کی تقاریر ہوئیں۔ ایک مقام پر مخالفین نے آ کر نعرے بازی شروع کر دی اور جھگڑنے کی کوشش کی۔ ان سے الجھنا ہماری دعوت کے منافی تھا لہٰذا قافلہ خاموشی سے آگے روانہ ہو گیا۔ مگر یہ لوگ پیچھا کرتے ہوئے سکھر میں ہماری منزل (یہاں کے ناظم دوا خان اسماعیل کے گھر) تک پہنچ گئے۔ ابھی قافلہ صلوٰۃ سے فارغ نہیں ہوا تھا کہ مفسدین پولیس موبائل لے کر پہنچ گئے۔ ان سے بات چیت ہوئی اور یہ حکم صادر کیا گیا کہ اپنے میگا فون دے کر یہاں سے فوراً نکل جائیں۔ ابھی ساتھی کوسٹر میں سوار ہی ہو رہے تھے کہ ایک بڑا جلوس غیر اللہ سے استعانت کے نعرے بلند کرتا ہوا وہاں آ گیا اور گاڑی پر پتھراؤ کرنے لگے حالانکہ ساتھ ہی پولیس کھڑی تھی اور سامنے ہی تھانہ تھا۔ غلیظ گالیوں اور گھناؤنے الزامات سے ساتھیوں کی تواضع کی جارہی تھی۔ جب جلوس قابو سے باہر ہونے لگا تو گاڑی کو تھانے کے دروازے کے ساتھ لگا کر ساتھیوں کو تھانے کے اندر لے جاکر خاک دھول سے اٹے ایک کمرے میں فرش پر بٹھا دیا گیا۔ فوراً اخباری نمائندے بھی آ گئے اور ملکی صورتحال کے تحت ساتھیوں سے سوالات کرنے لگے۔ ویڈیو کیمرے سے مووی بنائی گئی اور فوراً ٹیلی وژن پر نشر بھی کر دی گئی کہ کراچی کے اتنے اتنے "شرپسند" گرفتار کیے گئے ہیں!

امیر سفر خالد عزیز کو پولیس نے طلب کیا اور طالبان سمجھ کر پوچھ گچھ شروع کر دی۔ انہیں بتایا گیا کہ ہمارا کسی فرقے و مسلک سے تعلق نہیں، ہم صرف مسلم ہیں اور ہمارا تعلق قرآن وحدیث سے ہے۔ ساتھیوں کے موبائل فون بند کروا کر لے لیے گئے۔ سب کی جامع تلاشی بھی ہوئی۔ گاڑی میں پڑے ان کے سامان کو بھی کھنگالا گیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ سامان کی تلاش میں وہ تمام کتابیں غائب کر دی گئیں جو حوالے کے لیے ساتھ میں رکھی گئی تھیں۔ منور سلطان کے بیگ سے ایک خطیر رقم بھی قانون کے "محافظوں" نے اڑالی۔ کئی کئی دفعہ ساتھیوں کے کوائف نوٹ کیے گئے اور ان کے شناختی کارڈ، سروس کارڈ بھی لے لیے گئے۔ رات تین بجے کے قریب گاڑی میں سوار کھانا ادا کرنے کی اجازت ہوئی۔ جلوس جس نے رات تھانے کے سامنے [illegible]

دے رکھا تھا، چار بجے اس کا ایک بھی فرد باقی نہ بچا، قافلے کے ساتھیوں سے امن و امان سے متعلق ایک تحریر پر دستخط لے کر، ساتھیوں کو چھوڑ دیا گیا۔ موبائل فون بھی واپس کر دیے گئے۔ شناختی کارڈ اور سروس کارڈ اگلے روز دوا خان صاحب نے وصول کر کے کراچی بھیج دیے۔ تاہم دونوں بڑے میگا فون آج تک واپس نہیں کیے گئے۔ وہاں سے ساتھی بخیریت سکھر رہائی پاس پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر امیر تنظیم سے رابطہ کیا گیا جن کو موبائل فون بند کیے جانے سے پہلے ہی اطلاع دے دی گئی تھی اور جو اس وقت تک جاگ کر ساتھیوں کے لیے دعائیں کر رہے تھے۔ امیر تنظیم کی ہدایت پر پھر یہ قافلہ کوئی اور پروگرام کیے بغیر سیدھا کراچی واپس ہو گیا۔ راستے میں پھر ٹائر پنکچر ہو گیا۔ ایک دشوار سفر کے بعد قافلہ رات گئے کراچی پہنچا۔

اکتوبر کے آخر میں سندھ سطح کا ایک تربیتی اجتماع میر پور برڑو کے مرکز توحید میں ہوا جس کے لیے کراچی سے ایک بس میں چھبیس ساتھی محمدی گل صاحب کی امارت میں روانہ ہوئے۔ فجر سے پہلے قافلہ مرکز پہنچ گیا۔ فجر کے بعد کچھ دیر آرام کر کے ناشتہ کیا گیا اور تقریباً دس بجے پروگرام کا آغاز ہوا جس میں اندرون سندھ سے بڑی تعداد میں ساتھی شریک ہوئے۔

میر پور برڑو کے ساتھی میر حسن برڑو نے افتتاحی کلمات ادا کیے۔ اس کے بعد خالد عزیز صاحب نے اذان و اقامت کی درست ادائیگی کی مشق کروائی۔ اس کے بعد علم غیب کے عنوان پر تقاریر ہوئیں جن میں سکھر سے دوا خان، میر پور برڑو سے ایوب برڑو اور کراچی کے ساتھیوں نے بھی حصہ لیا۔ مقررین نے آیات و احادیث کی روشنی میں ثابت کیا کہ غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، وحی کے ذریعے سے اگر کسی نبی کو کسی چیز کی خبر دی جاتی ہے تو وہ غیب نہیں ہوتا بلکہ علم وحی ہوتا ہے۔ تقاریر پر اختتامی تبصرہ منور سلطان نے کیا اور مختلف نکات کی اصلاح کی۔

صلوٰۃ الظہر کے بعد منور سلطان نے صلوٰۃ کے مسائل بیان کیے اور دوا خان صاحب کے ذریعے اس کی عملی مشق کروائی۔ ساتھیوں نے سوالات بھی پوچھے جن کے مفصل جواب دیے گئے۔

اس کے بعد محمدی گل صاحب کی تقریر ہوئی جس میں انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں مولویوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے کفر و شرک کا رد کیا اور دعوت توحید دی۔ اختتامی کلمات بھی محمدی گل صاحب نے کہے اور ساتھیوں پر زور دیا کہ ایسے اجتماعات سے فائدہ اٹھائیں اور یہاں بیان کی جانے والی باتوں کو آگے پھیلائیں۔

عصر کی صلوٰۃ کے بعد بازار میں دعوت الی اللہ کی تقریر بھی محمدی گل صاحب نے کی اور ایک بڑے مجمعے کے سامنے شرک کی خرابیاں اور توحید کے انعامات بیان کیے۔ مغرب سے کچھ قبل یہ قافلہ کراچی کے لیے روانہ ہو گیا اور فجر سے کچھ دیر پہلے بخیریت واپس پہنچ گیا۔

عیدالاضحیٰ کے بعد ۲۵ دسمبر اور اس سے ملحقہ چھٹیوں میں بھی بالائی سندھ اور زیریں پنجاب کا دورہ کیا گیا۔ کراچی سے ۲۵ دسمبر کی شام سولہ ساتھی بس سے رحیم یار خان کے لیے روانہ ہوئے جو اگلے دن صبح مسجد توحید پہنچ گئے۔ ظہر کے بعد خالد عزیز صاحب نے سورۃ ابراہیم کے ساتویں رکوع کی آیات پر درس قرآن دیا۔ حاضرین کو ان آیات کے حوالے سے بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغامبروں کے ذریعے انسانیت کو توحید کا درس دیا اور واضح کر دیا کہ اس کی فلاح اس کو ماننے ہی میں ہے مگر اس دعوت کو جھٹلایا گیا اور اس کے لیے ایسی زبردست چالیں چلی گئیں کہ پہاڑوں کو ہلا دیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی چالیں ناکام کر دیں اور حق ظاہر ہو کر رہا؛ جھٹلانے والوں کو سزا دی گئی اور جہنم کے عذابات میں جھونک دیا گیا اور ماننے والوں کو انعام دیا گیا اور جنت کی ابدی نعمتوں کا مستحق ٹھہرایا گیا اور اس طرح سے قیامت تک کے لیے ایک راہ عمل متعین کر دی گئی کہ اپنا انجام سوچ کر آدمی ان دونوں راہوں میں سے جس کا چاہے انتخاب کر لے۔

درس کے بعد منور سلطان نے سوالوں کے جواب دیے۔ عصر کے بعد قافلہ قریبی شہر صادق آباد روانہ ہو گیا جہاں کے مرکز میں مغرب کے بعد محمد جاوید صاحب نے سورۃ الکوثر کے حوالے سے درس دیا۔ اس مختصر سورۃ کی روشنی میں ایمان و عمل کا مسئلہ واضح کرتے ہوئے مومنانہ روش اختیار کرنے پر زور دیا گیا۔ اس پروگرام میں خواتین نے بھی شرکت کی۔ مقامی ناظم گلزار صاحب نے درخواست کی کہ خواتین کے حوالے سے بھی کچھ وعظ و نصیحت کی جائے۔ چنانچہ عشاء کے بعد منور سلطان نے سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۵ : اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ .... الخ کے حوالے سے مختصر تقریر کی اور دیگر آیات کی روشنی میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کسی کا عمل ضائع نہیں کرتا خواہ مرد ہو یا عورت، شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہو، اس کے عقائد شرک کی گندگی سے پاک ہوں، اس کا عمل سنت نبوی کے مطابق ہو۔ اس کے بعد سوالوں کے جواب دیے گئے۔ خواتین کی جانب سے بھی مشرکوں سے شادی بیاہ، وغیرہ کے بارے میں سوالات پوچھے گئے جن کے تفصیلی جواب دیے گئے۔ قیام شب یہیں تھا۔

اگلے روز جمعہ تھا جس کے لیے قافلے کو پانچ جماعتوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ خالد عزیز صاحب نے صادق آباد کے مرکز میں ہی صلوٰۃ الجمعہ پڑھایا۔ آپ نے سورۃ الفرقان کی ابتدائی آیات کے حوالے سے اللہ کی وحدانیت بیان کی اور قرآنی آیات کی روشنی میں شرکیہ عقائد کا رد کیا۔ دوسرے گروپ کی سرکردگی میں منور سلطان نے رحیم یار خان کی مسجد توحید میں جمعے کی صلوٰۃ کی امامت و خطابت کے فرائض سرانجام دیے۔ انہوں نے کرسمس کے حوالے سے سورۃ آل عمران کے پانچویں رکوع پر تقریر کی اور عیسائیوں کے باطل عقائد و نظریات کا رد کرتے ہوئے بتایا کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے بندے ہی تھے، اللہ کی ذات کا حصہ نہ تھے، انہوں نے اپنی امت کو اللہ ہی کی بندگی کا حکم دیا تھا مگر ان کی قوم نے نہ مانا اور خود عیسیٰ علیہ السلام کو ہی اللہ کا بیٹا قرار دے

... ذات میں شریک ٹھہرا دیا۔ اسی طرح اس آخری امت نے بھی اللہ کے آخری رسول محمد ﷺ کو اللہ کے نور میں سے ایک نور کہہ کر اللہ کی ذات میں شریک ٹھہرا دیا۔ مختلف آیات کی روشنی میں ان باطل نظریات کا رد کیا گیا۔ صلوٰۃ کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی [illegible] جوابات دیے گئے۔

تیسرے گروپ نے صابری کی سرکردگی میں [illegible] ادا کیا۔ امامت و خطابت فیض الفضل نے کی۔ انہوں نے سورۃ الروم کی آیت اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ [illegible] کے حوالے سے فرقہ پرستوں کے عقائد کی خرابیاں بیان کیں اور ان سے دور رہنے پر زور دیا۔

چوتھا گروپ میرپور بروہ مرکز روانہ ہوا جہاں محمد جاوید نے جمعہ پڑھایا۔ سورۃ الکہف کے آخری رکوع پر تقریر کرتے ہوئے انہوں نے مروجہ مسالک کے عقائد و نظریات کو بیان کرتے ہوئے واضح کیا کہ اصل گستاخ رسول تو یہی لوگ ہیں مگر الزام ان کو دیتے ہیں جو قرآن و حدیث کے احکام کے مطابق ان کے باطل عقائد سے دور رہتے ہیں۔

پانچویں گروپ نے ٹنڈو [illegible] کی مسجد توحید میں صلوٰۃ جمعہ ادا کی۔ خطیب و امام عبداللہ عمر تھے۔ سورۃ القیامہ کے پہلے رکوع کی آیات کی روشنی میں قیامت کی ہولناکیوں، کفار کی پریشانیوں اور ان کی بدانجامی [illegible] اور حق ماننے پر ایمان والوں کی کامیابیوں اور انعامات کو بھی بیان کیا گیا۔

مغرب میں تمام گروپ [illegible] قرآن ہوا۔ مدرس [illegible] رکوع کی آیات کی روشنی میں [illegible] والوں کو مختلف آزمائشوں سے [illegible] ٹھہرتے ہیں جو ان آزمائشوں کو صبر و ثبات کے ساتھ [illegible] نے مختلف آیات کی روشنی میں ایمان کے تقاضے بیان [illegible] پر زور دیا۔ اس کے بعد سوال و جواب کی ایک طویل نشست [illegible] رات تک جاری رہی۔ منور سلطان نے سوالوں کے جواب دیے۔ [illegible] شب اسی مسجد میں کیا گیا۔

اگلے روز ناشتے کے بعد قافلہ [illegible] کے گاؤں [illegible] کے لیے روانہ ہو گیا۔ یہاں اللہ داد صاحب کے مرکز پر ظہر کے بعد درس قرآن دیا گیا۔ مدرس ناظم محمود صاحب تھے۔ سورہ آل عمران کے پہلے رکوع کی آیات پر تقریر کرتے ہوئے انہوں نے بڑے مدلل انداز میں دعوت توحید کو پیش کیا اور موجودہ مسالک کے شرکیہ عقائد کو بیان کیا۔ اس کے بعد منور سلطان نے سوالوں کے جواب دیے۔

یہاں سے قافلہ براستہ نواب شاہ [illegible] کی مسجد توحید [illegible] روانہ ہو گیا۔ یہ قافلہ اپنی منزل رات کو دو بجے پہنچا۔ صبح ناشتے کے [illegible] عبدالرحمن صاحب نے سورۃ جن کے دوسرے رکوع پر تقریر کرتے ہوئے پکار کے شرک کی وضاحت کی۔ اسی سورۃ کی دیگر آیات کی روشنی میں دوسرے مشرکانہ عقائد کو بھی واضح کیا گیا۔ سوالوں کے جواب منور سلطان نے دیے۔ بعد ازاں [illegible] آباد کے لیے روانہ ہو گیا۔

حیدرآباد کی یونیورسٹی آف ایسٹ (سابق پریسٹن یونیورسٹی) کے [illegible] ہال میں مقامی ساتھی کافی تعداد میں جمع ہو گئے تھے۔ حیدرآباد کے لطیف [illegible] کی مسجد توحید اور آس پاس پر واقع مسجد کے ساتھی بھی آئے ہوئے تھے۔ عبداللہ عمر نے سورۃ انعام کی آیت : قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ اور بعد کی دو آیات پر تقریر کی اور متعدد حوالوں کے ذریعے سے ان کلمہ پڑھنے والوں کے باطل عقائد و نظریات کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کا ابطال کیا، طاغوت کا رد کیا اور حاضرین پر قرآن و حدیث کی پیروی پر زور دیا۔

اس کے بعد منور سلطان نے ساتھیوں کے سوالوں کے جواب دیے۔ اس کے ساتھ ہی یہ دورہ ختم ہوا اور قافلہ کراچی کے لیے واپس روانہ ہو گیا۔ اس دورے میں بارہ تقاریر ہوئیں جن میں کھل کر طاغوت کا رد کیا گیا اور ان کے افکار سے اجتناب اور برأت و بیزاری پر زور دیا گیا۔ محرم کی آمد کے پیش نظر بازاروں میں دعوت الی اللہ کی تقاریر کا سلسلہ موقوف رکھا گیا۔

محرم کی چھٹیوں میں بھی [illegible] کا ایک دورہ کیا گیا۔ کراچی سے [illegible] کا قافلہ [illegible] روانہ ہوا جس کی منزل میرپور خاص تھی۔ [illegible] کے قریب واقع ایک گاؤں کی مسجد [illegible] کی گئی۔ [illegible] فعال رہنے [illegible] مرکزی پروگراموں میں شرکت [illegible] ترغیب دی گئی۔

یہ قافلہ [illegible] سے [illegible] مرکز پہنچ گیا جو عبداللطیف چوہان [illegible] واقع ہے۔ [illegible] صاحب کے صاحبزادگان سے [illegible] کی تربیت کی گئی۔ ظہر کے بعد درس قرآن ہوا۔ [illegible] سورۃ حم سجدہ کی آیت اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ [illegible] بیان کیا اور ساتھیوں کو [illegible] اور جذبے کے ساتھ دعوت حق پر ثابت قدم رہتے ہوئے ایمان کے سفر میں آگے بڑھنے کی تلقین کی گئی۔ درس کے بعد ساتھیوں کے سوالوں کے جواب خان عزیز صاحب نے دیے۔

یہاں سے قافلہ بڈھو [illegible] ضلع بدین کے لیے روانہ ہوا۔ [illegible] سے پہلے ساتھی وہاں پہنچ گئے۔ مغرب کے بعد عبداللہ عمر نے سورۃ [illegible] آخری رکوع پر کافی مدلل اور سیر حاصل درس دیا۔ قرآنی حوالوں سے [illegible] خرابیاں اجاگر کر کے رد طاغوت کیا گیا۔ رات کا قیام [illegible] کیا گیا۔ صبح ساتھی حیدرآباد کے لیے روانہ ہو گئے۔

حیدرآباد میں عبدالباسط صاحب کی رہائش گاہ پر ایک تربیتی پروگرام رکھا گیا تھا، اس میں شرکت کی گئی۔ صابر علی صاحب نے افتتاحی کلمات کہے اور سورہ حم سجدہ کی مذکورہ بالا آیت کے حوالے ہی سے صبر وثبات کی ترغیب دی گئی اور ایمان کے تقاضوں کا احساس کرنے اور انہیں پوری خوشدلی کے ساتھ پورا کرنے پر زور دیا گیا۔ اس کے بعد خالد عزیز صاحب نے اصول تجوید کا پروگرام کیا اور ان حروف کی مشق کروائی جن کے مخرج میں اکثر غلطی کی جاتی ہے۔ اس کے بعد عبداللہ عمر نے دعوت الی اللہ کی ایک مشقی تقریر کر کے بتایا کہ اس طرح سے بازاروں اور چوراہوں پر انذار عام کیا جائے۔ تربیتی پروگرام دیر تک جاری رہنا تھا۔ قافلے والے مقامی ساتھیوں سے اجازت لے کر عصر کے بعد واپس کراچی روانہ ہوگئے۔

جنوری ۲۰۰۹ء کے آخری اتوار کو صوبائی سطح کا ایک تربیتی پروگرام مسجد توحید، رفاہ عام سوسائٹی، کراچی میں ہوا جس میں پورے صوبے سے ساتھیوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ تقریباً ہر حلقے سے ساتھی آئے ہوئے تھے۔ صبح نو بجے پروگرام کا آغاز کر دیا گیا۔ افتتاحی کلمات محمد گل صاحب نے ادا فرمائے جن میں ایمان خالص کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے طاغوت کا رد کیا گیا اور دین کو پیشہ بنانے والوں کی چالبازیوں کو بیان کیا گیا۔

بعد ازاں شبیر عبداللہ نے اذان و اقامت کے کلمات کی درست ادائیگی کی مشق کروائی جس میں ساتھیوں نے دلچسپی کے ساتھ حصہ لیا۔ اس کے بعد فہم القرآن کا پروگرام ہوا۔ تقاریر کے لیے سورہ بنی اسرائیل کی آیت :

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ۝ کی روشنی میں موضوع دیا گیا تھا ''وسیلے کا شرک''۔ اس میں چار ساتھیوں نے حصہ لیا: کورنگی کراچی کے احتشام، لیبر کالونی کے سلمان عمر، میرپورخاص کے محمد عالم اور کنڈھ کوٹ کے ذوہیب دایو نے اپنا اپنا حاصل مطالعہ پیش کیا جس پر بعد میں مختصر تبصرہ منور سلطان نے کیا اور مقررین کی غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کی اصلاح کی۔

اس کے بعد بزرگ ساتھی فقیر اللہ صاحب کی ''تخلیق آدم اور انسانی ارتقاء'' کے عنوان پر تقریر تھی۔ ایک گھنٹے کی یہ تقریر کافی معلوماتی مواد پر مشتمل تھی جسے ساتھیوں نے بڑی توجہ اور دلچسپی سے سنا۔ منکرین حدیث نے قرآن فہمی کے نام پر جو کفر والحاد پھیلایا ہے، اسے فقیر اللہ صاحب نے حوالوں کے ساتھ پیش کیا۔ کھانے اور صلوٰۃ الظہر کے وقفے کے بعد منور سلطان نے دعوت الی اللہ کے کتابچے کا مطالعہ کروایا اور اس میں شامل مشکل الفاظ و عربی عبارات کی تشریح کی۔ اس کے بعد سکھر کے محمد اسماعیل (دوا خان) نے سماع موتی کے موضوع پر تقریر کی۔ مقرر نے مختصر وقت میں قرآن و حدیث کے متعدد حوالوں کے ذریعے اس وسیع موضوع کا احاطہ کیا اور ایک مؤثر و مدلل تقریر کی۔ چائے اور عصر کے وقفے کے بعد امیر تنظیم نے اختتامی کلمات کہے جن میں ساتھیوں کو دینی مطالعے کا شوق دلایا، سورہ آل عمران اور سورہ نساء کی آیات کے حوالے سے غزوہ احد کے پس منظر میں جذبہ جہاد وشوق شہادت پیدا کرنے پر زور دیا اور تربیتی پروگراموں میں بھرپور شرکت اور ان سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کی تاکید کی ۞

بقیہ: محسن الکذاب

اذا لم تستحی فافعل ماشئت / اذا لم تستحی فاصنع ماشئت

''جب تم میں حیا نہ ہو تو جو چاہے کرو'' (بخاری: کتاب احادیث الانبیاء)

مُلّا توُنسوی نے اس حدیث پر خوب عمل کیا ہے (ورنہ مسلک پرست ہونے کی وجہ سے انہیں احادیث نبوی ﷺ پر عمل کی توفیق نہیں ہوتی اور شخصی اقوال کی بھول بھلیوں میں ہی پھنسے رہتے ہیں) اور اپنی کتاب کے ہر ہر صفحے پر ایسی دریدہ دہنی دکھائی ہے کہ اس کا جواب دیں تو اس جیسی کئی جلدیں بن جائیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ شیطان نے اس شخص کو کس قدر جری بنا دیا ہے! ان سب ہفوات کے بعد اس کی جرأت دیکھیے :

> ''قارئین کرام! میں کہاں تک اس کی مثالیں پیش کروں کہ کیپٹن صاحب نے کس کس آیت کا معنی و مطلب بدلا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ظالم نے پورے قرآن اور تمام ذخیرہ احادیث کو اپنی جہالت اور حماقت کا تختہ مشق بنایا ہے اور کتاب وسنت کی اصل شکل وصورت کو مسخ کرنے کی سعی مذموم کی ہے۔ ہمیشہ سے زندیق آدمی کا یہ وطیرہ چلا آرہا ہے کہ وہ اپنی خواہش نفس سے نظریات کو گھڑ کر قرآن و حدیث کو ان کے مطابق بنانے اور ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے اور یہی کچھ کیپٹن مسعود الدین عثمانی نے کیا ہے
>
> خود نہیں بدلتے، قرآن کو بدلتے ہیں (صفحہ ۱۶۴)

قارئین! دراصل اس تحریر میں مُلّاجی نے اپنی اور اپنے اکابرین کی رونمائی کی ہے کہ یہ ''کارنامے'' انہی کے رہے ہیں جن کو کتاب اسلام یا مسلک پرستی میں واضح کیا گیا ہے۔

یہاں تک تو قارئین کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ قرآنی آیات واحادیث کو تختہ مشق کس نے بنایا ہے؟ یہ تو یہی مسلک پرست ہیں جنھوں نے قرآن و حدیث کے خلاف عقائد و اعمال اختیار کر رکھے ہیں جس کی ایک صورت کتاب اسلام یا مسلک پرستی میں دکھائی گئی تھی۔ ان مسلک پرستوں نے ہی اسلام کی شکل مسخ کی ہے اور ایسے عقائد و اعمال اختیار کیے ہیں جن کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ بدترین یہود و نصاریٰ اور بے دینوں کو چھوڑیے، کسی گمراہ سے گمراہ شخص نے اللہ کے عرش پر دست درازی نہیں کی ہوگی مگر ان کے یوسف بنوری نے علی ﷺ کو عرش الٰہی پر بٹھا کر ان سے اپنے باپ کا نکاح پڑھوایا ہے (ان کے مزید محیر العقول اور محیر القرآن کارنامے ہمارے کتابچے ایمان خالص قسط اول میں ملاحظہ فرمایے)۔ کسی قرآنی آیت یا حدیث میں نہیں بتایا گیا کہ نبی ﷺ کی قبر اللہ کے عرش وکرسی اور کعبے سے بھی افضل ہے۔ اللہ کی اس اہانت کی جرأت کسی بدترین مشرک کو بھی نہ ہوئی ہوگی مگر ان مسلک پرستوں نے بڑی بے باکی سے یہ عقیدہ گھڑا ہے اور اس کو قرآن و حدیث کے مطابق بنانے کی ''سعادت عظمیٰ'' مُلّا تونسوی کے نصیب میں آئی جو کہ فی نفسہا اس غلیظ عقیدے سے زیادہ بڑا اور گھناؤنا جرم ہے کیونکہ ع عذر گناہ بدتر از گناہ

سلسلۂ سوال و جواب

از افادات ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

سوال: دین اس قدر مسخ کر دیا گیا ہے کہ حق تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔ بتائیں آدمی کیا کرے؟

جواب: وہی کرے جو ایک مخلص مؤمن کو کرنا چاہیے۔ بخاری کتاب الفتن میں حذیفہ بن الیمان ؓ کی روایت لائے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ لوگ خیر کی باتیں پوچھتے تھے اور میں شر کے متعلق پوچھتا تھا تا کہ ان میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ تو میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ہم جاہلیت کی زندگی گزار رہے تھے، اللہ نے ہمارے پاس یہ (دین اسلام کی) خیر بھیج دی۔ تو کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہوگا؟ فرمایا کہ ہاں۔ میں نے پوچھا کہ اس شر کے بعد خیر بھی ہوگی۔ فرمایا کہ ہاں، مگر اس میں خرابی ہوگی۔ پوچھا کہ اس میں کیا خرابی ہوگی۔ فرمایا کہ ایک قوم ہوگی کہ لوگوں کو ہدایت کریں گے میری حدیث کے بغیر؛ تم ان کی بعض باتیں پہچان لوگے بعض کا انکار کروگے۔ میں نے پوچھا کہ کیا اس خیر کے بعد پھر کوئی شر ہوگا؟ فرمایا کہ ہاں: ایسے بلانے والے ہونگے جو جہنم کے دروازوں پر بلاتے ہوں گے، پس جو ان کی بات مان لے گا تو یہ اسے جہنم میں گرادیں گے۔ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہمیں ان کے متعلق بتایئے (کہ وہ کون لوگ ہوں گے)۔ فرمایا کہ وہ ہم میں سے ہی ہونگے اور ہماری ہی زبان بولتے ہوں گے۔ میں نے پوچھا کہ اگر میں اس حالت کو پاؤں تو پھر آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا کہ مسلمین کی جماعت اور اس کے امام سے چمٹے رہنا۔ پوچھا کہ اگر ایسی جماعت اور ایسا امام نہ ہو تو پھر۔ فرمایا کہ پھر تم تمام فرقوں سے علیحدگی اختیار کرلینا خواہ تمہیں (اس علیحدگی میں) درختوں کی جڑیں ہی کیوں نہ چبانی پڑجایں اور تم مرتے دم تک اسی (علیحدگی کی) حالت میں رہنا۔

بخاری کتاب المناقب میں زید بن عمرو بن نفیل ؓ کے بارے میں کئی روایتیں لائے ہیں جن میں ہمارے لیے سبق ہے۔ یہ اپنی قوم کے کفر و شرک سے بیزار ہو کر حق کی تلاش میں ملک شام گئے کہ شاید یہود اور نصاریٰ میں ایمان اور اسلام مل جائے۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر یہودی عالم سے ملاقات کی اور کہا کہ میں تمہارے دین میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ یہودی عالم نے جواب دیا کہ اگر تم ہمارے دین میں شامل ہوئے تو اللہ کی لعنت کا ایک حصہ تمہیں بھی ملے گا اور جہنم کی آگ سے نہ بچ سکوگے۔ زید بن عمرو بن نفیل نے جواب دیا کہ میں جہنم کی آگ سے ہی تو بچنا چاہتا ہوں۔ ملک شام اسی لیے آیا ہوں کہ نجات کا کوئی راستہ تلاش کروں۔ آپ مجھے کوئی راستہ بتلایئے۔ یہودی عالم نے کہا کہ مجھے کوئی راستہ معلوم نہیں سوائے ملت ابراہیم کے جو کہ حنیف تھے لہذا تم اسے تلاش کرو۔ پھر زید نے ایک عیسائی عالم سے ملاقات کرکے وہی بات کہی کہ میں تمہارے دین میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ تو اس عیسائی عالم نے جواب دیا کہ ہم اپنی اس عیسائیت ہی کی وجہ سے اللہ کی لعنت کا شکار ہوئے ہیں۔ تم اس کفر و شرک میں ملوث ہو کر اللہ کی لعنت کے مستحق ٹھہروگے۔ زید نے جواب دیا کہ میں اسی سے تو بھاگا ہوں کہ جہنم کی آگ اور اللہ کی لعنت سے بچ سکوں۔ عیسائی عالم نے کہا کہ اگر تمہیں راہ راست کی تلاش ہے تو ملت ابراہیم کو تلاش کرو۔

اب تو کسی کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ دعوت دی تھی کہ اے میری قوم کیا تم نے کبھی غور بھی کیا ہے کہ کن چیزوں کی تم بندگی کر رہے ہو، تم بھی اور تمہارے اگلے باپ دادا بھی، یہ سب تو میرے دشمن ہیں، بجز ایک رب العلمین کے، جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے راستہ دکھاتا ہے اور وہی جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفاء دیتا ہے، اور وہی ہے جو مجھے موت دے گا اور پھر زندگی عطا فرمائے گا اور اسی سے میں امید رکھتا ہوں کہ یوم حساب وہ میری خطائیں معاف فرمائے گا۔

سورۃ العنکبوت (آیت ۱۶) میں ہے یاد کرو ابراہیم کو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا 'اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو، اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ تم تو اللہ کو چھوڑ کر محض ان بتوں کو پوج رہے ہو اور جھوٹ گھڑ رہے ہو۔ یاد رکھو: اللہ کے علاوہ جن کی بندگی تم کر رہے ہو وہ تمہیں کوئی رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ پس تم اللہ ہی سے رزق طلب کرو، اور اسی کی عبادت کرو، اور اسی کا شکر ادا کرو، اور تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے۔

اور سورۃ یونس (آیت ۱۰۵) میں نبی کی زبان مبارک سے کہلوایا کہ: اے نبی! آپ کہہ دیجیے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں یکسو ہو کر دین حنیف پر قائم ہو جاؤں اور مشرکوں میں سے نہ بنوں۔

سورۃ الممتحنۃ (آیت ۴) میں قیامت تک کے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم لوگوں کے لیے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں ایک عمدہ نمونہ ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، قطعی بیزار ہیں۔ ہم نے تم سے کفر کیا (یعنی تمہیں کافر قرار دیا) اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے بغض وعداوت پیدا ہوگئی جب تک اللہ واحد پر ایمان نہ لے آؤ۔

یہ ہے وہ دعوت جسے مالک کائنات نے قرآن وحدیث کی صورت میں حق کے متلاشیوں کے لیے محفوظ کر کے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لے لیا ہے۔ اب قیامت تک یہی دعوت رہے گی۔ لہذا قرآن پڑھو، اس پر ایمان لے آؤ اور پھر سچوں میں شامل ہو جاؤ۔

سوال: عید میلاد النبی ﷺ کا دن منانا کیا جائز ہے؟ اس کی شرعی حیثیت تفصیل سے بتائیں۔

جواب: عزیز بھائیو: اللہ کے رسول محمد ﷺ پر ہم قربان، ہمارے ماں باپ قربان، لاکھوں کروڑوں درود وسلام ان پر۔ آپ کی ہر ہر بات حق اور اس کی پیروی کرنا ہم پر فرض ہے خواہ ہماری زندگی کا کوئی کیسا ہی معاملہ کیوں نہ ہو۔ اور فرمان نبوی ہے کہ تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک تم مجھے اپنے آپ سے، اپنے بیوی بچوں اور دیگر تمام افراد سے بڑھ کر محبت نہ کرو۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جس نے میرے فرمان کے مطابق میری سنت پر عمل کیا اس نے مجھ سے محبت کی۔ بخاری کی حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ اے ایمان والو: اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو عیدیں دی ہیں۔ ایک عید الفطر اور دوسری عید الاضحیٰ۔ لیکن امت مسلمہ کے سارے مسلک پرست فن دینداری کے ماہر ایک تیسری عید بھی تواتر سے مناتے چلے آ رہے ہیں۔ بلکہ اسے عیدوں کی عید بھی کہتے ہیں۔ حالانکہ نبی ﷺ کے یوم پیدائش میں اختلاف ہے اور زیادہ اتفاق ۹ ربیع الاول پر ہے۔ درحقیقت عیسائیوں نے یہودیوں کی نقل کی اور باوجود عیسیٰ ابن مریم کے منع کرنے کے، عیسائی یہودیوں سے بھی ایک ہاتھ آگے نکل گئے اور عیسیٰ ابن مریم کی پیدائش کے دن کو عید کا دن قرار دے دیا۔ جیسا کہ آپ ''حضرات'' نے دیکھا ہے کہ اس دن عیسائی اپنے بازاروں میں چرنی، پہاڑیاں اور میلادی درخت بناتے ہیں، گھروں اور گرجا گھروں کو سجاتے ہیں۔

اسی طرح نبی ﷺ نے بھی اپنی امت کو یہودیوں اور عیسائیوں کی مثالیں دے دے کر سمجھایا کہ میں تمہیں اس فعل سے منع کرتا ہوں۔ بخاری اور مسلم کی بے شمار احادیث ہیں جن میں نبی ﷺ نے فرمایا قبریں پکی نہ کرنا، ان پر مجاور بن کر نہ بیٹھنا، چادریں نہ چڑھانا، عرس نہ کرنا اور فرمایا کہ یہود ونصاریٰ پر لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کی پوجا کی، میری امت کے لوگو! میں تمہیں اس فعل سے منع کرتا ہوں کہ تم میری قبر کی پوجا کرو۔ اور بخاری کی حدیث میں خبردار کرتے ہوئے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک نہ آئیگی جب تک میری امت بھی یہود ونصاریٰ کے اس طرح برابر نہ ہو جائے جس طرح ہاتھ، ہاتھ کے برابر ہوتا ہے اور گز، گز کے برابر۔ اور فرمایا کہ میرے مرنے کے بعد میری امت کے لوگ بھی فوج در فوج اللہ کے دین سے باہر نکل جائیں گے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ میری امت قرآن کی آیتوں کو ایسے سیدھا کرے گی جیسے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے لیکن کسی آیت پر عمل نہ کرے گی۔

تاریخ گواہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی زندگی میں نہ تو اپنا کوئی دن منایا اور نہ ہی اپنے سے پہلے گزرے ہوئے کسی نبی، شہید یا صالح بندے کا دن منایا۔ اور اس پر بھی تاریخ گواہ ہے کہ صحابہ کرام ؓ کے ادوار میں بھی نبی سمیت نہ کسی کی پیدائش کا دن منایا گیا اور نہ ہی وفات کا۔ بلکہ عمر ؓ کے دور میں اسلامی کیلنڈر بنانے کے فیصلے میں شوریٰ نے رائے دی کہ نبی کی پیدائش کے دن سے ابتدا کی جائے تو عمر ؓ نے سختی سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم ہمیں عیسائیت کی طرف لے جانا چاہتے ہو۔ پھر ہجرت کے عظیم دن سے اس کی ابتدا کرنے کا حکم فرمایا۔ یہاں تک کہ تابعین، تبع تابعین، محدثین اور آئمہ کے ادوار میں بھی ایسا نہ ہوا۔

لیکن آہستہ آہستہ جب اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے والوں کی تعداد کم ہوگئی تو لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانے اور ان کی عزتوں سے کھیلنے والوں کو اسی موقعے کی تلاش تھی جس کی داغ بیل نبی ﷺ کی وفات کے تقریباً چھ سو سال بعد عراق میں اربل کے بادشاہ ملک مظفر ابو سعید نے ڈالی جو ایک نہایت بے دین، عیش پسند، فضول خرچ، عیاش طبع، ناچ گانے کی محفلیں سجاتا اور خود بھی ناچتا، اس نے دنیا پرست کذاب مولوی عمر بن ملا محمد سے ایک ہزار دینار کے بدلے، عید میلاد النبی کے حق میں فیصلہ لے کر اس عید کی ابتداء کر کے عاشق رسول ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر یہ عید ترقی کی مختلف منزلیں طے کرتی رہی اور آج موجودہ شکل میں آپ کے سامنے ہے۔ اور انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج اس امت نے یہود ونصاریٰ کو اس میدان میں بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ آج اس امت کے فرقہ پرست عیسائیوں کی طرح اپنے بازاروں میں پہاڑیاں بناتے ہیں، پلاسٹک کے کھلونے اور بت نما مورتیاں رکھتے ہیں، جلوس نکالتے ہیں، دھمالیں ڈالتے ہیں، انڈین گانوں پر ڈانس کرتے ہیں، ڈھول بجاتے ہیں، شرکیہ نعتیں پڑھتے ہیں۔ نذر ونیاز کرتے ہیں جو قرآن کی واضح آیات کے مطابق حرام ہے۔ یہاں تک کہ آج قرآن واحادیث کے خلاف ان سارے فرقہ پرستوں اور ان کی پیروی کرنے والوں کا یہ عقیدہ بن گیا ہے کہ نبی ﷺ ان سارے پروگراموں میں بیک وقت بنفس نفیس تشریف فرما ہوتے ہیں! اور سارے فرقہ پرست یہ بھول جاتے ہیں کہ ایسی باتوں پر یقین لانا اللہ تعالیٰ کے اکیلے ''حی وقیوم'' ہونے میں نبی ﷺ کو شریک ٹھہرانا ہے۔ نبی ﷺ کے متعلق یہ عقیدہ بھی رکھنا کہ وہ دنیا میں زندہ ہیں اور امت کے احوال سے واقف ہی

بقیہ صفحہ 64 پر

بِلَا تَبصِرَة

فرمان الٰہی:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (الحشر:۷)

''اور جو رسول تم کو دے دیں اسے لے لو اور جس چیز سے منع کردیں اس سے بچو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک وہ بہت شدید پکڑ کرنے والا ہے''

فرمان رسول اللہ ﷺ

قبروں کو پختہ نہ بنایا جائے

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ وَاَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ (رواہ مسلم / مشکوٰۃ، صفحہ ۱۴۸)

''جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے قبر کو پختہ بنانے سے منع فرمایا اور اس سے بھی کہ قبر کے اوپر کوئی عمارت بنائی جائے یا قبر پر بیٹھا جائے۔''

نبی ﷺ نے قبروں کو بلند کرنے سے بھی منع کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ قبریں زمین کے برابر ہونی چاہئیں:

قبریں زمین کے برابر ہوں

عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ شُفَيٍّ قَالَ كُنَّا مَعَ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ بِاَرْضِ رُوْمٍ بِرُوْدِس فَتُوُفِّيَ صَاحِبٌ لَنَا فَاَمَرَ فُضَالَةُ بِقَبْرِهٖ فَسُوِّيَ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَاْمُرُ بِتَسْوِيَتِهَا

(مسلم: کتاب الجنائز، جلد ۱، صفحہ ۳۵، طبع مصر)

''ثمامہ بن شفی روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ارض روم کے جزیرہ روڈس (RHODES) میں تھے کہ ہمارا ایک ساتھی فوت ہوگیا۔ فضالہ رضی اللہ عنہ نے ہم کو حکم دیا کہ ہم ان کی قبر کو برابر کردیں، پھر فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ کو ایسا ہی حکم دیتے ہوئے سنا ہے۔''

نبی ﷺ کو اونچی قبریں اور ان پر بنی ہوئی عمارتیں اس قدر ناپسند تھیں کہ آپ نے علی رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لیے خاص طور پر بھیجا کہ وہ ان کی بلندی کو مٹا دیں۔

اونچی قبر برابر کردی جائے

عَنْ اَبِي الْهَيَّاجِ الْاَسَدِيِّ قَالَ، قَالَ لِيْ عَلِيٌّ: اَلَا اَبْعَثُكَ عَلٰى مَا بَعَثَنِيْ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ لَّا تَدَعَ تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتَهٗ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّيْتَهٗ (مسلم: کتاب الجنائز، مشکوٰۃ، صفحہ ۱۴۸)

''ابوالہیاج اسدی روایت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ اے ابوالہیاج! کیا میں تم کو اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کام کے لیے مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا؟ اور وہ کام یہ ہے کہ جاؤ اور جو تصویر تم کو نظر آئے اس کو مٹا دو اور جو قبر اونچی ملے اسے برابر کردو''

اس امت کا طرز عمل:

لیاری ایکسپریس وے کی آڑ میں عوام کی بیدخلی روکی جائے۔ محمد حسین محنتی

مساجد اور مزار کا تحفظ کرینگے۔ پارلیمنٹ میں آواز اٹھائی جائیگی۔ جمعہ کو احتجاج ہوگا

......ان خیالات کا اظہار متحدہ مجلس عمل کے رکن قومی اسمبلی محمد حسین محنتی نے لیاری ایکسپریس وے کی زد میں آنے والے مکانوں کے مکینوں کے ہمراہ مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کیا......... پی آئی بی کالونی میں واقع احمد رضا خاں مسجد اور قادری مسجد توڑنے کا نوٹس دے دیا گیا ہے۔ پیر کفایت اللہ شاہ کے قدیم مزار کو بھی مسمار کرنے کی تیاریاں کی جارہی ہیں ......مساجد اور مزارات کو ہر صورت میں تحفظ فراہم کیا جائے .... پریس کانفرنس سے جے یو پی کے قاضی احمد نورانی، نصر اللہ شجیع و دیگر نے بھی خطاب کیا۔

(روزنامہ امت کراچی۔ یکم مارچ ۲۰۰۷ء)

فرمان الٰہی:

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ
(یونس:۱۷)

''تو اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی کسی آیت کو جھٹلائے؟ بیشک (ایسے) مجرمین فلاح نہ پائیں گے''

فرمان رسول اللہ ﷺ:

مَنْ يَّقُلْ عَلَيَّ مَا لَمْ اَقُلْ فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ

''جو کوئی مجھ سے وہ بات منسوب کرے جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے''

(صحیح بخاری: کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی ﷺ)

لَا تَكْذِبُوْا عَلَيَّ فَاِنَّهٗ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجِ النَّارَ

''مجھ پر جھوٹ نہ باندھنا کیونکہ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا، وہ جہنم میں جائے گا'' (ایضاً)

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ

''جس نے مجھ پر کوئی جھوٹ باندھا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔'' (ایضاً)

مَنْ تَحَلَّمَ بِحُلْمٍ لَمْ يَرَهٗ كُلِّفَ اَنْ يَّعْقِدَ بَيْنَ شَعِيْرَتَيْنِ وَلَنْ يَّفْعَلَ ....(عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَوْلَهٗ مَنْ كَذَبَ فِيْ رُؤْيَاهُ)

(بخاری: کتاب التعبیر، باب من کذب فی حلمہ)

''جو شخص بن دیکھے (جھوٹا) خواب بیان کرے تو قیامت کے دن اس کو یہ حکم دیا جائے گا کہ جَو کے دو دانوں کو گرہ لگا کر جوڑے اور وہ ہرگز ایسا نہ کر سکے گا (تو اس کو عذاب دیا جائے گا جیسا کہ تصویر بنانے والے کو یہ کہہ کر دیا جائے گا کہ اپنی بنائی ہوئی صورت میں روح ڈال اور وہ ایسا کر نہ سکے گا) (ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو خواب کے بارے میں جھوٹ بولے)۔''

مِنْ اَفْرَى الْفِرٰى اَنْ یُّرِیَ عَیْنَیْهِ مَالَمْ تَرَیَا (ایضاً)

"سب بہتانوں میں بڑا بہتان یہ ہے کہ (جو خواب آنکھوں نے) نہ دیکھا ہو، کہے کہ میری آنکھوں نے دیکھا ہے۔"

اس امت کا طرز عمل:

لال مسجد اسلام آباد کے مولوی عبدالعزیز غازی نے انٹرویو دیتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ ایسا نہیں ہے کہ ہم کسی ایجنسی کے کہنے پر یہ سب کر رہے ہیں۔ نہ ہی ہم ایجنسیوں کے آدمی ہیں اور نہ سرکاری ایجنڈے پر عمل کر رہے ہیں...... جب ہم نے یہ کام شروع کیا تو ہمارے اس کام میں معاون لوگوں کو رسول اکرمؐ کی جانب سے بشارتیں ہوئیں۔ 250 سے زائد لوگوں نے ان کو خواب میں دیکھا۔ مجھے بھی یہ سعادت نصیب ہوئی اور ان کا کئی بار ہمیں سلام آیا۔ خوابوں پر ہم نے تحریک شروع نہیں کی تحریک ہم نے اپنی دینی حمیت اور غیرت پر شروع کی۔ جب ہم نے تحریک شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بشارت بھی دی۔

(روزنامہ امت کراچی--۱۰/اپریل ۲۰۰۷ء)

فرمان الٰہی:

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ ...... بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ اِلَّا قَلِيلًا (الفتح:۱۵)

"جب تم لوگ غنیمتیں لینے چلو گے تو جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ کہیں گے ہمیں بھی اجازت دیجیے کہ آپ کے ساتھ چلیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں۔ کہہ دو کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے، اسی طرح اللہ نے پہلے سے فرمادیا ہے: پھر کہیں گے (نہیں) تم تو ہم سے حسد کرتے ہو۔ بات یہ ہے کہ یہ لوگ سمجھتے ہی نہیں مگر بہت کم"

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

(المائدۃ:۳)

"آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو (بطور) دین پسند کیا......"

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

(الانعام:۱۱۵)

"اور تمہارے رب کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں: اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں، اور وہ سننے والا جاننے والا ہے"

اس امت کا طرز عمل:

ترکی میں احادیث کے ازسرنو جائزے اور تشریح کی تیاری

بعض احادیث رسولؐ سے منسوب کر دی گئیں

مختلف نسلوں نے سیاسی مقاصد کیلیے تبدیلیاں کیں، اسکالرز

انقرہ (ایکسپریس نیوز ڈیسک) ترکی میں ایک دستاویز کی تیاری کی جارہی ہے جس میں اسلام کی ازسرنو تشریح اور مذہب کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی بات کی گئی ہے، اس دستاویز کو انقلابی قرار دیا جارہا ہے، وزارت مذہبی امور نے انقرہ یونیورسٹی میں علماء کی ایک ٹیم کی خدمات حاصل کی ہیں جسے احادیث کا ازسرنو جائزہ لینے کا کام سونپا گیا ہے، ترک حکومت کا دعویٰ ہے کہ بہت سی ایسی احادیث ہیں جن کے بارے میں خیال کیا جارہا ہے کہ وہ پیغمبر اسلامؐ سے منسوب کر دی گئی ہیں اور بہت سی ایسی احادیث ہیں جن کی ازسرنو تشریح کی ضرورت ہے، بعض مبصرین کا کہنا ہے کہ اسلام کے عقائد کی ازسرنو تشریح کی جارہی ہے تاکہ مذہب کی تجدید کی جاسکے، احادیث پر ازسرنو نظر ڈالنے کی ضرورت کی حمایت کرنے والوں کا کہنا ہے کہ اسلام میں دلیل اور منطق جو 14 سو سال پہلے اس کی بنیاد میں شامل تھی اسی روح کو تلاش کیا جارہا ہے، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ترکی میں مذہب میں اصلاحات کا آغاز ہے، انقرہ یونیورسٹی کے مذہب کے شعبے میں احادیث کا باریکی سے جائزہ لیا گیا ہے، اس منصوبے کے مشیر فیلکس کورنز کا کہنا تھا کہ بہت سی ایسی احادیث بھی ہیں جن کے بارے میں یہ دکھایا جاسکتا ہے کہ وہ پیغمبر کی وفات کے سینکڑوں سال بعد وجود میں آئیں، اصلاحات کے حامیوں کا استدلال ہے کہ اسلامی اقدار کو مختلف ادوار میں دیگر ثقافتوں نے (جن میں سے اکثر قدامت پسند تھیں) بتدریج اپنے سماجی مفادات اور مقاصد کے لیے استعمال کیا، احادیث کا نئے سرے سے جائزہ لینے والوں کا کہنا ہے کہ مختلف نسلوں نے اپنے سیاسی مقاصد کے لیے احادیث میں تبدیلیاں کیں اور انھیں پیغمبر اسلام سے منسوب کر دیا۔ ترکی کا ارادہ ہے کہ صدیوں کی ان ثقافتی تحریفوں سے جان چھڑائی جائے اور اسلام کی اصل اساس کی طرف لوٹا جاسکے، پروفیسر محمد گومیز ترکی کے محکمہ مذہبی امور کے ایک سینئر اہلکار ہیں اور احادیث کے عالم بھی ہیں، انھوں نے کہا کہ اصلاح حدیث منصوبے کا مقصد یہ باور کرانا ہے کہ احادیث کا ازسرنو جائزہ لینا درست ہے اور ایسا جامع تحقیق اور مطالعے کی بنیاد پر کیا جارہا ہے، پروفیسر گومیز نے کہا کہ پیغمبرؐ نے ایک خطبے میں فرمایا کہ انھیں اس دن کا شدت سے انتظار ہے جب خواتین تنہا لمبے سفر پر جاسکیں گی، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام کا مقصد کیا تھا، انھوں نے کہا کہ اس طرح کی پابندی ابھی تک کتابوں میں موجود ہے اور یہ عورتوں کے آزادانہ سفر پر قدغن لگاتی ہے، ترکی نے اصلاحات کے پروگرام کے تحت ساڑھے چار سو خواتین کو مذہب کی تعلیم دے کر انھیں واعظ بنایا ہے، ان خواتین کو ترکی کے وسیع دیہی علاقوں میں عورتوں کو مذہب کی روح سے روشناس کرانے کا کام سونپا گیا ہے، لندن میں قائم چیتھم ہاؤس کے ترک امور کے ماہر فیدی ہاکورا کے مطابق ترکی اسلام کی ازسرنو دریافت کر رہا ہے، ایسا کرنے کے لیے ترکی کی ریاست ویسے ہی کر رہی ہے جیسا کہ کلیسا میں اصلاحات کی گئی ہیں۔

(روزنامہ ایکسپریس- کراچی، مورخہ ۲۸ فروری ۲۰۰۸ء)

فرمان الٰہی:

إِنَّهُمْ لَن يُغْنُوا عَنكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۖ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ (الجاثیة:١٩)

''اور یہ اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آسکتے: اور ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں، اور اللہ متقیوں کا دوست ہے''

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (الحجرات:١٠)

''ایمان والے تو آپس میں بھائی بھائی ہیں''

اس امت کا طرز عمل:

شہدائے کربلا نے بے مثال قربانیاں دیکر انسانیت کو زندہ جاوید کردیا، مقررین

شیعہ، سنی، دیوبندی، بریلوی اور اہلحدیث بھائی بھائی ہیں، محرم الحرام امن کانفرنس سے خطاب

عاشورہ محرم الحرام میں باقاعدہ احترام آرڈیننس نافذ کیا جائے، قرارداد منظور

حیدرآباد (بیورو رپورٹ) حضرت امام حسینؑ اور شہدائے کربلا نے بے مثال قربانیاں دیکر انسانیت کو زندہ جاوید کردیا۔ شیعہ، سنی، دیوبندی، بریلوی اور اہلحدیث آپس میں سب مسلمان اور بھائی بھائی ہیں، ہم سب کا دشمن ایک ہے جو ہمیں مختلف طریقوں سے لڑا کر کمزور کرنا چاہتا ہے۔ ان خیالات کا اظہار یہاں منعقدہ ''آل پارٹیز محرم الحرام امن کانفرنس'' میں مختلف مقررین نے کیا۔ مقررین نے کہا کہ ہم سب کا دین اسلام ہے، ہم سب مسلمان اور پاکستانی ہیں، ہمارا کوئی فرق نہیں، ہم سب اللہ رسول اور ایک قرآن کو ماننے والے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس مساجد، امام بارگاہیں، خانقاہیں، قرآن موجود ہے۔ انہوں نے کہا کہ شہدائے کربلا نے ہمیں درس دیا ہے کہ مسلمان کا خون مسلمان پر حرام ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف ہمیں متحدہ جدوجہد کرنا ہوگی، دہشت گردوں کا کوئی دین نہیں ہوتا ہے۔ مقررین نے کہا کہ ہم سب مل کر پاکستان کی امن وسلامتی کے لئے ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔ کانفرنس میں متحدہ قومی موومنٹ، پاکستان پیپلز پارٹی، پاکستان مسلم لیگ (ق)، پاکستان مسلم لیگ (ن)، جماعت اسلامی، جمعیت علمائے پاکستان، متحدہ مجلس عمل، شیعہ علماء کونسل، جمعیت علمائے اسلام، جماعت اہلسنت، جماعت اہل حدیث، انجمن تاجران حیدرآباد، عوامی نیشنل پارٹی، اسلامی جمعیت طلبہ، انجمن اساتذہ پاکستان، سپاہ محمد، منتخب نمائندوں اور عمائدین شہر میں شامل...... اور دیگر نے بھی خطاب کیا۔ علاوہ ازیں آل پارٹیز محرم الحرام امن کانفرنس میں متعدد قراردادیں منظور کی گئی جس میں مطالبہ کیا گیا کہ عاشورہ محرم الحرام میں باقاعدہ احترام آرڈیننس نافذ کیا جائے، نازیبا نشریات پر پابندی عائد کی جائے عاشورہ محرم الحرام کے دوران شراب اور دیگر منشیات کی فروخت پر پابندی عائد کی جائے، ذرائع ابلاغ پر محرم الحرام سے متعلق خصوصی نشریات جاری کی جائیں۔

(روزنامہ جنگ، کراچی۔ مورخہ ١٩ رجنوری ٢٠٠٧ء)

فرمان الٰہی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ (التوبۃ:٣٤)

''اے ایمان والو! (خبردار رہو!) ان مولویوں اور پیروں کی اکثریت لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتی ہے اور (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتی ہے''

اس امت کا طرز عمل:

بھارت، پیسے لیکر فتوے جاری کرنے والے کئی مفتیوں کو معطل کردیا گیا ہے

دہلی (مانیٹرنگ ڈیسک) ہندوستان میں مسلمانوں کے ایک اہم ادارے دارالعلوم دیوبند نے مبینہ طور پر پیسے لے کر فتوے جاری کرنے والے بعض مفتیوں کو معطل کردیا ہے۔ ایک پرائیویٹ ٹی وی چینل نے دکھایا ہے کہ مفتی فتووں کی تجارت کرتے ہیں اور پیسے دیکر ان سے کسی بھی طرح کا فتویٰ لیا جاسکتا ہے۔ ٹی وی چینل نے اسٹنگ آپریشن کی مدد سے دکھایا ہے کہ مفتی فتووں کی تجارت کرتے ہیں اور پیسے دے کر ان سے کسی بھی طرح کا فتویٰ لیا جاسکتا ہے۔ بھارتی نجی ٹی وی چینل نے خفیہ کیمرے کی مدد سے مفتیوں کے اس کردار کو پیش کیا ہے اس سے پورے ملک میں سنسنی پھیل گئی ہے۔

(روزنامہ ریاست، کراچی۔ مورخہ ٢٣ رستمبر ٢٠٠٦ء)

فرمان الٰہی:

قُلْ أَرَأَيْتُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ لَكُم مِّن رِّزْقٍ فَجَعَلْتُم مِّنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ آللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ ۖ أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ (یونس:٥٩)

''کہو کہ بھلا دیکھو تو اللہ نے تمہارے لیے جو رزق اتارا ہے تو تم نے اس میں (بعض کو) حرام ٹھہرایا اور (بعض کو) حلال۔ (ان سے) پوچھو کیا اللہ نے اس کا تمہیں حکم دیا ہے یا تم اللہ پر افتراء کرتے ہو؟''

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ (النحل:١١٦)

''اور یونہی جھوٹ جو تمہاری زبان پر آجائے مت کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھنے لگو؛ جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں، وہ فلاح نہ پائیں گے''

اس امت کا طرز عمل:

حکومتی پابندی کی صورت میں گائے ذبح کرنا غیر اسلامی ہے، دارالعلوم دیوبند

مسلمان گائے ذبح کرنے، گوشت کھانے اور کھالوں کی تجارت سے باز رہیں، مفتی حبیب الرحمن

لکھنؤ (ایجنسیاں) دارالعلوم دیوبند نے فتویٰ جاری کیا ہے کہ حکومتی پابندی کی صورت میں گائے ذبح کرنا یا اس کا گوشت کھانا غیر اسلامی ہے لہٰذا مسلمان گائے ذبح کرنے اس کا گوشت کھانے یا گائے کی کھالوں کی تجارت کرنے سے باز رہیں۔ بھارتی خبر رساں ادارے کے مطابق یہ فتویٰ دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ مفتی حبیب الرحمن نے مظفرنگر کے ایک رہائشی حاجی محمد اسرار کی طرف سے پوچھے گئے سوال کے جواب میں دیا۔ فتوے میں انہوں نے مزید کہا کہ گائے کا گوشت کھانے والے بھینسوں، بکرے اور چکن یا مچھلی کا گوشت کھا سکتے ہیں۔ اتر پردیش کے رہائشی حاجی اسرار نے اپنے سوال میں پوچھا تھا کہ کیا اسلام گائے کے قتل یا بچھڑے کو ذبح کرنے اور ان کی کھال کو تجارت کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے؟ جس کے بعد تین رکنی کمیٹی کی طرف سے اس معاملے پر غور کے بعد مفتی حبیب الرحمن نے فتویٰ جاری کیا۔

(روزنامہ اشرق، کراچی۔ مورخہ ٢٨ راپریل ٢٠٠٦ء)

performed by them like leading daily prayers (*salah*), giving lessons of the Qur'an and Hadith, recitation of the Qur'an whether in *Taraweeh* during *Ramadan* or otherwise. Although, all these are obligatory for each and every Muslim whether one is to lead the prayer or to follow it. Unfortunately, it is true for all sects and schools of thought whether they may be Hanbaly or Shaf'ai, Maliki or Hanafi, Deo Bandi or Barailvi, Ahl-e-Hadith or Shiite. How would you consider a man who has sacrificed an animal in the name of Allah (ﷻ), may it be on the occasion of *Eid-ul-Adha* or on any other occasion, and afterwards starts selling its meat? Would it be considered a *Qurbani* for the sake of Allah alone? Of course not. Similarly, how a person can justify demanding a salary for conducting prayers when it is equally obligatory for himself also to pray five time a day whether one may be an *Imam* or not. They have made the religion a source of income as stated by Allah (ﷻ) in the above cited verse: "who in falsehood devour the wealth of people".

In fact Allah (ﷻ) has ordained in His Book that one who makes and that who joins these sects and factions in the religion, becomes deviant from Islam. Schismatics have been declared as *Mushrik* (polytheist) and their religion will not be acceptable by Allah(ﷻ) on the Day of Judgment. How clearly it is exhorted in the following verses of *Surah* Aal-e-Imran:

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ
الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ

The Religion before Allah is Islam (i.e. submission to His will): nor did the people of the Book dissent there-from except through envy of each other, after knowledge had come to them. But if any denies the Signs of Allah, Allah is swift in calling to account. (19)

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا
وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ

Do they seek for other than the Religion of Allah? While all creatures in the heavens and on earth have willing, or unwilling, bowed to His Will (accepted Islam), and to Him shall they all be brought back. (83)

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ

If anyone desires a religion other than Islam(submission to Allah) never will it be accepted of him; and in the Hereafter he will be in the ranks of those who have lost. (85)

Allah (ﷻ) commanded the mankind in *Surah* Al-Rome" not to become "*Mushrik*" by making sects and factions in the religion, as has been done by earlier nations who were doomed because of their such "*Shirk*". The verse is:

مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا
دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ

Turning unto Him (only); and be careful of your duty unto Him and establish worship, and be not of those who ascribe partners (unto Him); (31) *Of those who split up their religion and became schismatics, each sect exulting in its tenets.* (32)

Unfortunately, Muslim *Ummah* (i.e. the nation) of current era is no less different than earlier ones. Like other nations, the present so-called Muslim *Ummah* is divided in various sects and factions and has created several sects in its religion. Every sect thinks that they are on the right path and are true representatives of Prophet Muhammad (ﷺ) - their way is the correct way and the rest are all wrong. In fact, all these man-made factions with hidden self interests are gone astray. This is what has been strongly forbidden in the Qur'an:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

And hold fast, all of you together, to the cable of Allah, and do not separate (103) *(Aal-e-Imran)*

In realization of above, how can a Muslim be a Deo Bandi, Ahl-e-Hadith, Barailvy, Shia'a, Qadiyani, Pervaizi and so on; and even for that matter Hanbaly, Shaf'ai, Maliki, or Hanafi? Did the Prophet Mohammad (ﷺ) and his faithful companions (رضي الله عنهم) belong to any one of these sects or factions?

As a true Muslim, one has to keep himself away from all these "man-made and self proclaimed" factions/ sects and must not associate with any of them under any circumstances and never ever follow these "so-called scholars" who have divided the Muslim *Ummah* for their own worldly benefits and at the same time deviated the *Ummah* from the teachings of Islam. These so-called scholars made factions to fulfill their own ulterior motives i.e. the worldly gains (power and wealth) and to gain superiority over one another as has been pointed out by Allah (ﷻ) in the above verses of *Surah* Al-Shoora.

These Ulema, Moulvis and Pirs have not only divided the Muslim *Ummah* but are also benefiting from their wealth and taking undue advantage from their resources. This has also been pointed out in the above mentioned verses.

Furthermore, Allah has warned that He may, if so wishes, forgive all sins of the human beings but not the *SHIRK* alone:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ وَمَن يُشْرِكْ
بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا

Lo! Allah forgives not that a partner should be ascribed unto Him. He forgives (all) save that to whom He will. Whoso ascribes partners to Allah, he has indeed invented a tremendous sin. (48) *Al-Nisa*

This may please be noted carefully that all these sects and factions would lead to *SHIRK* as stated in the above cited verses of *Surah* Al-Rome.

It is absolutely due to utter kindness of Allah (ﷻ) that He postponed the Day of Judgment to a certain time, which is known to Him alone; or else the mankind would have been checked for their such differences and punished accordingly. Allah's punishment is sever and He cannot be approached by anyone through gratification. He has again pointed out that those who have been

.....*continues on page 64*

manifest, (119) *he promises them and stirs up desires in them, and promises them only to beguile.* (120) *For such, their habitation will be hell, and they will find no refuge therefrom.* (121)

The Satan prayed to Allah (ﷻ) Who granted him life and freedom for his actions till the day of Judgment. Allah (ﷻ) warned the Satan that only those humans would go astray who will not be believers (i.e.Kafir) and who refuse to follow the commandments of Allah (ﷻ) and act upon the *Sunnah* of the prophets.

The next part of these verses of *Surah* Al-Shoora directs the mankind to remain steadfast and tied with the Religion of Islam and make no divisions therein for which Allah (ﷻ) promises to give such faithful servants the paradise (Jannah) in reward to their obedience.

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا

But as for those who believe and do good works, We shall bring them into gardens underneath which rivers flow, wherein they will abide for ever; it is a promise from Allah in truth; and who can be more truthful than Allah in utterance? (122) *Al-Nisa*

However, it has been elaborated very explicitly that such divine reward is bestowed upon only those who are penchants towards it.

Unfortunately, descendents of all the prophets particularly the scholars (i.e. *Ulema* who also claim themselves to be *"Warasat-ul-Kitab* or *Warasat-ul-Anbia"* i.e. the successors of the Scripture or the prophets) deviated from the true teachings as brought and taught by the messengers of Allah (ﷻ). This is true for all times, may that be the Jewish era or the Christian era. These so-called scholars dragged their followers from the right path into darkness which is wholly the method prescribed by the Satan. In addition, these so-called scholars introduced factions and divided them in numerous sects and thus straying the mankind far away from the righteous path made the religion impure and incorrect. The teaching of Islam about remaining undivided and adhering to the pristine mono-theism, happens to be too harsh to the schismatics which they cannot tolerate at all.

Making divisions in the religion is not because of that they were not aware of it or were not knowledgeable enough. In fact, these scholars had (and still have) full knowledge of their religion but, as narrated in the above verses of *Surah* Al-Shoora, it was(and is) because of their vested interests that can be greed of power and lust for wealth. They divided the people in different sects so that each group would assert their strength on others and thus meeting their own ulterior motives, gather and acquire the most of benefits without coming into the light while they keep on wearing the garbs of religion and would still remain respectable in the eyes of the general public.

Making divisions in the true religion is actually giving birth to *SHIRK* and any innovation in the method of worshipping is *Bid'a* - a heresy i.e. an un-acceptable methodology of worshipping being against the traditions of the Prophet (ﷺ). Such nations continued to follow their *Ulema* without studying by themselves the message of their Creator - Allah (ﷻ). Had it been, the wrong of such *Ulema* would become manifest to them and they would recognize the real face of these so-called scholars. Allah (ﷻ) has described the actions of such scholars in the verses of *Surah* Al-Taubah, as stated hereunder:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ
بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ

O ye who believe! There are indeed many among the priests and anchorites, who in falsehood devour the wealth of people and hinder (them) from the Way of Allah. (34)

This verse is a proof that the so-called scholars who have created sects and factions in the Muslim *Ummah* and spread incorrect beliefs, are verily those who are referred to in the above verse. Such scholars have also introduced new traditions and wrong methods of worshipping other than those given to the mankind by Allah's messengers, Prophets (ﷺ). In essence, these are the *ulema, moulvi,* mystics and scholars *(Ahbar-wa-Ruhban)* who are specifically pointed out in this verse. These so-called scholars not only extract the peoples' wealth deceitfully and wrongfully but also stray them from the righteous path.

These so-called scholars have introduced various innovative methods of worshipping so that they may keep on collecting the worldly gains and encroach upon people's wealth unlawfully. In the religion of Islam too, these so-called ulema, scholars and Imams have spread out incorrect beliefs in the Muslim *Ummah* which are absolutely against the Qur'an and Sunnah, such as:

- (i) *meelad-un-Nabi, qur'an khawani, Qawwali, shab-e-barat* etc. ;
- (ii) return of souls in dead bodies in worldly graves;
- (iii) awareness of living people's deeds by the dead people;
- (iv) dead people have knowledge and super power about this living world;
- (v) ability of the dead people to take actions in the living world;
- (vi) attribution of *Ilm-e-ghaib* (the knowledge of unseen) to prophets, priests and saints (pirs, moulvi, mystics, qalandar, malang etc.) including those who have even died;
- (vii) *"taweez" (tamimah* i.e. amulets);
- (viii) *nazar* or *niaz* for dead people;
- (ix) numerous innovations in burials, introducing Hindu methodology like, *teeja, daswan, beeswan, chehallum* (i.e. post-death celebrations on 3rd, 10th, 20th and 40th day respectively) and yearly *urs,*
- (x) for *"qadar"* (fortune), beliefs in gems and stars instead of Allah (ﷻ).

They are more than greedy to grab the wealth of people by demanding money for each action of piety

بسم الله الرحمن الرحيم

In the name of Allah, the Beneficent, the Merciful

A Thought Provoking Call

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ ۝ وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَابَ مِن بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ۝ فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِن كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝ (سورة الشورى)

The same religion He has established for you as that which He had enjoined on Noah–that which We have sent by inspiration to you-and that which We had enjoined on Abraham, Moses, and Jesus: namely, that you should remain steadfast in the Religion, and make no divisions therein: to those who worship other things than Allah; hard is (the way) to which you call them. Allah chooses to Himself those whom He pleases, and guides to Himself those who turn (to Him). (13) And they became divided only after knowledge reached them – out of selfish envy as between themselves. Had it not been for a Word that has gone forth before from your Lord, (tending) to a Term appointed, the matter would have been settled between them: but truly those, who have inherited the Book after them, are in suspicious (disquieting) doubt concerning it. (14) Now then, for that (reason), call (them to the Faith), and stand steadfast as you are commanded nor follow you their vain desires; but say: I believe in the Book which Allah has sent down; and I am commanded to judge justly between you. Allah is our Lord and your Lord. For us (is the responsibility for) our deeds, and for you your deeds. There is no contention between us and you. Allah will bring us together, and to Him is (our) final goal. (15)☆

Above are quoted three verses of *Surah* Al-Shoora which was revealed at Makkah. In this *Surah* (i.e. chapter), while the Quraishiites and residents of Makkah were expressing their doubts about the revelation of the Qur'an and declaration of Mohammad (ﷺ) as Allah's Messenger, Allah (ﷻ) stated addressing them that this revelation is not any thing new. Allah (ﷻ) has been sending messengers and revealing the books in the past, too, which faced the similar hostile behavior of the people of that time. Consoling the Prophet Mohammad (ﷺ) at the hostile attitude of his own people, he has been advised that the enmity, inconsistency and disobedience being experienced by him in their behavior, is nothing new or strange. Even in the past, whenever Allah(ﷻ) has sent His messengers and books to the mankind for their guidance to the righteous path, the people especially the rulers and the religious leaders never accepted the truth. In fact, the religious leaders were amongst the foremost enemies of the prophets because they were directly affected by the commandments of Allah (ﷻ), although, anyone with the slightest nobility and common sense would surely have accepted the message of Allah (ﷻ). Further, it states an important point that none of the prophets has ever brought any religion but ISLAM. The messengers of Allah (ﷻ) never uttered a single word of their own in respect of the religion but only as commanded by Allah (ﷻ).

The above quoted three verses of *Surah* Al-Shoora of the Qur'an describe the origin of the Islamic religion as Allah (ﷻ) narrates here that," O' Mohammad(ﷺ) this is not some thing new that has been revealed upon you, rather it is continuation of the same message that was commanded and revealed to Noah (عليه السلام), and thereafter on Abraham, Moses, and Jesus (عليهم السلام)."

The Satan is always with humans and continues to perform his task i.e. to stray the mankind from the righteous path so that he may drag the majority of humans to the Hell-fire. This will enable him to fulfill his promise i.e. to get astray humans from the righteous course as much as he can, as stated in the Qur'an, *Surah* Al-Nisa:

لَّعَنَهُ اللَّهُ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ وَمَن يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّن دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا ۝ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ۝ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ۝

Whom Allah cursed, and he said: Surely I will take of Your bondmen an appointed portion, (118) And surely I will lead them astray, and surely I will arouse desires in them, and surely I will command them and they will cut the cattle's ears, and surely I will command them and they will change Allah's creation. Whoso chooses the Satan for a patron instead of Allah, is verily a loser and his loss is

☆ English translation of the Qur'an has been taken from Yusuf Ali with slight changes of archaic words.

ہمارا مِشن

کوئی کہے یا نہ کہے، ہم اعلان کرتے ہیں کہ یہ دین ہمارا دین نہیں، یہ ایمان ہمارا ایمان نہیں۔ ہم تو ایسے دین، ایسے ایمان کے جانی دشمن ہیں۔ ہم تو اُس سچے دین اور سچے ایمان کے قائل ہیں جو عبادات و معاملات، کردار و عمل، تہذیب و تمدن، تعلیم و ثقافت، سیاست و سیادت، صلح و جنگ، غرض زندگی کے ہر شعبے کو اللہ کے رنگ میں رنگ دے اور غیر اللہ کی بندگی کا ایک دھبہ بھی باقی نہ چھوڑے۔ اور اگر یہ انقلاب زندگی میں رُونما نہ ہو تو سمجھ لو کہ دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہے:

(۱) یا تو ایمان کا اقرار کرنے والا کم عقل اور سفیہ ہے اور ایمان کے تقاضوں کی سمجھ ہی نہیں رکھتا؛

(۲) یا وہ منافق ہے کہ زبان سے تو اقرار کر رہا ہے مگر دل سے مان کر زندگی اور ماحول میں تبدیلی لانے پر تیار نہیں ہے۔

وہ ایمان ہرگز ایمان نہیں ہے، جس کے اثر سے انسان کے کردار و عمل میں، اس کی صبح و شام میں انقلاب نہ آ جائے۔ سچے ایمان ہی کو یہ توفیق ملتی ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں، اس کی توحید کو قائم کرنے کے لیے سربکف میدان میں اتر کر باطل کو للکارے۔ پھر زمین کانپے، سر اچھلیں، سینے چاک ہوں، آسمان دھوئیں سے بھر جائے اور جب زمین کو سکون ملے اور گرد چھنٹے تو یہ معلوم ہو کہ حق اپنے وسائل کی کمی کے باوجود کامران ہے اور باطل پسپا اور بے حال...... ہمارے سامنے یہی ایک ہدف ہے۔ ہم اللہ کے بندوں کو برابر اسی ایمان کی طرف بلاتے رہیں گے، چاہے ایک ہاتھ بھی ہماری حمایت میں نہ اٹھے، اور ایک زبان بھی ہماری تائید کرنے پر تیار نہ ہو۔ انشاء اللہ! کیونکہ اسی طرح سے ذلت عزت میں، بے آبروئی آبرومندی میں اور بزدلی جرأت میں بدل سکتی ہے۔ اور پھر یہ خراب و خستہ، ذلیل و رُسوا اُمت، دنیا اور آخرت میں سرفرازی، کامرانی اور تاجداری کی مستحق بن سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ دن جلد لائے۔ آمین!

اس سلسلے میں سر دست ہمارے پیش نظر حسب ذیل کام ہیں:

(۱) گلی کوچوں، سڑکوں اور بازاروں میں الٰہ واحد کی طرف بلانا، اس کی بندگی کی دعوت دینا؛

(۲) گھروں، مسجدوں، اور محفلوں میں قرآن و حدیث کے درس کے ذریعے لوگوں کو دینِ حق کے تقاضوں سے واقف کرنا؛

(۳) تعلیم دین کا ایسا انتظام کرنا کہ ایک مسلمان اپنی استعداد کے مطابق اس سے فائدہ اٹھا کر دینِ خالص پر چل سکے؛

(۴) تحریر کے ذریعے دینِ کی خالص دعوت کو پھیلانا؛

(۵) سب سے بڑھ کر خود اپنی زندگی سے اس بات کی شہادت دینا کہ بندگی خالصتاً اللہ تعالیٰ کی ہوگی اور اُس طریقے پر جو سنت نبوی کا طریقہ ہے؛

(۶) اللہ کے ایسے بندوں کو تلاش کرنا جو ایک مالک کی بندگی پر جم جانے کا عزم رکھتے ہوں؛ انہیں یکجا اور منظم کرنا اور پھر ان کو ساتھ لے کر اِعلاءِ کلمۃُ اللہ کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کی بازی کھیلنا۔

آخر میں، ہم ان لوگوں سے، جن تک ہماری یہ دعوت پہنچے، یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ اس کو ہر طرح سے جانچیں اور پرکھیں گے، اور اگر حق پائیں گے تو ہمارا ساتھ دینے کی کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام پر زندہ رہنے اور ایمان پر مرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(ماخوذ: یہ مزار یہ میلے، صفحہ ۵۴ [کمپیوٹر کتابت])

قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ يَرْحَمُ اللّٰهُ نِسَاءَ الْمُهَاجِرَاتِ الْأُوَّلَ لَمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ (وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ) شَقَّقْنَ مُرُوْطِهِنَّ فَاخْتَمَرْنَ بِهَا

(صحیح بخاری: کتاب التفسیر، تفسیر سورة النور، باب (وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ)

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اولین مہاجرین کی عورتوں پر رحم فرمائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے (سورہ نور کی) یہ آیت نازل فرمائی کہ ''اپنے سینوں پر اپنی چادریں اوڑھے رہا کریں'' تو انہوں نے اپنے اونی کمبل پھاڑ کر ان سے پردے کی چادریں بنالیں۔

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّهَا ذَكَرَتْ نِسَاءَ الْأَنْصَارِ فَأَثْنَتْ عَلَيْهِنَّ وَ قَالَتْ لَهُنَّ مَعْرُوْفًا وَّ قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتْ سُوْرَةُ النُّوْرِ عَمِدْنَ إِلٰى حُجُوْرٍ أَوْ حُجُوْزٍ شَكَّ أَبُوْ كَامِلٍ فَشَقَقْنَهُنَّ فَاتَّخَذْنَهُ خُمُرًا

(سنن ابی داوٗد: باب فی قوله تعالیٰ (يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ)

عائشہ رضی اللہ عنہا نے انصار کی عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تعریف کی، ان کے لیے اچھے الفاظ استعمال کیے اور کہا کہ جب سورۃ النور نازل ہوئی تو انہوں نے اپنے گھر کے پردوں کو پھاڑ کر ان سے پردے کی چادریں بنالیں۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتْ (يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ) خَرَجَ نِسَاءُ الْأَنْصَارِ كَأَنَّ عَلٰى رُءُوسِهِنَّ الْغِرْبَانَ مِنَ الْأَكْسِيَةِ (ایضاً)

ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ جب (سورہ احزاب کی) یہ آیت نازل ہوئی کہ (يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ) ''وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکالیا کریں'' تو انصار کی عورتیں اس طرح نکلا کرتیں کہ ان کی چادروں سے ایسا لگتا گویا ان کے سروں پر کوے بیٹھے ہیں۔